نبی کریم ﷺ نے فرمایا

رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا

کشف الغرر عن سنۃ الفجر

سنت فجر

عند الاقامت پر شکوک و شبہات کا تحقیقی جائزہ

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنیؒ

مقدمہ

محقق العصر شیخ سجاد الحجابی

نظر ثانی

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

تالیف

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی

اُستاد التخصص فی الفقہ والافتاء مردان

شعبہ نشر و اشاعت: جامعۃ الفلاح بخشالی مردان

کشف الغرر عن سنت الفجر

نام کتاب — سنت فجر

مولف۔ — مولانا مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی

تعداد — 1100

سال طباعت — 2018

ناشر: — جامعہ الفلاح بخشالی مردان

سٹاک: — مکتبہ وحیدیہ محلہ جنگی پشاور

مکتبہ الاحرار نیواڈہ مردان

مکتبہ حذیفہ بخشالی مردان

مکتبہ محمودیہ عبدالرحمٰن پلازہ صوابی

رابطہ نمبر 0310-9595095

تاثرات مولانا ثناء اللہ سعدؔ شجاع آبادی مدظلہ

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب، ایدک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کی تحریر دلپذیر کے مطالعہ سے محظوظ ومسرور ہوا، اسے میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں بلاشبہ یہ ''کاشف الغرر'' ہے، نہایت پُراثر ہے، باعثِ تسکینِ قلب وجگر ہے، ہر صاحبِ نظر کیلئے قابلِ قدر ہے، خوب نہیں خوب تر ہے۔ یہ دلائل کا ایک سیلاب ہے جو غیر مقلدین، مخالفین، معاندین، حاسدین، ناقدین کے ہر فردِ کم ترین کیلئے باعثِ عذاب ہے۔ ان شاء اللہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہر عدو کا خانہ خراب ہے، اس پر اللہ ورسول کا عتاب ہے۔

مولانا! الحمدللہ رب العالمین کا ورد کیجئے اور سجدۂ شکرادا کیجئے۔ آپ کی کتاب باصواب لاجواب ہے۔ اس میں جتنے براہین ضوفگن ہیں سب باطل شکن ہیں۔ حق ہے کہ یہ کتاب جلد منصۂ شہود پر آئے اور قلوب کو گرمائے۔ جتنی تاخیر ہو چکی کافی سمجھیں۔

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ!

ثناء اللہ سعدؔ شجاع آبادی کان اللہ لہٗ

۱۰ر صفر المظفر ۱۴۳۹ھ بمطابق ۳۱ر اکتوبر ۲۰۱۷ء

تقریظ حضرت مولانا مفتی عبداللہ فردوس صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد! سنت اور اسکی ادائیگی پیغمبر پاک ﷺ کیساتھ محبت کاملہ کا اظہار ہے۔صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک امت مسلمہ کے مقلدین اور مقلدین حضرات اس پر کاربند رہے ہیں۔سنت مبارکہ کی عظمت اُنکے قلوب میں تھی جبکہ آج کا دور نقول کا ہے۔فجر کی جماعت کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے اور فجر کی نماز کے بعد فجر کی سنتیں نہ پڑھنے پر پاک وہند میں اتفاق تھا سب لوگ مذہب حنفی پر عمل پیرا تھے۔ان فروعی مسائل میں اختلاف اُس وقت پیدا ہوا جب انگریز نے سرزمین ہندوستان پر اپنے ناپاک قدم رکھیں،اور بات یہاں تک پہنچی کہ معمولی فروعی مسائل میں جنگ وجدال کی فضا پیداء ہوئی،احناف پر خلاف سنت عمل کرنے کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔اس صورت حال کو دیکھ کر علمائے پاک وہند نے ان بے بنیاد الزامات کا پردہ چاک کرنے کیلئے اپنے قلم کو جنبش دی اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

آپ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرنے والوں کو بعض اوقات طعنے دیے جاتے ہیں،اُن پر فقرے کسے جاتے ہیں،اُن کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔اس سے بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں اور شکوک وشبہات میں مبتلاء ہوجاتے ہیں،یہی کیفیت فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھنے کے متعلق بھی پیدا کی گئی ہے اور لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلاء کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے ''مولانا مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی'' صاحب کو کہ انہوں نے احیاء سنت کی دفاع کیلئے اپنے قلم کو حرکت دیکر ایک بہترین کتاب ''کشف الغرر عن سنۃ الفجر'' لکھی ہے جس میں مولانا موصوف نے فجر کی سنتوں کے متعلق تمام شکوک وشبہات کے مدلل جوابات دیکر اہل حق کیلئے ایک بہترین علمی سرمایا میسر فرمایہ ہے۔اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرما کر تمام مسلمانوں کیلئے نافع بنادیں۔آمین

(مفتی) عبداللہ فردوس عفی عنہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

فہرست مضامین

تقریظ

سیدی ومرشدی شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی مدظلہ العالی

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عَبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى
امابعد"

محترم مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی حفظہ اللہ تعالیٰ کی زریں وقیع تالیف

"كَشْفُ الْغُرَرِ عَنْ سُنَّةِ الْفَجْرِ"

کے بالاستیعاب مطالعہ سے بے حد سرور وانبساط نصیب ہوا، ماشاء اللہ، مولانا موصوف نے نماز فجر کے قیام کے دوران سنت فجر کو پڑھنے کے جواز پر حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، سلف صالحینؒ کا عمل اور دیگر سنت فجر سے متعلق مباحث، اور غیر مقلدین حضرات کے بے بنیاد اعتراضات کے تسلی بخش جوابات کو مدلل محققانہ انداز، شاندار تبویب وتنسیق، سلیس اُردو زبان میں زیب قرطاس فرما کر مسلک احناف سے وابستہ حضرات کیلئے ایک شاندار علمی شاہکار سے نوازا ہے ۔جزاہ اللہ احسن مایجازی عبادہ المحسنین

الحمدللہ ثم الحمدللہ! مسلک احناف ایک محتاط، معتدل مسلک ہے جس کے تمام مسائل کتاب وسنت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے عین مطابق ہیں ہمارے فقہائے کرام نے سنت فجر کے بارے میں جو باتیں فرمائی ہیں کہ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کو صفوں سے دور مسجد میں یا مسجد سے باہر پڑھنا جائز ہے یہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن العاصؓ نے مجھے اور حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو صبح کی نماز سے پہلے بلایا۔ جب ہم ان کے گھر سے نکلے تو صبح کی نماز کیلئے اقامت ہوگئی تھی تو

ابن مسعودؓ ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ کر فرض نماز میں شریک ہوئے تو ان کے اس عمل پر نہ حذیفہؓ نے انکار کیا اور نہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے، اسی طرح ابومجلزؒ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور امام صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہوگئے اور ابن عباسؓ دو رکعت سنت پڑھ کر اسکے بعد جماعت میں شریک ہوئے اسی طرح ابن عمرؓ ایک دفعہ گھر سے نکل کر تشریف لائے تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی آپؓ نے مسجد سے باہر سنت پڑھ کر نماز میں شریک ہوئے اور ایک دفعہ حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنت پڑھ کر نماز میں شریک ہوئے اسی طرح ابودرداءؓ اور مسروقؒ اور حسن بصریؒ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوگئے تھے۔ یہ صحابہ کرامؓ سنت فجر کی ادائیگی میں اس لئے زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سنتوں کے بارے میں تاکید فرمائی ہے: "لَاتَتْرُكُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ". اور اسی طرح یہ سنتیں اگر رہ جائیں تو طلوع شمس کے بعد پڑھنی چاہئیں سنن ترمذی میں امام ترمذی اور حاکم نے مستدرک میں ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کی سنت فجر رہ جائیں تو وہ طلوع شمس کے بعد پڑھ لے، استاد المحدثین حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس حدیث کا کتب احادیث میں تتبع کیا تو یہ حدیث بیس طرق سے زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ العرف الشذی ص:۱۹۴۔ وعلی کل حال، محترم مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی جزاہ اللہ احسن الجزاء نے پوری محنت اور عرقریزی کے ساتھ یہ کتاب تالیف فرما کر علمی دنیا میں ایک بہترین کتاب کا اضافہ فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر فرزندان اسلام کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمادے۔

کتبہ: خادم اہل العلم شیر علی شاہ

۲۲/۱/۱۴۳۵ھ

اظہار تشکر

الحمدلله و كفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ اما بعد.

ناچیز اپنے شیخ اُستاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدظلہ العالی کا انتہائی مشکور وممنون ہے کہ اس پیرانہ سالی میں اور باوجود آنکھوں کی تکلیف کے اس ناچیز کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور احقر کو دعائیں دے کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسی طرح میں اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا شیخ سجاد الحجابی دامت برکاتہم العالیہ کا جن کے وقیع مشوروں سے ناچیز اس تالیف کو احسن طریقہ سے تکمیل تا پہنچا پایا، اور جناب مولانا ثناءاللہ سعد شجاع آبادی مدظلہ کا بھی انتہائی ممنون ومشکور ہوں کہ جناب نے اپنے انتہائی قیمتی اوقات میں کتاب کی نظر ثانی کا فریضہ بخوبی انجام فرمایا۔ اور ان حضرات بزرگان دین کے علاوہ جن دوستوں نے جس قسم کی رہنمائی فرمائی ہے میں ان سب مخلصین کا دل کی گہرائیوں سے مشکور وممنون ہوں اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

مقدمہ

از

شیخی وسیدی، محقق العصر، جامع المعقول والمنقول شیخ سجاد الحجابی حفظہ اللہ ورعاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين وحده، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين من لا نبي بعده، وعلى آله وصحبه الذين حفظوا الاسلام عِزه ومجده، وعلى حَمَلةِ العلم الذين ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين، فبلغ فيه كل جهده، وبعد!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک ابدی دین ہے اور اسلام آنے کیساتھ سابقہ تمام ادیان منسوخ ہوگئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلامُ﴾ [آل عمران: ۱۹] بلکہ اسلام کی تکمیل کا اعلان باقاعدہ فرمایا اور نعمت اور رحمت قرار دیا۔ اس تحفہ خداوندی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ کی روشنی میں نہایت احسن طریقہ سے صحابہ ؓ کو پہنچایا اور صحابہ ؓ نے تابعین کو۔ صحابہ ؓ اور تابعین ؒ کے دور میں فتوحات اسلامیہ انتہائی وسیع ہوگئے اور دین اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر مذہب بن گیا۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے بہت سارے مسائل کو اللہ تعالیٰ نے عام فہم بنایا لیکن بعض مضامین بظاہر عوام کے سمجھنے سے بالاتر تھے تو ان احکامات کو واضح کرنے کیلئے اللہ رب العزت نے آئمہ مجتہدین کو پیدا فرمایا۔ اسلام میں جوق در جوق اقوام داخل ہونے کی وجہ سے قسما قسم نئے مسائل، حوادث، نوازل پیش آتے

جن کو آئمہ مجتہدین نے حل کر کے ملت اسلامیہ کے سامنے بہت ہی ذود فہم اور عام فہم اسلوب میں پیش کیا، سلف صالحین کے ادوار میں مذاہب کی تعداد تقریبا ۳۲ کو پہنچتی ہے۔لیکن کئی مذاہب تدوین ہونے سے رہ گئے یا تو حالات ناہموار ہونے کی وجہ سے یا شاگردو کے نامحفوظ کرنے سے، اور بھی کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔لیکن ان تمام مذاہب کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالی نے کتاب وسنت کے حفاظت کیلئے ایک تکوینی امر کے تحت چار مذاہب کو باقی رکھا اور ہر مذہب کے امام کے تلامذہ بلکہ شاگردو کے شاگردو نے اُن مذاہب کو وسیع انداز میں مدون کیا۔آج بلکہ قیامت تک انشاءاللہ یہ مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، کے نام سے جانے جاتے ہیں اور جانے جائیں گے۔

دراصل یہ بات کسی بھی محقق پر مخفی نہیں ہے کہ مذاہب اربعہ ملت اسلامیہ کیلئے رحمت ہیں۔یادرہے کہ مذاہب اربعہ کے درمیان عقیدہ میں سرمو اختلاف نہیں ہے بلکہ عقیدہ میں ایک مٹھی کی طرح ہیں اور فروعی اختلاف جو کہ رحمت ہے وہ بھی بہت کم ہے۔

محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ شریعت کے تین فروعی حصوں کے اندر دو حصوں میں کامل اتفاق ہے اور باقی ایک حصے میں اختلاف رحمت ہے یا بعبارت دیگرے شریعت کے سو فیصد فروعی مسائل میں ۸۰ فیصد مسائل کے اندر چاروں مذاہب میں اتفاق ہے باقی ۲۰ فیصد مسائل میں اختلاف رحمت ہے۔جنکا مزاج شریعت ہی کے متقاضی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ ۲۰ فیصد اختلاف بھی نہایت محتاط ہے۔چنانچہ اگر ایک مذہب میں ایک قول کے حوالے سے ایسر (آسانی) پر عمل ہوا تو اسی مسئلہ کے اُوپر دوسرے مذہب میں احوط پر عمل ہوا یا کسی ایک مسئلہ کے اندر ایک مذہب میں اولی پر عمل ہوا تو اُسی قول میں دوسری مذہب کے اندر غیر اولی پر عمل ہوا۔خلاصہ یہ کہ اختلافی مسائل ایسر واحوط یا اولی اور غیر اولی کے درمیان

دائر ہیں اور اللہ رب العزت نے اُس کے اندر بھی رحمت رکھی ہے اور مشہور مقولہ ہے ''اختلاف الامة رحمة ''۔اس مقصد کیلئے علامہ ساعد بن ابی بکر الرازیؒ (جو چھٹی ہجری کے اکابر علماء میں سے ہے) کی کتاب ''الجمع بين التقوى والفتوى فى مهمات الدين والدنيا''، اور امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب ''الميزان الكبرى''، اور علامہ عثمانیؒ کی کتاب ''رحمة الأمة فى اختلاف الأمة '' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حسن الحظ کی بات یہ ہے کہ چاروں آئمہ مجتہدین کا ان قلیل فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود نہایت گہرا تعلق تھا جو خالص محبت اور الفت پر مبنی تھا۔اسکی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ آئمہ اربعہ ایک دوسرے سے کھل کر استفادہ کیا کرتے تھے۔یا یوں کہیے کہ یہ حضرات گویا ایک ہی خاندان کے افراد تھے جنکا رگ وخون کا رشتہ تھا۔ان چاروں اماموں میں سے دو امام یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دارالہجرہ امام مالکؒ بڑے امام شمار کیے جاتے ہیں اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ان کے بنسبت چھوٹے امام شمار کیے جاتے ہیں۔امام ابوحنیفہؒ باوجود یہ کہ تابعیت کے منصب پر فائز تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور علی رضی اللہ عنہ کے علوم کے وارث تھے۔جنکا اپنے زمانے میں کوفہ کے اندر ڈھنکا بج رہا تھا۔لیکن اسکے باوجود امام اعظم ابوحنفیہؒ نے امام مالک کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔دوسری طرف امام مالکؒ مدینہ منورہ کے صحابہؓ وتابعینؒ کے علوم کے وارث تھے۔لیکن اُسکے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے انتظار میں رہتے تھے اور جب امام ابوحنیفہؒ موسم حج میں حرمین شریفین تشریف لاتے تو امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ میں نہیں کتراتے تھے۔بلکہ روایت مشہور ہے کہ امام مالکؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے کتابوں سے ساٹھ ہزار مسائل کا استفادہ کیا ہے۔جیسا کہ امام مسعود بن شیبہ سندھیؒ نے ''مقدمہ کتاب التعلیم'' میں ذکر کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض آئمہ مالکی تو کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ سے کسی مسئلہ میں کوئی روایت منقول نہ ہوتو

امام ابوحنیفہؒ کے قول کو لیا جائے گا۔اور کچھ یہی شان امام مطلبی محمد بن ادریس الشافعیؒ کی بھی تھی مہبط الوحی مکہ مکرمہ کے باشندے تھے لیکن مدینہ منورہ جاکر امام مالکؒ سے مؤطا امام مالک کا سماع مکمل کیا، امام شافعیؒ ۱۸۴ھ میں یمن سے بغداد تشریف لائے اور امام محمدؒ سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کے دو اُونٹوں کے بوجھ کے برابر اُن سے علوم وفقہ کے سیکھے، اور امام شافعیؒ نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک اور مایا ناز شاگرد یوسف بن خالد السمطی سے بھی بھر پور استفادہ کیا اور عراقی فقہ کو جمع کیا انہوں نے پہلے پہل تو ''کتاب الحجہ'' لکھی جو عراق میں مشہور ہوئی اور بعد میں ''کتاب الام'' لکھی جو مصر میں مشہور ہوئی۔

۳ آئمہ اربعہ میں سے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے جانے جاتے ہیں جنہوں نے امام ابو یوسفؒ سے تین سال مسلسل استفادہ کر کے تین بوجھوں کے برابر علم جمع کیا اور اس پر بس نہیں کیا بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے امام محمد، امام اسد بن عمرو سے خوب استفادہ کیا۔اسکے بعد ۱۹۵ھ میں عراق کے اندر ہی امام شافعیؒ کے پاس علوم کی تکمیل کی۔خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ اربعہ کے درمیان محبت کا ایک گہرا تعلق تھا اور اسلام کو ترقی دینے میں ہر امام نے کسر نہیں چھوڑی اور انہیں آئمہ اربعہ کے پیچھے اس وقت مسلمانوں کے ۱۰۰ فیصد میں سے ۹۰ فیصد اتباع فرما رہے ہیں اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مذاہب اربعہ حق ہیں۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر حدیث ہے (لاتجتمع امتی علی الضلالة لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قریب کے زمانے میں ایک چھوٹی سی جماعت جن کو ''لامذہبیہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے کا کہنا ہے کہ مذاہب اربعہ سب کے سب غلط ہیں اور اس شرذمہ قلیلہ کا ہدف امت میں اختلاف ڈالنا ہے اور اختلافی مسائل میں انتہائی زور لگا کر قطرے سے سمندر، ذرے سے پہاڑ بناتے رہتے ہیں تاکہ امت کا شیرازہ بکھر جائے۔ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ فجر کی نماز کے اقامت

کے وقت مسجد میں فجر کی سنتوں کا پڑھنا ہے جنکے جواز پر ہمارے علاقوں میں اتفاق ہے اور اسی طرح فجر کی نماز کے بعد متصل سنتوں کا پڑھنا ہے جنکے عدم جواز پر بھی ہمارے دیار میں اتفاق ہے۔لیکن گزشتہ کئی سالوں سے ان لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں جنکا مثبت اور مدلل جواب علمائے حق کے ذمہ قرض تھا۔چنانچہ عزیزم، مخدوم گرامی جناب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی زیدہ مجدہم ونفع بہ الاسلام نے اپنے قلم کو اس موضوع پر حرکت دی اور بہترین دُرر اور غُرر کو جمع کیا۔اور لامذہبی جماعت کے جملہ اعتراضات کا مفصل جواب دے کر اہل حق پر احسان کیا۔بلکہ راقم اثیم کے درخواست پر غیر مقلد عالم دین ''شمس الحق عظیم آبادیؒ'' کے رسالہ ''اعلام اهل العصر باحكام ركعتى الفجر '' کے اہم اشکالات کے جوابات بھی لکھے اور یوں یہ بات روز روشن کی طرح واضح کردی کہ اس مسئلہ میں وہی موقف درست اور صحیح ہے جو جمہور سادات حنفیہ فرماتے ہیں۔

کتاب کو میں نے جستہ جستہ مقامات سے پڑھا تو فاضل مؤلف کے انداز نگارش کو بہتر پایا دلائل میں متانت، بحث میں سنجیدگی دیکھی۔''رب ذول الجلال'' سے دست بدعا ہوں کہ اس مفید تحریر کو مسلمانوں کیلئے اور بھی نافع فرمائے اور اس خدمت کو دنیا میں قبولیت سے نوازے اور آخرت میں ذخیرہ بنادے۔آمین

ہذا ما عندی

سجاد الحجابی

خادم الحدیث الشریف بمدینہ مردان

۲۴ جون ۲۰۱۷

"عرض مؤلف"

الحَمدُ لِلّٰهِ الّذی لا تُعَدُّ نِعَمُهُ الظَاهِرَةُ وَلا البَاطِنَةُ وأَحمَدُ الّذیْ هَدَانَا اِلیٰ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیمِ وَ اِلی دِیْنِ الحقِّ و الشَرْیعَةِ الْحَنِیفِیَةِ السَمْحَة الْبَیْضَاءِ الْمُبِیْنِ الّذیْ قَالَ فِیْ مُحْکَم کِتَابِهٖ الْکَرِیْمِ "وَمِنَ اللّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ" وَ الفُ الفُ صَلَاةٍ وَّسَلَام علیٰ نبیهِ الکریم ﷺ الّذی قال فِیْ شَأْنِهِمَا: "لاَ تَدْعُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْکُم الْخَیلُ" وَالسَّلام علیٰ الْخُلَفَاء الرَاشِدِینَ الْمَهْدِیْنَ وَ مِنهُم عُمَرَ بنُ الخطَّاب رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ الّذِی قَال فِیْ شَأْنِهِمَا: "هُمَا أَحَبُّ اِلیَّ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ" والسَّلام علی اٰله واصحَابِهٖ أَجْمَعِیْنَ اِلی یَوم الدِّین الّذِیْنَ قَالَ عزَّوجلَّ فی شَأْنِهِمْ "رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنهُ" والسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ وَ مِنْهُمْ أَبُوْحَنِیفَةُ النّعْمَانُ ابْنِ المرزُبَانِ الّذیْ قَالَ فِیْ شَأْنِهِ النَّبِیُّ ﷺ: لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِس. وبعد

صبح کی نماز کے قیام کے وقت مسجد میں سنتیں پڑھنے اور نہ پڑھنے کا مسئلہ اور نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا مسئلہ عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے بہت سے اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں صبح کی فرض نماز کے وقت کسی ستون کی آڑ میں ہو کر سنتیں پڑھنا جائز ہے اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ اس وقت مسجد میں سنتیں پڑھنے کو منع فرماتے تھے، اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ سے نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنا ثابت ہے اور بعض صحابہ کرامؓ منع فرماتے تھے۔ چونکہ دونوں طرف دلائل موجود ہیں اس وجہ سے یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ جسمیں تشدد سے کام لیا جاتا تھا اور

مجوزین (عند الاقامت) یا مانعین (بعد الفریضہ) حضرات پر خلاف سنت کرنے کے الزامات لگائے جاتے لیکن بدقسمتی سے اس معاملہ میں کچھ عرصہ سے چند لوگ انتہائی افراط وتفریط کا شکار ہو چکے ہیں اور جو حضرات جواز یا عدم جواز کے قائل ہیں اُن کے متعلق انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان کو معاند اور متعصب جیسے کلمات سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ جواز صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ عناد اور تعصب کے تیر احناف پر نہیں بلکہ اجلہ صحابہ کرامؓ پر برسائے جاتے ہیں، ان نام نہاد اہل حدیث کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں کہ جو الفاظ ہم احناف کے حق میں استعمال کر رہے ہیں ان کا اصل نشانہ اجلہ صحابہ کرامؓ بنتے ہیں نہ کہ احناف کیونکہ احناف انہی اجلہ صحابہؓ کی پیروی میں اسکے جواز کے قائل ہوئے ہیں۔ اب جو آدمی مجوزین عند الاقامت کو معاند کہتا ہے تو وہ اصل میں صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرتا ہے جو کہ صحابہ کرام کی بغض کی علامت ہے۔ اور مذکورہ بالا جماعت کے نزدیک صحابہ کرام معیار حق نہیں ہیں اور یہ بات انکے مسلمہ اصول میں سے ہے، توان سے اس قسم کی گستاخی کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن کم از کم اہل سنت والجماعت احناف کیلئے یہ بات ضرور غیرت کی متقاضی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کو معیار حق سمجھتے ہیں اور انکے اعراض پر لب کشائی کرنے والوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔

پس جب ان مسائل میں مذکورہ بالا حضرات نے انتہائی تشدد سے کام لیا یہاں تک بات بحث ومباحثہ تک پہنچ گئی اور علاقہ کے چند علمائے کرام نے ان کیساتھ کچھ مباحثہ بھی کیا لیکن یہ سب باتیں اس وقت احقر کے علم میں نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوئی چونکہ احقر نے پہلے سے اس موضوع پر کچھ مواد جمع کرلیا تھا جس کا سبب یہ بنا تھا کہ احقر نے اپنے علاقہ کے بعض عوام کو نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے احقر نے تحقیق شروع کردی اور مواد جمع کرنے کی جستجو جاری تھی کہ اسی اثناء میں علاقہ کے چند علمائے کرام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ

اس موضوع پر ایک مدلل کتاب لکھی جائے اس بات سے احقر کی ہمت اور بھی بڑھ گئی اور اللہ کا نام لیکر اس موضوع پر قلم اُٹھایا تقریبا آدھی کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ احقر کے ایک دوست نے اطلاع دی کہ آپ سنت فجر کے موضوع پر کتاب لکھ رہے ہیں اس موضوع پر میرے پاس دو رسالے ہیں ان کو بھی سامنے رکھا جائے تا کہ اس موضوع پر ان میں اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو ان کا استدراک بھی کرلیا جائے احقر ان دونوں رسالوں کا مختصر سا تعارف کرنا چاہتا ہے:

ان رسالوں میں اول الذکر رسالہ ''ضوء البدر علی تحقیق سنۃ الفجر'' ہے جو کہ مولانا محمد شفیق شہرانوی مدظلہ کی تالیف ہے حضرت نے بڑے خوبصورت انداز میں مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے اور اپنی وسعت کے مطابق بہت اچھی تحقیق فرمائی ہے اور بہت سادہ انداز میں مسئلہ کو سمجھایا ہے اللہ تعالیٰ انکو جزاء خیر عطا فرمائیں۔

دوسرا رسالہ ''انارۃ البدر فی تحقیق سنۃ الفجر'' ہے جو کہ سید مولانا ابو مقداد عبدالمقدس صاحب کی تالیف ہے حضرت نے بھی بہت اچھی تحقیق فرمائی ہے اور خاص کر جرح وتعدیل کے حوالہ سے علماء وطلباء کیلئے بہت ہی مفید ہے، اللہ تعالیٰ انکو بھی جزائے خیر عطاء فرمائیں۔

احقر کو جب یہ دو رسالے ملے اور انکا مطالعہ کیا تو مزید اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ چھوڑ دیا کیونکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ سنت فجر کے موضوع پر یہ دونوں رسالے احناف کیلئے تو بالکل ہی کافی ہیں جن کے بعد مزید کسی تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن جب احقر نے غیر مقلدین کے کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ مذکورہ رسائل میں غیر مقلدین کے دلائل کے جوجوابات دیئے گئے ہیں اور احناف نے جو اپنے دلائل بیان کئے ہیں ان پر غیر مقلدین کی طرف سے انتہائی بے بنیاد جرحیں کی گئی ہیں اور احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کیا گیا ہے پس جب یہ صورت حال سامنے آئی تو احقر نے مزید نہ لکھنے کے اردہ کو ملتوی کر دیا اور غیر مقلدین کے

اصل مأ خذ کی طرف رجوع کرلی سنت فجر کے موضوع پر غیر مقلدین کا اصل مأ خذ علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کی کتاب ''اعلام اهل العصر'' ہے جسمیں احناف پر بے جا اعتراضات کئے گئے ہیں، اور خاص کر امام طحاوی، علامہ عینیؒ، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کے اعتراضات کا کافی جواب علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں جابجا فرمایا ہے لیکن اسکے بعد ارشاد الحق اثری صاحب نے ''بعض احکام رکعتی الفجر'' مفتی ابوجندل صاحب کے رد میں لکھی جو اعلام اہل العصر کے ذیل میں چھپی ہے جسمیں علمائے دیوبند کے اکابرین علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ یوسف بنوریؒ، اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ پر بے بنیاد اعتراضات کئے گئے ہیں، تو احقر کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو احقر نے غیر مقلدین کے اس اصل ماخذ اور ارشاد الحق اثری صاحب کے کتاب کو سامنے رکھ کر اپنے کتاب کو ترتیب دیا لیکن سنت فجر کے موضوع کو پورے استیعاب کیساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے تین بنیادی مسئلوں کے متعلق کتاب میں بحث کی گئی ہے سنت فجر کی اہمیت، سنت فجر عند الاقامت کا جواز، سنت فجر بعد الفریضہ کی ممانعت۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں عربی میں ہیں ان کتابوں کے علاوہ بھی غیر مقلدین نے اپنی اُردو کتابوں میں اس مسئلہ کے متعلق لب کشائی فرمائی ہے اور احناف پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ احناف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

ان کتابوں میں سے چند یہ ہیں: ''احناف کا رسول ﷺ سے اختلاف'' تالیف حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی ہے جسمیں دیگر مسائل کیساتھ سنت فجر کے موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے اور صفحہ ۳۱۹ سے لیکر ۳۲۴ تک احناف پر رسول ﷺ کی مخالفت کا بے بنیاد الزام لگایا ہے تا کہ عوام امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے بیزار ہو جائیں۔

دوسری کتاب ''الظفر المبین'' تالیف مولانا محمد ابوالحسن ہے جسمیں صفحہ ۱۳۳ سے ۱۳۶ تک سنت فجر پر بحث کی گئی ہے اور احناف پر احادیث کی خلاف ورزی کرنے کا بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے۔

تیسری کتاب جو احقر کی نظر سے گزری وہ ''احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں'' تالیف مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی ہے جسمیں انہوں نے صفحہ ۲۳۶ سے ۲۴۲ تک سنت فجر کے موضوع پر بحث کی ہے اور یکطرفہ دلائل ذکر کر کے اپنے مذہب کی تائید کی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی احقر کی نظر سے غیر مقلدین کی بہت سی کتابیں گزری ہیں جن میں اس موضوع پر لب کشائی فرمائی گئی ہے، جو عدل وانصاف سے کوسوں دور اور خیانتوں کا منبع ہیں، جن میں صرف اپنے مذہب کے دلائل بیان گئے ہیں اور احناف کے دلائل سے بالکل چشم پوشی فرمائی گئی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

پس یہی وہ اسباب ہیں کہ جس بنیاد پر احقر نے اس موضوع کو مزید واضح کرنے کیلئے قلم اُٹھایا کہ احناف پر رسول ﷺ کی مخالفت کا جو بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے ان کے اس دجل وفریب سے پردہ اُٹھایا جائے، جسکی وجہ سے غیر مقلدین نے عوام کو دھوکہ میں رکھا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور خاص کر علمائے دیوبند سے لوگوں کو بدظن کرنے کیلئے جو دجل وفریب سے کام لیا ہے اسکو واضح کیا جائے اس لئے میں نے اس کتاب کا نام ''کشف الغرر عن سنۃ الفجر'' رکھا ہے تاکہ سنت فجر کے مسائل میں ان لوگوں نے عوام کو جس دھوکے میں رکھا ہے اُس کا پردہ چاک کیا جائے اور حقیقت سامنے آجائے کہ اس مسئلہ میں احناف احادیث پر عمل کرنے والے ہیں یا غیر مقلدین؟

کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ ناظرین خود فرمائیں گے کہ احناف پر احادیث کے خلاف

کرنے کا الزام کس قدر بے بنیاد ہے اور اسی کیساتھ غیر مقلدین کی خیانتوں کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ احناف کو بدنام کرنے کیلئے کیسی کیسی چالیں چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور حق بات کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین

باب اول

سنت فجر کی فضیلت قرآن کریم،

احادیث مبارکہ اور آثار کی روشنی میں

فرض نماز کے بعد احادیث مبارکہ میں سنت موکدہ کی بہت تاکید بیان ہوئی ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی روایت میں آتا ہے :

میں نے رسول ﷺ سے سنا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعت (فرضوں کے علاوہ) پڑھ لیتا ہے تو اس کیلئے ان بارہ رکعتوں کی وجہ سے جنت میں ایک گھر تیار کیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث سے سنتوں کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔اور پھر خاص کر سنت فجر کی تاکید اور اہمیت کے متعلق جتنی احادیث مبارکہ، آثار صحابہؓ اور تابعینؒ میں وارد ہوئی ہے اس قدر تاکید کسی بھی دیگر سنتوں کے متعلق بیان نہیں ہوئی جسکا اندازہ اس باب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے : پہلی فصل میں سنت فجر کی اہمیت میں قرآن کریم سے آیات مبارکہ مع تفسیر کے پیش کی گئی ہیں ،دوسری فصل میں احادیث مبارکہ سے سنت فجر کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے ،اور تیسری فصل میں آثار صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال کی روشنی میں سنت فجر کی اہمیت بیان کی گئی ہے جس کے پڑھنے سے سنت فجر کے اہتمام کی رغبت پیدا ہوگی جو کہ دنیا وما فیہا کی بھلائی کا ذریعہ بنے گی۔اور یہ بات بھی ثابت ہوجائے گی کہ سنت فجر دیگر سنتوں سے زیادہ اہم ہیں

”فصل اول“

”سنت فجر کی فضیلت قرآن کریم سے“

پہلی آیت:

”وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ [سورہ طور:الاية: ۴۹]

ترجمہ:

اور رات میں اسکی پاکی بیان کیجئے اور اس وقت بھی جب پلٹتے ہیں ستارے۔

پہلی تفسیر:

علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں:

”عَنْ اِبْنِ عَبَّاس قَالَ :”بِتُّ لَيْلَةً عَنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى الرَّكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ،اللَّتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ،وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ اِدْبَارَ السُّجُوْدِ“رواه الترمذی، كتاب تفسير القرآن باب سورة الطور، ج:۹،ص: ۱۷۲ ،تفسیر ابن کثیر :ج:۵،ص:۶۸۴ .)

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ:”میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گزاری ،پس آپ ﷺ نے

ستاروں کے پلٹنے کے وقت نماز فجر سے پہلے والی دومختصرسی رکعتیں اور نمازمغرب کے سجدوں کے بعدوالی دورکعتیں پڑھ لیں۔

دوسری تفسیر:

علامہ طبریؒ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"عَنْ قَتَادَة "وَ اِدْبَارَ النُّجُومِ" قَالَ :"رَكْعَتَانِ قَبْلَ صلاةِ الصُّبحِ. وَمِثْلُهُ عَنْ عليٍّؓ. (تفسير الطبرى ،لابن جريرؒ ج:٢٢،ص:٤٩١).

ترجمہ:

حضرت قتادہؒ نے اس آیت کریمہ "وَاِدْبَارَالنُّجُوم" کے متعلق فرمایا کہ :"اس سے مرادنماز فجر سے پہلے والی دورکعتیں ہیں (یعنی سنت فجر)۔اوراسی طرح حضرت علیؓ نے بھی "وَاِدْبَارالنجوم" سے مرادسنت فجرہی لی ہیں۔

تیسری تفسیر:

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"وَاَمَّا "اِدْبَارَ النُّجُومِ"فَقَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ عباسٍ وَجَابِرُ وَاَنَسُ:"يَعْنِى رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ". (تفسير القرطبى ،ج:١٧،ص:٨٠.)

ترجمہ:

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں :کہ"ادبار النجوم" کے متعلق حضرت علیؓ

حضرت ابن عباسؓ ،حضرت جابرؓاورحضرت انسؓ ،نے فرمایا کہ"اس سے مرادسنت فجر ہیں۔

چوتھی تفسیر:

علامہ ابوبکرجصّاص رازیؒ فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ تَعَالىٰ: ﴿وَاِدْبَارَ النُّجُومِ﴾. رُوِىَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ اَنَّهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ. (احكام القران ،ج:٥،ص:٢٩٦. لابى بكر الجصاص الرازى الحنفى .)

ترجمہ:

کہ"اللہ تعالی کے اس ارشاد﴿وَاِدْبَارَالنُّجُومِ﴾ کے متعلق صحابہ کرامؓ اورتابعینؒ کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے کہ اس سے مراد سنت فجر ہیں۔

"فصل ثانی"

"سنت فجر کی فضیلت احادیث مبارکہ کی رشنی میں"

پہلی حدیث:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ" مِنَ الدُّنيا وَمَا فِيهَا. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: لَهُمَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنيا جَمِيعاً (. صحيح مسلم ج: ا ص: ۵۰۱/ ۵۰۲، صحيح ابن خزيمه، ج: ا ص: ۵۵۰)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ دو رکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

تشریح:

یعنی فجر کی یہ دو سنتیں دنیا کے سارے ساز وسامان سے زیادہ قیمتی ہیں، شارح طیبیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کو اپنے اعراض ورنگ رنگینیوں پر محمول کیا جائے تو پھر جن لوگوں کے گمان میں یہ چیزیں خیر ہیں ان سے یہ دو رکعتیں بہتر ہیں، اور یا اگر اس سے مراد یہ ہو کہ دونوں میں سے یعنی دنیا و دنیا کی رنگ رنگینیوں میں سے اور سنت فجر میں سے کس کا درجہ بلند ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ سنت فجر ان ساری چیزوں سے بہتر ہیں۔ اور اگر دنیا کو انفاق فی سبیل اللہ پر محمول کیا جائے

تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ دو رکعتیں ثواب میں انفاق فی سبیل اللہ سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ سنت فجر دنیا و مافیہا سے اس لئے بہتر ہے کہ دنیا فانی ہے اور اسکی نعمتیں مشقت و مصیبتوں سے خالی نہیں، اور سنت فجر کا ثواب باقی ہے اور بغیر مشقت وتکلیف کے ہے۔

(مرقاة المفاتيح، ج:۳، ص: ۲۲۰، تحفة الاحوذى، ج: ۲، ص: ۳۸۸ دار الكتب العلميه ملخصا وبتغير يسير شرح مسلم نووىؒ، ج: ۶، ص: ۵، دار احياء التراث العربى)

دوسری حدیث:

وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا قَالَتْ: "لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَىٰ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ خُزَيْمَةَ قَالَتْ: مَارَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِلَىٰ شَيْءٍ مِنَ الْخَيْرِ أَسْرَعَ مِنْهُ إِلَىٰ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ، وَلَا إِلَىٰ غَنِيمَةٍ. رواه البخاری ومسلم وأبوداود والسنائی، وابن خزيمه فی صحيحه، الترغيب والترهيب، ج: ا، ص: ۲۲۳.

ترجمہ:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: "نبی کریم ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ سنت فجر کا، اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے انہی نے فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھلائی

کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا
اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ سنت فجر کی طرف۔

تشریح:

اس حدیث میں سنت فجر کی عظمت کی دلیل ہے، اور یہ کہ یہ تمام سنن رواتب سے درجہ میں قوی اور موکد ہیں، اور ان دو رکعتوں کی حفاظت کرنا دیگر سنن ونوافل سے زیادہ ضروری ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے وجوب کا حکم کیا ہے جیسا کہ حسن بصریؒ وغیرہ نے اور ابو غسان نے ایسا ہی ابوحنیفہؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ اگر چہ صحیح یہی ہے کہ یہ سنت موکدہ ہیں جو قریب الی الواجب کے ہیں۔ (عون المعبود،، ج:۴،ص:۱۳۴، دار الفکر)

تیسری حدیث:

"وَرُوِیَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَرَضِیَ اللّٰہُ عَنُهما قَالَ رَجُل‘:یَارَسُوْلَ اللّٰہِ دُلَّنِیْ علیٰ عَمَلٍ یَنْفَعُنِیْ اللّٰہُ بِہٖ؟قَالَ:" عَلَیْکَ بِرَکْعَتَیْ الْفَجرِ فَاِنَّ فِیْهَا فَضِیْلَة‘.رواه الطبرانی فی الکبیر ،وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهُ ایضاً قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ :" لاَ تَدَعُوْ الرَّکْعَتَینِ قَبْلَ صَلٰوة الْفَجْرِ فِاِنَّ فِیْهَا الرَّغَائِبَ"روی احمد منه،"وَرَکْعَتَیَ الْفَجرِ حَافِظُوا عَلَیْهِمَا،فَاِنَّ فِیْهِمَا الرَّغَائِبَ‘(الترغیب والترهیب ،ج ۱،ص:۲۲۳ ،مجمع الزوائد، ج:۲،ص:۳۶۱،، کتاب الصلاة،باب فی رکعتی الفجر)

ترجمہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو اپنے اُوپر لازم جانو کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔ اور انہی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کو مت چھوڑو کیونکہ ان میں رغبت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ: فجر کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ ان میں رغبتیں ہیں۔

چوتھی حدیث:

" وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ قَالَ :قَالَ رَسُول اللّٰہِ ﷺ" لاَ تَدَعُوْارَکْعَتَیْ الْفَجرِ، وَلَوْ طَرَدَتُکُم الْخَیْل‘) (رَواه ابوداود) .فی التطوع باب۷، والنسائی فی قیام اللیل با۵۶و۶۸ ،الترغیب والترهیب ،ج: ۱،ص:۲۲۴.

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) دھکیل رہا ہو۔

تشریح:

یعنی مت چھوڑو تم ان دو رکعتوں کو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر جہاد میں جانے والا دھکیل رہا ہو کہ جلدی

چلو یعنی کیسا ہی عجلت کا وقت ہو پھر بھی ان کو نہ چھوڑا جائے۔ خیل تو گھوڑے کو کہتے ہیں مگر اس کا اطلاق گھوڑے سوار پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں مراد گھوڑے سوار قافلہ ہے دوسرے معنی حدیث کے یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ خیل سے مراد خیل عدوّ ہے یعنی اگر چہ دشمن کا لشکر تم کو دھکیل رہا ہو یعنی تمہاری اور اس کی دھکا پیل ہو رہی ہو پھر بھی ان سنتوں کو ترک نہ کرو۔

(الدر المنضو د علی سنن ابی داود، ج:۲،ص:۵۱۶)

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں فجر کی سنتوں کی انتہائی تاکید فرمائی گئی ہے، کیونکہ عرب ایسے حالات میں لشکر کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے، کیونکہ لشکر کی مصاحبت ترک کرنا اُنکے کیلئے مصیبت عظیم بن جانے کا باعث تھا اسکے باوجود سنت فجر ادا کرنے کیلئے ان کو لشکر کی مصاحبت چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔

اور علامہ مناویؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر دشمن کا لشکر تمہیں دھکیل بھی رہا ہو تو تم سنت فجر کو ترک نہ کرو بلکہ جس طرح ممکن ہو یعنی سوار ہو کر، چلتے ہوئے، یا اشارہ کیساتھ اور غیر قبلہ کی جانب رخ کرتے ہوئے غرض جیسا بھی ممکن ہو پڑھ لیا کرو۔ اس سے سنت فجر کی عظمت اور اس کے ادائیگی پر حرص معلوم ہوئی کہ سنت فجر کی پابندی سفر و حضر امن و خوف میں باعث فضیلت ہے۔ (عون المعبود، ج:۴،ص:۱۳۵)

پانچویں حدیث:

”وَرَوَی أَیّوبُ عَنْ عطَاء أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ” الرَکْعَتَانِ قَبْلَ صَلاَۃِ الْفَجْرِ وَاجِبَتَانِ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ‘.(احکام القران ،ج:۳،ص:۶۱۵)

ترجمہ:

اَیوب نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں (سنت فجر) پڑھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

چھٹی حدیث:

”عَنْ عَائشَۃَ [رَضِیَ اللّٰہُ عَنھَا]قَالَتْ أَمَّا مَالَمْ یَدعُ صَحِیْحًا وَلاَ مَرِیْضًا فِیْ سَفَرٍ وَلاَ حَضَرٍ غَائِبًا وَلاَشَاھِدًا تَعْنِیْ النَّبِیَّ ﷺ فَرَکْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ.(مصنف أبی شیبة ،ج:۱،ص:۳۴۲،رقم ۳۹۲۹)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جس چیز کو آپ ﷺ نے کبھی نہ چھوڑا نہ حالت صحت میں اور نہ ہی مرض میں نہ سفر میں اور نہ ہی حضر میں، نہ موجودگی میں اور نہ غیابت میں، یعنی رسول اللہ ﷺ نے فجر کی سنتوں کو (ان حالتوں میں بھی ترک نہیں کیا)

"فصل ثالث"

"سنت فجر کی فضیلت آثار صحابہؓ وتابعینؒ کی روشنی میں"

پہلا اثر:

"عَنْ قَتَادَةَ......الخ قَالَ: "ذُكِرَ لَنَا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ: "لَهُمَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ (تفسير الطبري، ج:۲۷، ص:۲۲، مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص:۵۷، باب ماجاء في ركعتي الفجر من الفضل، مصنف ابن ابي شيبة، ج:۲، ص:۴۹.)

ترجمہ:

حضرت قتادہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ: "سنت فجر پڑھنا مجھے سرخ اُونٹوں کے ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔

فائدہ:

عرب میں سرخ اُونٹ بہت زیادہ قیمتی ہوا کرتے تھے اس لئے سرخ اُنٹوں کو احادیث میں یا آثار وغیرہ میں اس قیمتی ہونے کی وجہ سے مثال میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کو اس عمل کی قیمت معلوم ہوجائے کہ جو عمل وہ کررہا ہے وہ ان اُونٹوں سے بھی عنداللہ زیادہ قیمتی ہے۔اسی طرح اس مثال میں بھی ہے کہ اگر سرخ اُونٹ ملنے سے صبح کی سنتیں چھوٹ جاتی ہوتو میں اُونٹوں کے بجائے فجر کی سنتوں کو ترجیح دونگا اور سرخ اُونٹوں کے ملنے کو چھوڑ دونگا۔

دوسرا اثر:

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: "لَا يُحَافِظُ عَلىٰ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِلَّا أَوَّابٌ" (كنز العمال، ج:۷، ص:۶۰۱، رقم ۱۹۳۲۹)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "سنت فجر کی حفاظت صرف اوّاب (یعنی اللہ تعالی کے طرف زیادہ رجوع کرنے والا) ہی کرسکتا ہے۔

تیسرا اثر:

"عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ ﷺ بِثَلَاثٍ: بِصَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (قال الهيثميؒ قلتُ رواه ابوداود خلا قوله: ركعتي الفجر رواه الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح. مجمع الزوائد ج:۲، ص:۴۶۰، دار الفكر بيروت، طبع ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین چیزوں پر پابندی کرنے کی وصیت کی ہے: "ہر مہینہ تین روزے رکھنے کی، سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی، اور سنت فجر پڑھنے کی۔

چوتھا اثر:

۔''عبدُ الرازق عَن ابنِ عُيَينَةَ عَنْ مُهاجِر بنِ القطبِيَّةِ قالَ فَاتتْ [عَـنْ]عَبْـدِ اللّـهِ بنِ أَبِىْ رَبِيْعَةَ رَكْعَتَا الفَـجْرِ فأَعْتَقَ رَقَبَةً.(مصنف عبدالرزاق، ج:۳،ص:۵۷،ناشر المكتب الاسلامى بيروت طبع ۱۴۰۳ھ)

ترجمہ:

حضرت مہاجر بن قطبیہؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی ربیعہؒ سے سنت فجر چھوٹ گئے تو (بطور کفارے کے) ایک غلام کو آزاد کردیا۔

پانچواں اثر:

''عَن أيوبَ قَالَ ابنِ عُمَرَ لِحَمْرانِ يَا حَمْرانِ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلاَ تَمُتْ وَعَلَيْكَ دَيْنٌ فَيُؤخذُ مِنْ حَسَنَاتِكَ لاَ دِيْنَار ثُمَّ وَلاَ دِرْهَم'' وَلاَ تَنْتَفِى مِنْ وَلَدِكَ فَتَفْضَحُهُ فَيَفْضَحَكَ اللّٰهُ بِهِ يومَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْكَ بِرَكْعَتَىْ الْفَجرِ فَإنَّ فِيْهَا رَغْبُ الدَّهْرِ.(مصنف عبدالرزاق، ج:۳،ص:۵۷،رقم:[۴۷۸۱]مصنف ابن ابى شيبة، ج:۲،ص:۴۹،)

ترجمہ:

حضرت ایوبؒ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حمران سے کہا کہ اے حمران! اللہ سے ڈرو! اور یہ کہ تمہیں اس حالت میں موت نہ آئے کہ تم

پر کسی کا قرض ہو (کیونکہ قیامت کے دن) تمہاری نیکیاں لی جائیں گی، دینار اور درہم کام نہ آئیں گے اور نہ ہی تمہارے بچے تمہیں نفع دینگے، پس تو اسے رسوا کریگا اور اللہ تعالیٰ بھی اسکے ذریعے سے قیامت کے دن تمہیں رسوا کریگا، اور اپنے اوپر سنت فجر کو لازم کرلو کیونکہ اس میں سارے جہاں کی مرغوبیت ہے۔

چھٹا اثر:

''عَبْدُ الرزاقِ عَنْ عَبْدِ الرَحمٰنِ بنِ عَمرو الأوْزَاعِىِّ عَنْ عُرْوَةَ بنِ رُوَيْمٍ قَالَ :''مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَىْ الْفَجْرِ وَصَلّٰى الصُّبحَ فِىْ جَمَاعَةٍ كُتِبَتْ صَلاتُهُ يَوْمَئِذٍ فِىْ صلاةِ الأوَّابِيْنِ وَكُتِبَ يَومئِذٍ فِىْ وَفْدِ الْمُتَّقِين.((مصنف عبد الرزاق، ج:۳،ص:۵۸،)

ترجمہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ نے عروہ بن رویمؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:''جس نے سنت فجر پڑھ لئے اور پھر نماز فجر کو جماعت کیساتھ پڑھا تو اس دن اسکی نماز اوابین کی نمازوں میں لکھ دی جاتی ہے، اور اسکا نام اس دن متقین کے وفد میں لکھا جاتا ہے۔

ساتواں اثر:

''حدَّثنا هُشَيْمُ قَالَ أَخْبَرنا بنُ عَون عَنْ مُجَاهِد قَالَ سألتهُ أَكَانَ بنِ عُمَرَيُصَلّى رَكْعَتَى الْفَجْرِ قَالَ مَارأَيْتُهُ يَتْرُكُ شَيْئًا فِىْ سَفَرٍ وَلاَحَضرٍ..(مصنف ابن ابى شيبه

،ج: ۱،ص: ۳۴۲،مکتبة الرشد ،ریاض ،طبع، ۱۴۰۹ھ)

ترجمہ:

حضرت ابن عونؒ سے روایت ہے انہوں نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس سے پوچھا کہ کیا ابن عمرؓ (سفر میں) سنت فجر پڑھتے تھے؟انہوں نے فرمایا کہ میں نے انکو کسی بھی چیز کو چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہے نہ سفر میں اور نہ حضر میں۔

آٹھواں اثر:

"حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ مُحَمدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عبدِرَبِّه قَالَ:"سَمِعْتُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ لَاتَدَعْ رَكْعَتَي الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَقَتْكَ الْخَيْلُ.(مصنف ابن أبي شيبة، ج:۲ ص: ۴۹، كتاب الصلاة فى ركعتى الفجر)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگر چہ گھوڑے تمہیں روند ڈالدیں۔

نواں اثر:

"حَدَّثَنَا هُشَيْمُ قَالَ أَنَا حُصَيْنُ قَالَ سَمِعْتُ عَمرِو بْنِ مَيْمُوْنِ يَقُوْلُ كَانُوْا لَا يَتْرُكُونَ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ عَلىٰ حَالٍ.(مصنف ابن ابى شيبة، ج:۲، ص: ۴۹. كتاب الصلاة فى ركعتى الفجر)

ترجمہ:

حضرت عمرو بن میمونؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ ظہر سے پہلی والی چار اور فجر سے پہلی والی دو رکعتیں کسی حال میں نہیں چھوڑتے تھے۔

دسواں اثر:

"عَنْ بِلالٍ..........لَوْ أَصْبَحْتُ أَكْثَرَ مِمَّا أَصْبَحْتُ لَرَكَعْتُهَا وَ أَحْسَنْتُهَا وَأَجْمَلْتُهَا يَعْنِي رَكْعَتَي الْفَجْرِ.(أخرجه أبوداود كتاب الصلاة ،باب ركعتى الفجر ،كنز العمال ج:۷،ص: ۲۰۲

ترجمہ:

حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے انکے پاس آنے میں دیر کردی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں سنت فجر پڑھ رہا تھا بلالؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بہت زیادہ صبح کردی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :اگر میں اس سے بھی زیادہ صبح کرتا جو میں نے کی ہے تو میں ضرور ان دو رکعتوں (سنت فجر) کو اچھی طرح اور خوب تر پڑھتا۔

گیارھواں اثر:

عَنْ أَبِيْ سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ زَادَكُمْ صَلاةً إِلىٰ صَلاتِكُمْ هِيَ خَيْرٌ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ أَلا وَهِيَ رَكْعَتَانِ

قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ.(كنز العمال: ج:۷، ص: ۲۰۵، رقم، ۱۹۳۴۱)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: ''اللہ عزوجل نے تمہاری نماز میں ایک نماز زیادہ کردی ہے جو سرخ اُونٹوں سے زیادہ بہتر ہے خبردار! وہ نماز فجر سے پہلی والی دو رکعتیں ہیں۔

بارھواں اَثر:

''اِنْ طَلَبَتْكَ الْخَيْلُ هَارِباً فَلَا تَتْرُكَنَّ رَكْعَتِيِ الْفَجْرِ.(رواه ابو الشيخ فِي الثواب والديلمى عَن ابى هريرة.(كنزل العمال، ج:۷، ص: ۲۰۵.)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پیچھے گھوڑے دوڑ رہے ہوں تو پھر بھی تم سنت فجر کو ترک نہ کرنا۔

باب دوم

''نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کے جواز کا ثبوت''

''تمہید''

اس باب میں وہ روایات یعنی آثار صحابہؓ پیش کی گئی ہیں جو سنت فجر عند الاقامت کے جواز کا ثبوت ہیں اور ان آثار کی وجہ سے اُن احادیث میں جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں تخصیص یا اسکے معنی مرادی میں تاویل کی گئی ہے۔لیکن بعض متعصبین نے ان آثار کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے ایڑی چھوٹی کا زور لگا کر ان کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کوشش کو احقر نے الحمد للہ اللہ کے فضل سے ناکام ثابت کیا ہے اس باب میں زیادہ تر اسناد حدیث پر کلام نہیں کیا گیا ہے چیدہ چیدہ کلام ہوا ہے لیکن ان آثار کے اسناد پر مستقل کلام کتاب کے تیسرے حصہ میں کیا گیا ہے جو حضرات تفصیل معلوم کرنا چاہیں وہ تیسرا حصہ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلا ثبوت:

''عَنْ أَبِىْ مُوْسىٰ قَالَ:أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَتَقَدَّمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدُ اِلىٰ أُسْطُوَانَةٍ فِى الْمَسْجِد فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دخَل يَعْنِى فِى الصَّلَاة.''(المعجم الكبير، باب العين، عبدالله ابن مسعود ج: ۹، ص: ۲۷۷، رقم ۹۳۸۵، مكتبة العلوم والحكم الموصل الطبعة الثانية، ۱۴۰۴، ۱۹۸۳). مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۲۲۳، مصنف

عبدالرزاق، ج: ۲ ص: ۴۴۴، رقم الحدیث ۴۰۲۱، المکتب الاسلامی بیروت، طبع ۱۴۰۳، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی)

ترجمہ:

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔

فائدہ:

اس اثر میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایسے وقت مسجد پہنچے کہ صبح کی نماز کھڑی ہو چکی تھی پھر بھی وہ ایک ستون کی آڑ میں ہو کر سنت فجر پڑھنے لگے اگر نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنا ممنوع ہوتا تو عبداللہ ابن مسعودؓ کبھی بھی جماعت کی مخالفت میں سنت فجر میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ آپ لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے پس آپؓ کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ مسجد میں نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔اوراس سے امام کی قراۃ کی آواز کے سنائی دینے کا مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد میں فجر کی سنتیں عندالاقامت پڑھ رہے تھے تو ضرور امام کی قرآۃ سنائی دے رہی ہوتی تھی لیکن اسکے باوجود وہ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتے پس معلوم ہوا کہ امام کی قراۃ کی آواز سنائی دینے کے باوجود بھی سنتیں پڑھنا جائز ہے۔

اب اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ تو قرآن کریم کی مخالفت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَاِذاقُرِیءَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّکُم تُرحَمُون﴾

كشف الغرر عن سنة الفجر — سنت فجر عندالاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو۔

ادھر امام قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہے تو اسکا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے تو جب کوئی شخص مسجد کے اندر سنتوں میں مشغول ہوگا تو نہ تو وہ استماع کر سکے گا اور نہ ہی انصات تو یہ سراسر قرآن کریم کی مخالفت ہوئی؟

تو اسکا جواب یہ ہے کہ جو شخص جماعت کی نماز میں شامل ہو یہ حکم اسکے لئے ہے اس پر استماع و انصات واجب ہے نہ کہ اس شخص کیلئے جو جماعت کی نماز سے خارج ہو اور کسی دوسری عبادت میں مشغول نہ ہو، پس اس سے قرآن کی مخالفت لازم نہیں آتی۔فتدبروا

دوسرا ثبوت:

"عَنْ مَالِکِ بْنِ مِغْوَلٍ قَالَ: "سَمِعْتُ نَافِعًا یَقُوْلُ: أَیْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِیمَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَینِ.(راوہ الطحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر.....الخ ج: ۱، ص: ۳۷۵، عالم الکتب، ج: ۱، ص: ۲۲۹، مکتبہ رحمانیہ)

ترجمہ:

حضرت مالک بن مغول سے روایت ہے کہ میں نے نافعؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا اور تحقیق کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی پس انہوں نے فجر کی سنتیں ادا کیں۔

اعتراض:

حضرت مالک بن مغولؓ کی اس روایت پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی ''فہد'' مجہول ہے جسکی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے۔

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ جواب میں فرماتے ہیں:

''قَالَ بَعْضُ النَّاس: ''وَفَهْدُ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ. قُلْتُ هُوَ فَهْدُ بْنُ سُلَيْمَانُ ذَكَرَ ابْنُ تُرْكَمَانِيُّ تَوْثِيقَهُ فِي الْجَوْهَرِ النَّقِيِّ (٢: ٢٢٩) وَقَدِ احْتَجَّ بِهِ الطَّحَاوِيُّ فَأَكْثَرَ فَهُوَ حُجَّةٌ''

(.إعلاء السنن، ج:٧، ص:٩٨، ادارة القرآن كراتشی)

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں فہد کا حال معلوم نہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ فہد بن سلیمان ہے جسکی توثیق ابن ترکمانی نے ''الجوہر النقی'' نامی کتاب میں ذکر کی ہے، اور تحقیق یہ کہ علامہ طحاویؒ نے ان کی بہت سی احادیث سے حجت پکڑی ہے پس وہ حجت ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن ترکمانیؒ کی تصریح سے راوی کی جہالت کا مسئلہ ختم ہوگیا تو جہالت راوی کا اعتراض بھی رفع ہوگیا جسکی مزید تفصیل انشاءاللہ آئندہ ذکر ہوگی

تیسرا ثبوت:

''وَعَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى عَبْدُ

اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ.((راوه الطحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر......الخ ج:١، ص:٣٧٥، و ج:١ ص:٢٢٩، مكتبه رحمانيه)

ترجمہ:

حضرت ابوعثمان انصاریؒ سے روایت ہے کہ: ''عبداللہ ابن عباسؓ (اس وقت مسجد) آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، اور انہوں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھیں پس عبداللہ بن عباسؓ نے سنت فجر امام کی (پچھلی والی صف میں) اداء کیں پھر انکے ساتھ جماعت میں شامل ہوگئے۔

فائدہ:

عبداللہ ابن عباسؓ کے اس اثر سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنا جائز ہے باوجود اسکے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود تھا:

''اِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَاصَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوبَةُ''

فرض نماز کے قیام کے وقت سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں۔

پھر بھی ابن عباسؓ نے مسجد پہنچ کر سنت فجر شروع فرمائیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباسؓ مذکورہ حدیث کو جماعت کی صفوں سے مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول فرماتے تھے اسکا ثبوت یہ ہے کہ امام حاکمؒ نے ''مستدرک'' میں ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح

ہے اور علی شرط مسلم ہے اسی طرح امام بیہقیؒ، مسند بزار اور ابویعلی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیحین میں اور ابوداوس طیالسیؒ نے اپنی مسند میں ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے:

((أُقِيمَتِ الصَّلاةُ فَقُمتُ أُصَلِّي الرَّكْعَتَينِ، فَجَذَبَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَتُصَلِّي الصُّبحَ أَربَعًا)) (رواه مسلم في الصلاة (٦٦)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوچکی تھی میں اٹھا اور فجر کی سنتیں پڑھنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھنجوڑا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو۔

اب اس روایت پر ذرا غور فرمائیں کہ رسول ﷺ نے آپؓ کو فرض جماعت کی قیام کے وقت سنتیں پڑھنے سے منع کیا یہ اسی صورت پر محمول ہے کہ اس وقت ابن عباسؓ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر سنت فجر پڑھنا چاہتے تھے اس پر رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو ڈانٹا دوسرا قرینہ صفوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے پر آپ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں:

"أَتُصَلِّي الصُّبح أَربَعًا"

کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو۔

اب ان الفاظ پر غور کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ جو چیز ممنوع ہے وہ صفوں کیساتھ متصل سنتیں پڑھنا ہے کیونکہ ایسی صورت میں فرض اور سنتوں میں اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے دیکھنے والا شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ صبح کی چار رکعتیں پڑھ رہا ہے تو اس التباس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ابن عباسؓ کو جماعت کی صفوں میں سنتیں پڑھنے سے روکا اسی وجہ سے ابن عباسؓ مسجد میں صفوں سے الگ کسی آڑ میں سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے کیونکہ اس حالت میں التباس کا خوف نہیں

ہے۔

پھر ہمارے احناف کا یہ اصول ہے کہ جب روای کی روایت اور عمل میں تعارض پیدا ہوجائے جیسا کہ یہاں پر ہوا ہے تو ہمارے نزدیک حجت روای کا عمل ہوتا ہے نہ کہ اسکی روایت پس اسی اصول کی بنا پر ہم ابن عباسؓ کے اس عمل والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

"شمس الحق عظیم آبادی کے نظر میں ابن عباسؓ کی سمجھ حجت نہیں"

شمس الحق عظیم آبادی صاحب اپنی کتاب "اعلام اہل العصر میں لکھتے ہیں:

"وَمَا فَهِمَهُ ابنُ عَبَّاسٍ لَيسَ بِحُجَّةٍ عَلَينَا، لأَنَّ فَهمَ الصَّحَابِي لَيسَ بُحُجَّةٍ خُصوصًا فِي المَواضِعِ الَّذِي يَكُونُ فَهمُهُ خلافَ مَاثَبَتَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. اه

اور جو کچھ ابن عباسؓ سمجھے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں ہے، کیونکہ صحابی کی سمجھ حجت نہیں ہے اور خاص کر جبکہ اس کا فہم رسول ﷺ سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہو۔

آپ حضرات غیر مقلدین کے معتبر عالم کی صحابی رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ملاحظہ فرماچکے ہیں کہ انکی زبان صحابہ کرامؓ کی بے ادبی پر کتنی جری ہے کہ وہ اپنی سمجھ کو صحابی رسول ﷺ کی سمجھ پر ترجیح دیتا ہے یعنی جو کچھ اُس نے حدیث سے سمجھا ہے وہ صحیح ہے اور جو کچھ ابن عباسؓ نے سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ہم (احناف) شمس الحق عظیم آبادی صاحب اور انکے چہیتوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا صحابیؓ کی سمجھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امر کے خلاف ہے اور تمہاری اور تمہارے چہیتوں کی

سمجھ رسول اللہ ﷺ کے قول کے موافق ہے! اللہ کی قسم تم ہرگز یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ ابن عباسؓ کی سمجھ رسول اللہ ﷺ کے قول کے خلاف ہے اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حدیث ''اذا اُقیمت الصلاۃ......الخ''میں سنت فجر پڑھنے کی ممانعت کو جماعت کی صفوں کے متصل پڑھنے پرمحمول کیا جائے؟ اور کیوں نہیں! جبکہ ابن عباسؓ عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابودرداءؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس ممانعت کواسی پرمحمول کیا ہے کہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کرسنتیں پڑھنا منع ہے۔

چوتھا ثبوت:

''عَنْ مُحَمَّد بن كَعْبٍ، قَالَ خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَر مِنْ بَيْتِهٖ فَأُقِيْمَت صَلاةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِيْ الطَّرِيْقِ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلى الصُّبْحَ مَعَ النَّاس''

(شرح معانی الاثارج: ۱، ص: ۳۷۵)

محمد بن کعبؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ اپنے گھر سے اس وقت نماز کیلئے نکلے کہ نماز کھڑی ہوچکی تھی انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستے میں سنتیں پڑھ لی پھر مسجد جاکر لوگوں کیساتھ صبح کی فرض نماز میں مشغول ہوگئے۔

فائدہ:

اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز فجر کی اقامت کے وقت فرض کے علاوہ سنتوں میں مشغول ہونا جائز ہے اور حدیث ''اذا اقیمت الصلاۃ......الخ''میں فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کی ممانعت مسجد میں پڑھنے کیساتھ خاص ہے نہ کہ مسجد سے باہر پڑھنے کیساتھ پس ابن عمرؓ اس حدیث کواسی بات پرمحمول فرماتے تھے کہ مسجد میں فرض نماز کے قیام کے علاوہ دیگر نمازیں

کشف الغررعن سنۃ الفجر
سنت فجر عندالاقامت پرشکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

پڑھنا منع ہے نہ کہ مسجد سے باہر پڑھنا۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ ابن عمرؓ حدیث ''اذا قیمت......الخ''میں تخصیص کرتے ہیں اور اسکو مسجد کیساتھ خاص کرتے ہیں آپؓ کو یہ معلوم تھا کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوچکی ہے پھر بھی آپؓ نے مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لیں اور یہ ابو ہریرہؓ کے قول کے خلاف ہے یعنی حدیث ''اذا اقیمت الصلاۃ......'' کے پس یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ابوہریرہؓ کی روایت اپنے عموم پرنہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا مسلک ہے کہ وہ سنت عندالاقامت سے مطلقا منع فرماتے ہیں چاہے مسجد میں ہو یا خارج از مسجد۔ پس ابن عمرؓ کی یہ روایت غیر مقلدین پر حجت ہے۔

پانچواں ثبوت:

''وَعَنْ زيد بن أَسْلم عَنْ ابنِ عُمَرؓ أَنَّه جَاءَ وَالإمَامُ يُصَلِّي الصُّبحَ وَلَمْ يَكُن صَلّٰى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبحِ فَصَلَّاهُمَا فِيْ حُجْرَةِ حَفْصَةؓ، ثُمَّ إِنَّهُ صلّىٰ مع الإمَام.((رواه الطحاوی ،شرح معانی الاثار ، كتاب الصلاة ،باب الرجل يدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر......الخ ج: ۱، ص: ۳۷۵))

ترجمہ:

حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف لائے کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا اور انہوں نے ابھی فجر کی سنتیں ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنتیں اداء کیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے۔

فائدہ:

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فجر کی نماز کے دوران مسجد میں سنتیں ادا کیں کیونکہ حضرت حفصہؓ کا حجرہ اسوقت مسجد میں تھا جیسا کہ علامہ سمہودی نے ''خلاصۃ الوفاء'' میں ذکر کیا ہے۔اور حضرت ابن عمرؓ کے متعلق فتح الباری میں ابن حجرؒ نے جو لکھا ہے کہ وہ اس شخص کو کنکریاں مارتے تھے جو مسجد میں اقامت شروع ہونے کے بعد نفل پڑھتا تھا تو یہ اس بات پر محمول ہے جو نمازیوں کی صفوں کے ساتھ متصل نماز شروع کر دیتا تھا۔

۳اعتراض:

اس روایت میں ایک راوی یحییٰ بن کثیر ہے جو کہ مدلس ہے تدلیس کرتا ہے اس وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے؟

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''قُلْتُ عِدادُهُ فِی الْمَرْتَبَةِ الثَّانِیَةِ وَهِیَ مَنْ اِحْتَمَلَ الْأَئِمَّةُ تَدْلِیسَهُ وَ اَخْرَجُوا لَهُ فِی الصَّحِیحِ لِاِمَامَتِهٖ وَقِلَّةِ تَدْلِیسِهٖ کَمَا فِیْ طَبَقَاتِ الْمُدَلِّسِیْنَ (۲-۱۱) فَالْحَدِیْثُ صَحِیحُ الْاِسْنَادِ.(.(اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۳)

میں کہتا ہوں کہ انکا شمار دوسرے مرتبہ کے مدلسین میں ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنکی تدلیس کو آئمہ نے برداشت کیا ہے، اور اسکی امامت وقلت تدلیس کی وجہ سے ان کی احادیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے جیسا کہ طبقات المدلسین (۲-۱۱) میں ہے، پس یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

چھٹا ثبوت:

''عَنْ أَبِیْ الدَّرْدَاءِؓ :أَنَّهُ کَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِی صَلَاةِ الْفَجْرِ ،فَیُصَلِّی الرَّکْعَتَینِ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَومِ فِی الصَّلَاةِ.(شرح معانی الاثار ،ج:۱ ص:۳۷۵،مصنف عبدالرزاق ،ج:۲،ص:۴۴۳)

ترجمہ:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے کہ لوگ نماز فجر میں صفوں میں ہوتے ،پس وہ مسجد کے ایک کونے میں سنت فجر پڑلیتے پھر لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہوجاتے۔

فائدہ:

حضرت ابو درداءؓ کی اس روایت سے بھی صاف طور سے سنت فجر عندالاقامت کا جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابودرداءؓ کے سامنے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت موجود تھی ''اذا اقیمت الصلاۃ......الخ''،لیکن اس کے باوجود وہ عندالاقامت سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے تو یہ ثبوت ہے اس حدیث کی تخصیص کا کہ صریح نہی کے باوجود بھی آپؓ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھتے تھے کیونکہ آپؓ اس نہی کو نمازیوں کی صفوں کے ساتھ مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول فرماتے تھے ورنہ صریح نہی کے باوجود آپؓ اس کے خلاف کبھی بھی نہیں کرسکتے۔

ساتواں ثبوت:

"وَعَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ اَبِیْ مُوسیٰ قَالَ جَاءَ نَا بُن مسْعُوْد وَالامام يُصَلِّى الفَجْرَ فَصلىّٰ رَکْعَتَينِ اِلیٰ سَارِية وَلَم يَكُنْ صَلىّٰ رَكْعَتَيِ الفَجْر. (مصنف عبدالرزاق ج: ۲ ص: ۴۴۳)

ترجمہ:

عبداللہ بن ابوموسیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "عبداللہ ابن مسعودؓ ہمارے پس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا انہوں نے ایک ستون کے پیچھے ہوکر سنتیں پڑھ لیں اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔

آٹھواں ثبوت:

"وَعَنْ اَبِیْ عُثْمَان النهدیؒ قَالَ: کُنّا نأتِیْ عُمَرَ بنَ الخطَّابؓ قَبلَ اَنْ نصلى الرَّكْعَتَين قَبلَ الصُّبحِ وُهُوَ فِی الصَّلاةِ،فَنُصَلِّى فِیْ آخِرِالْمَسجِدِ ثُمَّ نَدخُلُ معَ القَوْمِ فی صلاتهم.((راوه الطحاوی،شرح معانی الاثار ،کتاب الصلاۃ ،باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر......الخ ج: ۱،ص: ۳۷۵)

ترجمہ:

حضرت ابوعثمان النہدیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "ہم عمر بن خطاب کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے جبکہ وہ نماز پڑھا

رہے ہوتے تھے ہم مسجد کے آخری حصہ میں سنتیں پڑھ لتے پھر لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہوجاتے۔

فائدہ:

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سنت فجر عندالاقامت کے جواز میں احناف کے ساتھ کبار تابعین متفق ہیں ابوعثمان نہدیؒ جو بڑے تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز فجر کیلئے جب عمرؓ کے پاس آتے اور وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے تو ہم مسجد کے ایک کونے میں سنتیں پڑھ کر فرض نماز میں شامل ہوجاتے۔

پھر اسکے باوجود حضرت عمرؓ نے کبھی بھی انکے اس فعل پر انکو نہیں ڈانٹا بلکہ خاموشی اختیار کی اب ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ اشکال کر بیٹھے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اسکا علم نہیں ہوا ہوگا کوئی نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھ رہا ہے تو یہ احتمال بعید ہے کیونکہ آپؓ کے ساتھ جماعت میں اور اہل علم بھی ضرور موجود ہوتے ہونگے اور انکے سامنے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت موجود تھی پھر بفرض محال اگر وہ لوگ خود منع نہ کرتے تو حضرت عمرؓ کو ضرور اس کی خبر کردیتے مگر ایسا نہیں ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنت فجر عندالاقامت مسجد میں کسی کونے میں ستون کے پیچھے پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتراض:

اس روایت پر بیہقی کی ایک حدیث سے اعتراض کیا جاتا ہے جو کہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے (اعلام اھل العصر (ص: ۱۴۴) پر امام بیہقی سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"رُوِیَ عَنْ عُمَرَ بنِ الخطَّابِ اَنَّهُ كَانَ اِذا رآیٰ رَجُلاًیصلّی وَهُوَ يسْمَعُ الاِقَامَةَ ضَرَبهُ.اه(اعلام اهل العصر(ص: ۱۴۴).

''حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی شخص کو اقامت کے وقت (نوافل وغیرہ) پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اسے مارا کرتے تھے۔

اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے معارض ہے کہ عمرؓ اس شخص کو مارتے تھے جو فرض نماز کی اقامت کے وقت سنتیں یا نوافل وغیرہ پڑھتا تھا پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابوعثمان نہدی والی روایت محمول ہے حضرت عمرؓ کے عدم علم پر کہ اُنکو اس بات کا علم نہیں ہوا ہوگا کہ انکے پیچھے صف میں کوئی سنتیں پڑھ رہا ہے۔؟

پہلا جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"اَمَّا مَاذَکَرَہُ شَمْسُ الحقُّ العَظِیمُ آبادیُّ فِی"اعلام اھل العصر"عَنِ البیھقي أَنَّهُ قَالَ:"رُوِیَ عَنْ عُمَرَ بنِ الخطَّابِ أَنَّهُ کَانَ اِذا رآیٰ رَجُلاًیُصلِّی وَھُوَ یَسْمَعُ الاقَامَةَ ضَرَبَهُ"(ص:۳۸).فلاحُجَّةَ فِیْهِ لِکَوْنِهٖ لَمْ یُذکرُ سَنَدُہُ،وَاَیْضا فَلَیْسَ فِیْهِ أَنَّهُ کَانَ یضْرِبُ مَنْ یُصَلِّی رَکْعَتَیِ الْفَجرِ،فَیَجُوزُ حَمْلُهُ عَلیٰ بَقِیَّةِ السُّنَنِ سِوَاھُمَا..اعلاء السنن،ج:۷،ص:۱۰۴.ادارة القران کراتشی باکستان.

بیہقی کی اس روایت میں انکے کیلئے کوئی حجت نہیں اول تو اس لئے کہ اس کی سند ذکر نہیں کی گئی، دوسرا اس لئے کہ اس میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ عمرؓ اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر ہی مارا کرتے

تھے، پس جب یہ بات ہے تو پھر حضرت عمرؓ کے اس عمل کو سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن پر محمول کیا جائیگا۔

فائدہ:

امام بیہقیؒ نے اس روایت کو سنن بیہقی (۲/۴۸۳) میں ''کہ عمرؓ جب اقامت کے وقت کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو اُسے کنکریوں سے مارتے تھے'' بغیر سند کے روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۷۷، رقم حدیث ۴۸۸۰) میں جس سند کیساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی ابن ابی فروہ ہے اور وہی اسحاق بن عبداللہ ہے جسکو تقریب التھذیب (۲/۷۵) میں متروک لکھا ہے اسکے علاوہ امام عبدالرزاقؒ نے مصنف عبدالرزاق (۲/۴۳۶) پر اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اسکی سند میں دو راوی ہیں ایک راوی جعفر ہے جو کہ ابن یزید الجعفی ہے اور وہ غیر ثقہ ہے اور دوسرا راوی حسن بن مسافر ہے اور اسکا حال معلوم نہیں کہ یہ کون ہے کیونکہ رجال کی کتابوں میں اسکا ذکر نہیں ہے۔

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بہت کمزور ہے جیسا کہ ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے تو پھر یہ روایت معترض صاحب کیلئے حجت نہیں بن سکتی۔

اب شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا یہ کہنا کہ

''اگر کوئی یہ کہے کہ ابودرداءؓ عندالاقامت سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ ابن مسعودؓ بھی جائز سمجھتے تھے تو اُن سے کہا جائے گا کہ عمر بن خطاب اور اسکا بیٹا عبداللہ ابن عمر (عندالاقامت سنتیں پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے) تو عمر بن خطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ ابودرداء اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے مقابلہ میں ہے اور سنت سالم ہے جنکا

کوئی معارض نہیں ہے۔ (اعلام اہل العصر ص:۱۴۴)

تو یہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا وہم ہے کیونکہ ما قبل میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں عندالاقامت سنت فجر پڑھی گئیں اور وہ اس پر خاموش رہے اور اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے عمل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ عندالاقامت مسجد کے باہر سنتیں پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے بلکہ حضرت حفصہؓ کا حجرہ مسجد میں داخل تھا پس یہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا وہم ہے کہ عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ان کیلئے حجت ہے بلکہ ان دونوں بزرگوں کا عمل ان پر حجت ہے اور ہمارے لئے حجت ہے۔ فللہ الحمد

دوسرا جواب:

"وَاِنْ سَلَّمْنَا عُمُوْمَهُ لِرَكْعَتَي الْفَجْرِ فَلَيْسَ فِيْهِ أَنَّهُ كَانَ يَضْرِبُ مَنْ يَرْكَعُهُمَا فِيْ آخِرِ الْمَسْجِدِ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ كَانَ يَضْرِبُ مَنْ كَانَ يُصَلِّيْهِمَا فِيْ الْمَسْجِدِ مُتَّصِلاً بِالْقَوْمِ. اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۴. ادارة القران كراتشي باكستان.

، پھر چلے اگر ہم حضرت عمرؓ کے اس عمل کے عموم کو تسلیم بھی کرلیں کہ سنت فجر بھی اس میں داخل ہیں تو اس میں پھر بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ اس شخص کو مارتے تھے جو مسجد کے آخری صفوں میں سنت فجر پڑھ رہا ہوتا، پھر اس میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ وہ اس شخص کو سنت فجر پڑھنے پر مارتے جو جماعت کی صفوں کے متصل سنت فجر پڑھ رہا ہو۔

تیسرا جواب:

"فَاِنَّ عَدَمَ عِلْمِهٖ بِحَالِ مَنْ يُصَلِّيْ رَكْعَتَي الْفَجْرِ فِيْ آخِرِ

الْمَسْجِدِ خَلْفَهُ بَعِيْدٌ. (اعلاء السنن، ج:۵، ص:۱۹۸۳، مکتبہ امدادیہ)

رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ کو سنت فجر پڑھنے والوں کا حال معلوم نہیں ہوا ہوگا کہ کوئی اقامت کے وقت مسجد کے آخر میں انکے پیچھے سنتیں پڑھ رہا ہے تو یہ احتمال بعید ہے۔

فائدہ:

یہ احتمال اس لئے بعید ہے کہ حضرت عمرؓ کی اقتداء میں یقیناً بہت سے صحابہ کرامؓ تابعینؒ نماز پڑھتے ہونگے بفرض محال اگر حضرت عمرؓ کو خود اس کی اطلاع نہ ہوتی تو دیگر صحابہ کرامؓ ضرور منع فرماتے یا کم از کم حضرت عمرؓ کو اطلاع کر دیتے کہ فلاں شخص فرض نماز کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھتا ہے پس جب ایسا نہیں ہوا تو یہ جواز کا ثبوت ہے کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ کام ہوا ہے اور کسی نے منع نہیں کیا ہے۔

نواں ثبوت:

"وَعَنْ أَبِيْ مِجْلَزٍ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِيْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍؓ وَالْاِمَامُ يُصَلِّيْ، أَمَّا ابْنُ عُمَرَؓ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍؓ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ، فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَؓ مَكَانَهُ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ. (شرح معانی الآثار ج:۱، ص:۳۷۵)

ترجمہ:

حضرت ابومجلزؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "میں نماز فجر کے وقت

ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ اس وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ سنت فجر پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو گئے، پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے یہاں تک سورج طلوع ہو گیا پس وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔

اعتراض:

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے عمل میں تعارض ہے کہ ابن عمرؓ تو جماعت کی نماز میں شامل ہو گئے اور ابن عباسؓ نے سنتیں پڑھیں پر جماعت میں شامل ہوئے، اور اسکے علاوہ خود ابن عمرؓ کے عمل میں بھی تعارض ہے کہ زید ابن اسلمؒ کی روایت میں تو یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے سنت فجر حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں اس وقت پڑھیں جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے امام کیساتھ شرکت کی اور سنتیں نہیں پڑھیں تو خود ابن عمرؓ کا عمل متعارض ہے، اور تعارض کے وقت اصول تو یہ ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" تو جب دونوں کا عمل متعارض ہے تو پھر اس سے استدلال درست نہیں ہے اور یہ عمل ساقط ہے۔

جواب:

یہ بات تو درست ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ تطبیق ممکن نہ ہو جبکہ یہاں پر ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ دونوں کے عمل میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طور سے کہ ابن عمرؓ جماعت کی نماز کی ایک رکعت پانے کی بھی امید نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے وہ جماعت میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ کو جماعت کی نماز ملنے کی امید تھی اس لئے وہ سنتیں پڑھنے لگ گئے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"قَالَ الشَّيخ (التَّهَانوِیُّ) وَلَعَلَّ دُخُولَهُ مَعَ الْقَوْمِ كَانَ لِاَنَّهُ كَانَ لَايَرْجُو اِدْرَاكَ رَكْعَةٍ مِنَ الْفَرْضِ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاس يَرْجُوهُ. (اعلاء السنن ج:۷، ص: ۱۱۷)

شیخ تھانویؒ نے فرمایا ہے ہو سکتا ہے کہ ابن عمرؓ کو ایک رکعت پانے کی بھی امید نہ ہو اسلئے جماعت میں شامل ہو گئے اور ابن عباسؓ کو یہ امید تھی کہ مجھے ایک رکعت مل جائیگی اس وجہ سے سنتیں پڑھ لیں۔

رہی بات ابن عمرؓ کے خود اپنے عمل کے تعارض کی تو یہ بھی کوئی خاص مخالفت نہیں ہے یہاں پر بھی تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح سے کہ زید بن اسلمؒ کی روایت میں ابن عمرؓ کو امام کیساتھ ایک رکعت ملنے کی امید تھی تو اس لئے سنتیں پڑھ لیں اور ابو مجلزؒ کی روایت میں اس کی امید نہیں تھی تو اس وجہ سے وہ امام کیساتھ جماعت میں شامل ہو گئے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"فَلَا يُخَالِفُ فِعْلَ ابْنِ عُمَرَ هُنَا (اى مَاذَكَرَ اَبُو مِجْلَزٍ) مَا تَقَدَّمَ عَنْهُ فِي البَابِ السَّابِقِ (اى مَاذَكَرَ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ) اَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ. (اعلاء السنن، ج:۷، ص: ۱۱۸)

ابن عمرؓ کا عمل جو ابو مجلزؒ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے اسکے مخالف نہیں ہے جو زید ابن اسلم نے باب سابق میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے جماعت کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھ لیں۔

دسواں ثبوت:

"عَنِ الشَّعبی قَال: کَانَ مَسْرُوق یَجِیءُ اِلیٰ القَومِ ،وَهُمْ فِیْ الصَّلاۃِ ،وَلَمْ یَکُنْ رَکَعَ رَکْعَتَیُ الْفَجْرِ ،فَیُصَلیُّ الرَّکْعَتَین فِی الْمَسجد، ثمّ یَدْخُل مَعَ الْقَومِ فِیْ صلاتِهِمْ(شرح معانی الاثار ج: ۱ ص: ۳۷۵ باب الرجل یدخل المسجد ......الخ

ترجمہ:

امام شعبیؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ امام مسروقؒ جب کسی کے پاس اس وقت تشریف لاتے کہ وہ فجر کی نماز پڑرہے ہوتے اورانہوں نے ابھی تک فجر کی سنتیں نہ پڑھیں ہوتی تووہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھ کرلوگوں کیساتھ نماز میں شامل ہوجاتے۔

فائدہ:

اس روایت میں بھی کبارتابعین کا احناف کیساتھ اس مسئلہ میں موافقت کا ثبوت ہے جیسا کہ امام شعبیؒ کی اس روایت میں ہے کہ امام مسروقؒ جو بڑے تابعین میں سے تھے وہ بھی نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔

گیارھواں ثبوت:

"عَنْ یَزِیْدَ بنِ ابْراهِیمَ ،عَنِ الحَسنِ ،اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ :"اِذا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَ لَم تُصَلِّ رَکْعَتِي الْفَجْرِ ،فَصَلِّهِمَا وَاِنْ کَانَ الامَامُ یُصَلّی ،ثُمَّ اذْخُل مَعَ الاِمَام"(معانی الاثار، ج: ۱، ص: ۳۷۶)

ترجمہ:

حضرت یزید بن ابراہیمؒ نے حضرت حسنؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ: جب تم مسجد داخل ہوجاؤاور تم نے سنتیں نہ پڑھی ہوتو سنتیں پڑھ لواگرچہ امام نماز پڑھ رہا ہو پھرامام کیساتھ شامل ہوجاؤ۔

فائدہ:

اس اثر سے بھی کبارتابعین کا احناف کیساتھ سنت فجر عندالاقامت کے جواز کے ثبوت میں متفق ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بارھواں ثبوت:

" عَنِ الحَارِثِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰه عَنهُ قال:"کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلّیْ رَکْعَتَینِ عِنْدَ الاِقَامَةِ.(رواہ ابن ماجہ ،کتاب اقامة الصلاۃ ، ج:۱،ص: ۳۶۳)

ترجمہ:

" حارث نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ " رسول اللہ ﷺ اقامت کے وقت دورکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح:

علامہ ظفراحمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"قَولُهُ عَنِ الحارثِ عنْ علیٍّ......الخ :قُلتُ فِیهِ جوازُ رَکْعَتَیْ الفَجرِ عِندَ الاِقَامةِ الْمَکْتُوْبَةِ لِلاِمامِ،وَحَدِیثُ" اِذاَ اُقِیمَتِ

الصَّلاۃ فَلا صَلاۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ" یَعُمُّ الاِمَامَ والْمَأمُوْمَ جَمِیْعًا، وَقَدْ خُصَّ مِنْہُ الاِمَامُ لِحدِیْثِ علیٍّ ھذا وَھُوَ حَدِیْثٌ حَسَنُ الاِسْنَادِ، فَلَمْ یَبْقَ الْعَامُ قَطْعِیًّا، فَیَجُوْزُ تَخْصِیْصُہُ فِیْ حَقِّ الْمَأمُوْمِ بِمَا اِذا صَلّٰی مُخَالِفًا لِلصُّفُوْفِ بِاٰثَارِ الصَّحَابَۃِ وَ بِالْقِیاسِ اَیْضًا و لاسِیّما بِقَولِہٖ ﷺ "لا تَدْعُوْھمَا وَاِنْ طَرَدتْکُم الْخَیْلُ" وھُوَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ.......... وَقَدْ خَصَّصَھا اِبْنُ مَسْعُوْدٍ، وَاَبُوْالدَّرداء، وَاِبْنُ عَبَّاسٍ...... وَاِبْنُ عُمَرَ.......... فَقَدْ خَصَّصَھا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِفِعْلِہٖ عُمُوم قَوْلِہٖ: "اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ. (أعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۶)

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں فرض نماز کی اقامت کے وقت امام کیلئے سنت فجر اداء کرنے کا جواز ملتا ہے اور حدیث "کہ جب جماعت کی اقامت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے" امام و ماموم سب کو عام ہے اور تحقیق کہ حضرت علیؓ کی اس حدیث سے امام کی تخصیص ہوگئی اور یہ حدیث حسن الاسناد ہے، پس عام قطعی نہ رہا، تو پھر صحابہ کرامؓ کے آثار اور قیاس سے بھی مقتدی کے حق میں تخصیص جائز ہے کہ جب صفوں کے متصل نماز نہ پڑھی جائے۔ اور خاص کر نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "سنت فجر کو ترک نہ کرو اگرچہ لشکر تم کو دھکیل رہا ہو" اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے (اور وہ صحابہ جو اس حدیث "کہ جب جماعت کی اقامت ہو رہی ہو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے" کو جانتے بھی تھے پھر بھی انہوں نے اس عمومی حکم

سے سنت فجر کو خاص کیا) اُن میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابودرداءؓ، ابن عباسؓ...... ابن عمرؓ وغیرہ شامل ہیں...... پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل سے اس حدیث "الاّ المکتوبہ" کے عموم کو خاص کردیا۔

تیرھواں ثبوت:

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: "اِذا أُقِیْمَتِ الصَّلاۃُ فَلاصَلاۃَ اِلَّا الْمکْتُوبَۃَ اِلَّا رَکْعَتَیْ الْفَجْرِ. (سنن الکبری البیھقی، ج:۲ ص:۴۸۳)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے سوائے فجر کی سنتوں کے۔

تشریح:

احناف اس حدیث کو بھی اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ سنت فجر اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں اور اس استثناء کا ثبوت ماقبل میں آثار صحابہؓ سے موئید ہو چکا ہے۔

پہلا اعتراض:

غیر مقلدین حضرات اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں "الارکعتی الفجر" کے الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے (یعنی اصل متن میں یہ الفاظ نہیں ہیں) جیسے کہ علامہ بیہقیؒ نے اس

حدیث کے آخر میں تصریح فرمادی ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے دوراوی، حجاج بن نصیر، اور عباد بن کثیر ضعیف ہیں؟

اعتراض کا جواب:

یہ بات تو مسلم ہے کہ اس حدیث میں ''الا رکعتی الفجر'' کی زیادتی مدرج ہے لیکن اس حدیث کے معارض جو حدیث ہے جسمیں ''ولا رکعتی الفجر'' کی زیادتی ہے وہ بھی مدرج ہے جسکی وجہ سے علامہ ابن عدیؒ نے وہ حدیث یحیٰ نصر بن حاجب کے مناکیر میں ذکر فرمائی ہے لیکن اسکے باوجود علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے حالانکہ یحیٰ بن نصر بن حاجب اور مسلم بن خالد زنجی مختلف فیہ راوی ہیں لیکن ان دوراویوں کے مقابلہ میں اس باب کی حدیث کے دوراوی جن پر اعتراض کیا گیا ہے ایک حجاج بن نصیر اور دوسرا عباد بن کثیر ان کا حال مذکورہ راویوں سے بہت بہتر ہے جیسا کہ آئندہ اسکی تفصیل ذکر کی جائے گی اب یہاں پر حدیث باب کے رواۃ کے متعلق آئمہ جرح وتعدیل کا کلام نقل کیا جاتا ہے جس سے ان راویوں کا حال معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس درجہ کے ہیں قابل حجت ہیں کہ نہیں؟

پہلے راوی...... ''حجاج بن نصیر پر کلام''

پہلا کلام:

علامہ مزیؒ حجاج بن نصیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''وَقَالَ يَعْقُوبُ بْنُ شُعْبَةَ:''سَأَلْتُ يَحْيىٰ بْنَ مَعِيْنٍ عَنْهُ فَقَالَ:''كَانَ شَيْخًا صَدُوْقًا، وَلٰكِنَّهُمْ أَخَذُوا عَلَيْهِ أَشْيَاءَ فِيْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ، كَانَ لَابَأْسَ بِهٖ.(تهذيب الكمال: ج:٣،ص:٣٢٦

یعقوب بن شعبہؒ فرماتے ہیں کہ:''میں نے یحیٰ بن معین سے حجاج بن نصیر کے بارے میں پوچھا توانہوں فرمایا کہ:''وہ شیخ صدوق تھا ،لیکن محدثین نے اُن پر شعبہ کی روایت میں (اسناد میں) گرفت کی ہے،(باقی) اس میں کوئی نُقص نہیں تھا۔

دوسرا کلام:

علامہ ابن حبانؒ نے حجاج بن نصیر کو ثقات میں ذکر کیا ہے:

''حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ أَبُوْ مُحَمَّدِ الْفَسَاطِيطِيُّ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ يَرْوِيْ عَنْ شُعْبَةَ رَوىٰ عَنْهُ أَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدِ الدَّرَامِيُّ وَأَهْلُ الْعِرَاقِ مَاتَ سَنَةَ ثَلَاثٍ أَوْأَرْبَعَ عَشَرَةَ وَمِائَتَيْنِ يُخْطِئُ وَيَهِمُ.(الثقات لابن حبان، ج:٨،ص:٢٠٢)

حجاج بن نصیر ابومحمد الفساطیطی اہل بصرہ میں سے تھا وہ شعبہ سے روایت کرتا ہے، اس سے أحمد بن سعید الدارمی، اور اہل عراق نے روایت کیا ہے، ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں انکا انتقال ہوا، اسے غلطی ووہم ہوجاتی تھی۔

تیسرا کلام:

علامہ ابن عدیؒ حجاج بن نُصیر کے متعلق رقم طراز ہیں

قَالَ ابْنُ عَدِى وَلِحَجَّاجِ بْنِ نُصَيْرٍ أَحَادِيْثُ وَرِوَايَاتٌ عَنْ شُيُوْخِهٖ وَلَا أَعْلَمُ لَهُ شَيْئًا مُنْكَراً غَيْرَ مَاذَكَرْتُ وَهُوَ فِيْ غَيْرِ مَاذَكَرْتُ صَالِحٌ.(الكامل فى الضعفاء،لابن عدى

، ج: ۲، ص: ۲۳۲، دار الفکر، طبع، ۱۹۰۴)

حجاج بن نصیر کی اپنے شیوخ سے کئی احادیث وروایات ایسی ہیں کہ جنکے بارے میں میں کسی بھی شیء منکر کا علم نہیں رکھتا سوائے اسکے جو میں نے ذکر کر دیا ہے، اور وہ باقی احادیث میں سوائے ان احادیث کے جو میں نے ذکر کر دی ہیں صالح ہیں۔

فائدہ:

اس روایت کو جس میں یہ الفاظ ہیں ''الا رکعتی الفجر'' کو علامہ ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کے مناکیر میں ذکر نہیں کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت منکر نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ابن عدیؒ نے جہاں پر حجاج بن نصیر کی دیگر روایات ذکر کیں وہاں پر یہ روایت بھی ذکر کرتے ''اذ لیس فلیس''، اور نہ ہی حجاج بن نصیر نے یہ روایت شعبہ سے کی ہے پس اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جن محدثین نے حجاج بن نصیر کو ضعیف گردانا ہے وہ انہی شعبہ کی روایات کی وجہ سے ہے (اور وہ بھی اسناد میں ان پر گرفت کر کے نہ کہ متن میں) اور نہ ہی حجاج بن نصیر کی تمام روایات کی وجہ سے جیسا کہ علامہ ابن عدیؒ نے اسکی تصریح فرمادی ہے کہ شعبہ سے روایت کرنے کے علاوہ حجاج بن نصیر کی اپنے شیوخ سے بہت سی روایات واحادیث ایسی ہیں کہ جن میں حجاج بن نصیر صالح ہیں قابل اعتماد ہیں۔ اور یہ روایت بھی انہیں میں ہے کہ جسمیں وہ صالح ہے۔

چوتھا کلام:

علامہ ابن شاہینؒ حجاج بن نصیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''حَجَّاجُ الفَساطِيطِيُّ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ قَالَهُ يَحْيىٰ.'' (تاریخ اسماء الثقات لابن شاهين، ج: ۱، ص: ۶۹، رقم

الترجمة: ۲۶۳)

یحیٰی بن معینؒ نے فرمایا ہے کہ حجاج فساطیطی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پانچواں کلام:

علامہ عجلیؒ نے حجاج بن نصیر کو ثقات میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ الفَساطِيطيُّ كَانَ مَعْرُوفًا بِالْحَدِيْثِ وَلٰكِنَّهُ أَفْسَدَهُ أَهْلُ الْحَدِيثِ بِالتَّلْقِينِ كَانَ يُلَقَّنُ وَأُدْخِلَ فِيْ حَدِيْثِهِ مَالَيس مِنهُ فَتُرِكَ. (الثقاتُ لِلعِجْلي، ج: ۱، ص: ۲۸۷)

حجاج بن نصیر الفسطاطی حدیث میں معروف ہیں لیکن اصاحب حدیث نے ان کو حدیث میں تلقین کی وجہ سے فاسد کر دیا ہے اور اسکی حدیث میں وہ باتیں شامل کی گئیں جو اس میں نہیں تھیں پس اس وجہ سے انکو چھوڑ دیا گیا۔

فائدہ:

علامہ عجلیؒ کے نزدیک حجاج بن نصیر ثقہ ہیں انہوں نے اصحاب حدیث کا انکو ضعیف جاننے کی وجہ بتادی ہے کہ وہ (سند میں) تلقین کرتے تھے، اور اسکی حدیث میں وہ باتیں شامل ہوئیں جو اسمیں نہیں تھیں، اسمیں بھی اشارہ انہی شعبہ والی روایات کی طرف ہے، باقی روایات میں وہ معتبر ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

چھٹا کلام:

علامہ ذہبیؒ اسناد حدیث میں حجاج بن نصیر پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قُلْتُ وَلَمْ يَأْتِ بِمَتنٍ مُنْكَرٍ. (ميزان الاعتدال

، ج: ۱، ص: ۴۶۵

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا۔

''ارشادالحق اثری صاحب کا وہم''

ارشادالحق اثری صاحب نے علامہ ذہبیؒ کی مذکورہ عبارت کو میزان الاعتدال کی خطا گردان کر اپنی نادانی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنے رسالہ ''بعض احکام رکعتی الفجر'' جو کہ اعلام اہل العصر کے ذیل میں چھپا ہے (ص:۲۶۵) پر لکھتا ہے:

> کہ علامہ ذہبیؒ نے جو حجاج بن نصیر کے متعلق میزان الاعتدال میں یہ لکھا ہے کہ وہ منکر متن نہیں لاتے، یا ابن عدیؒ نے اسکی منکر روایات ذکر نہیں کی ہیں جیسا کہ علامہ کشمیریؒ نے سمجھا ہے یہ بالکل صحیح نہیں ہے............ کیونکہ ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کی تین منکر روایات ذکر کی ہیں......اور اسی طرح علامہ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب میں انہی روایات کو ابن عدی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے تو امام ذہبی کا یہ فرمانا کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا بالکل درست نہیں ہے۔اھ (بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر)

''حجاج بن نصیر کے منکر روایات کی حقیقت''

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشادالحق اثری صاحب کا وہم ہے کہ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبیؒ سے خطاء ہوئی ہے کیونکہ علامہ ذہبیؒ کی یہ بات بلکہ درست ہے کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا اسکی حقیقت جاننے کیلئے میں آپ حضرات کے سامنے الکامل ابن عدی سے حجاج بن نصیر کی وہ روایات پیش

کرتا ہوں جو ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کے مناکیر میں روایت کی ہیں۔اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ اُن تین روایات پر محدثین نے سند کے اعتبار سے کلام کیا ہے یا متن کے اعتبار سے اور ارشادالحق اثری صاحب کی نادانی بھی واضح ہوجائے گی۔

پہلی روایت:

علامہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں

> ''حَدَّثَنا السَّاجِیُ ثَنا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَر ثَنا حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ ثَنا شُعْبَةُ عَنْ مُبَارَک عَنْ اِبْراهِيْمَ عَنِ الاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يأْمُرُ اِذاحَاضَتْ اِحْدَانا اَنْ تَأْتَزِرَ ثُمَّ يُبَاشِرُهَا.
>
> ہمیں ساجی نے بیان کیا ان کا کہنا ہے ہمیں محمد بن معمر نے بیان کیا ان کا کہنا ہے کہ ہمیں حجاج بن نصیر نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں شعبہ نے بیان کیا اس نے مبارک سے، مبارک نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود سے، اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی حائضہ ہوجاتی تو رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرماتے کہ ازار باندھو پھر وہ ہمارے ساتھ مباشرت فرماتے۔

''حجاج بن نصیر کی سند میں خطاء کی وضاحت''

یہ روایت علامہ ابن عدیؒ نے بیان کی ہے جسمیں حجاج بن نصیر نے شعبہ سے روایت کیا ہے لیکن اس روایت میں حجاج بن نصیر سے سند میں یہ غلطی ہوئی کہ اس نے شعبہ کے بعد ایک راوی ''مبارک'' کا اضافہ کیا حالانکہ مبارک نام کا کوئی راوی نہیں ہے اور نہ ہی شعبہ نے مبارک نام

کے کسی راوی سے روایت بیان کی ہے۔اس روایت کے بعد علامہ ابن عدیؒ نے دوسری روایت بیان کی ہے جسمیں مبارک نام کا کوئی راوی نہیں ہے یعنی کہ اصل روایت اس سند کیساتھ ہے وہ روایت ملاحظہ ہو:

"أَخبَرنَا السَّاجِیُّ ثَنا بُندارُ ثَنا مَحَمَّدُ بْنُ جَعْفَر ثَنا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُور عَنْ اِبْراهیمَ عَنِ الأَسْوَدعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یأْمُر اِحْدانَا اِذا کَانت حَائضاًفَتأتزر فَیُضَاجِعها ."
قَالَ هذا بِالمُبارک مَوضع یعنی فوقَ واسط ثمَّ قَالَ بعد یُبَاشِرها. (الکامل ابن عدی ج:۲،ص:۲۳۱)

ہمیں ساجی نے خبر دی اس نے کہا کہ بندار نے ہم سے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ محمد بن جعفر نے ہم سے بیان کیا اس نے کہا کہ شعبہ نے ہم سے بیان کیا اس نے منصور سے اس نے ابراہیم سے ،اس نے اسود سے اور اس نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوجاتی تو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے کہ ازار باندھو پھر وہ اسکے ساتھ مضاجعت فرماتے۔

فرمایا کہ (یہ حدیث) مبارک نامی جگہ پر میرے سامنے بیان کی جو کہ واسط کے اُوپر ہے پھر اسکے بعد فرمایا کہ آپ ﷺ مباشرت فرماتے۔

قَالَ لَنَا السَّاجِیُّ أَظُنُّ حجّاج قَالَ لَهُ شُعْبَةُ حدَّثنا بالمبارَک فَظنَّ اَنَّ الحَدِیْث عَنِ المَبارک فرواه حدَّثنا بُنُ صَاعد ثنا مُحمَّد أَشْکابٍ ثنا حجاج بن نصیر ثنا شعبة عن المبارک عن ابراهیم ....الخ قَالَ لَنا بُنُ صَاعِدٍ قُلت لابْنِ ابن

اشکَاب مَنْ مبارک هذا فقَال لاادری قَالَ لنا بن صاعد واِنّما قَال له شُعْبَةُ حدَّثنا مَنْصُور بِالمُبارک المَوضع الذی یقرب من واسط فلقن عَنهُ المبارک فَجعل اسم المَوضع اسم الرَّجُل واسقط منصور فی الاسناد لما طال علَیه. (الکامل ابن عدی ج: ۲۳۱)

ہمیں ساجی نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حجاج کو شعبہ نے فرمایا ہوگا کہ فلاں نے اس سے مقام مبارک پر حدیث بیان کی تو اس سے حجاج نے یہ سمجھا کہ یہ حدیث شعبہ نے مبارک سے روایت کی ہے تو حجاج بن نصیر نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہمیں ابن صاعد نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے اشکاب نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہم سے حجاج بن نصیر نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس سے مبارک نے اس سے ابراہیم نے بیان کیا............الخ

ہمیں ابن صاعد نے فرمایا کہ میں نے ابن اشکاب سے پوچھا کہ یہ مبارک کون ہے اس نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہمیں ابن صاعد نے فرمایا کہ شعبہ نے اس کو یہی فرمایا ہوگا کہ ہم سے منصور نے مقام مبارک جو واسط کے قرب میں ہے یہ حدیث بیان کی تو حجاج نے مبارک نامی جگہ کو آدمی کا نام سمجھا یعنی حجاج نے جگہ کو آدمی کا نام سمجھ کر اس سے روایت کی اور جب اس پر سند طویل ہوگئی تو اس نے منصور راوی کو سند سے گرادیا۔

حجاج بن نصیر کے متعلق علامہ ابن عدیؒ نے جو کلام کیا ہے وہ آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ

اس روایت میں حجاج بن نصیر کی غلطی صرف سند میں تھی نہ کہ متن حدیث میں جیسا کہ مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

دوسری روایت:

"وَقَدْ ذَكَرَ عَنْ شُعبَةَ فِيْ حَدِيث آخَرٍ اَنَّ منصور حدَّثَهُ بِالمُبارك حدَّثنا بُندارُ حدَّثنا رُوْحٌ ثنا شعبةُ عن منصور عن تميم بن سلمة عن عبيد بن خالد السلمي عن النبي ﷺ ان قال موت الفجأة اخذة أسفة قال شعبة هكذا حدَّثنيه وحدَّثنيه مرَّة أَخْبَرنيْ بالمبارك ....الخ

اور دوسری حدیث میں بھی شعبہ کی طرف سے یہی ذکر کیا گیا ہے کہ منصور نے شعبہ سے مبارک نامی جگہ پر حدیث بیان کی فرمایا کہ ہم سے بندار نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے روح نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس نے منصور سے اس نے تمیم بن سلمہ سے اس نے عبید بن خالد سلمیؓ سے اس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اچانک موت انتہائی افسوس ناک پکڑ ہے۔ شعبہ نے فرمایا کہ اسی طرح اس نے مجھ سے بیان کیا ہے اور ایک مرتبہ اس نے میرے سامنے یوں ہی بیان کیا ہے اس نے مجھے مقام مبارک پر خبر دی ہے......الخ

تنبیہ:

اس روایت میں بھی حجاج بن نصیر کی وہی غلطی ہے جو کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حجاج بن نصیر

نے مبارک نامی جگہ کو آدمی کا نام سمجھ کر اس سے روایت کیا ہے تو یہ غلطی بھی سند کی غلطی ہے متن حدیث میں حجاج بن نصیر سے غلطی نہیں ہوئی ہے۔

تیسری روایت:

"وَوهَمَ أَيْضًا حجَّاج بن نُصير في حديث آخر يعني لشعبة ثنا بن صاعد ثنا احمدُ بْنُ سَنَان والفضلَ بْن سَهلٍ وَ أحمد بنُ مَنْصور والعباس بن محمد قَالوا أخبرنا حجاج بن نصير ثنا شعبة عن العوام بن مزاحم عن أبي عثمان النهدي عن عثمان......الخ انما رواه أبو عثمان عن سلمان......الخ

اور حجاج بن نصیر کو شعبہ کی ایک اور روایت میں بھی وہم ہوا ہے ہمیں ابن صاعد نے بیان کیا اس کا کہنا ہے کہ ہم سے احمد بن سنان، فضل بن سہل، احمد بن منصور اور عباس بن محمد نے بیان کیا ان کا کہنا ہے کہ ہمیں حجاج بن نصیر نے خبر دی ہے اس کا کہنا ہے کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اس نے عوام بن مزاحم سے اس نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے ......الخ

حالانکہ ابو عثمان نے سلمان سے روایت کیا ہے (نہ کہ عثمان سے)۔

تنبیہ:

اس روایت میں حجاج بن نصیر کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ حدیث ابو عثمان نہدیؒ نے عثمان سے روایت کی ہے حالانکہ اصل روایت یہ ہے کہ ابو عثمان نہدی نے سلمان سے روایت کیا ہے نہ کہ عثمان سے تو اس روایت میں بھی حجاج بن نصیر کی غلطی سند کے اعتبار سے ہے کہ اس نے سلمان کی جگہ حدیث

عثمان سے سمجھ کر اس سے روایت کیا ہے اور یہ سند کی غلطی ہے۔

اس تفصیل سے آپ حضرات پر ارشاد الحق اثری صاحب کی نادانی آشکار ہو چکی ہوگی کہ کیسے اس نے یہ کہہ کر

هذا ليس موضع بسطها فانظرها هناک

کہ یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہے پس وہاں (ابن عدی میں) دیکھ لو۔

جان چھڑالی اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے بات ابن عدی کے مطالعہ پر چھوڑ دی آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہے کہ ابن عدیؒ نے حجاج بن نصیر کی جو روایات ذکر کی ہیں وہ سند کے اعتبار سے منکر ہیں متن کے اعتبار سے منکر نہیں ہیں، پس جب یہ روایات متن کے اعتبار سے منکر نہیں ہیں تو پھر ان روایات کو لیکر حجاج بن نصیر کو مجروح قرار دینا اصول حدیث کا علم نہ رکھنے کا ثبوت ہے کہ جو شخص اسنادی گرفت کی وجہ سے اسے مجروح قرار دے رہا ہے وہ اصول حدیث کے شد بد سے بھی واقف نہیں ہے ورنہ وہ یہ حماقت کبھی بھی نہ کرتا!

محدثین حضرات جانتے ہیں کہ شعبہ بھی اسناد میں غلطی کر جاتا ہے اور ناموں کو الٹ پلٹ دیتا ہے اگر اسنادی غلطی جرح شمار ہوتی تو پھر شعبہ بھی مجروح ہوگا جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے، جرح وہی ہے کہ غلطی اور وہم متن میں ہو نہ کہ سند میں۔ اور حجاج بن نصیر متن میں وہم و غلطی سے بالکل بری ہے۔

پس علامہ ذہبیؒ اور انور شاہ کشمیریؒ کی سمجھ بالکل درست ہے کہ انہوں نے یہی فرمایا ہے کہ حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا یا ابن عدیؒ نے متن کے اعتبار سے انکے منکر روایات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تو ارشاد الحق اثری صاحب کو اپنی سمجھ کی فکر کرنی چاہئے کہ بغیر تحقیق کے محض احناف کے ساتھ

تعصب کی بنا پر ان بزرگوں کی طرف خطاء و ناسمجھی کی نسبت کرنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ ارشاد الحق اثری صاحب آپ جیسے ہزاروں ہزار سال میں بھی ان بزرگوں کی سمجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور...... پیدا

قارئین کرام! یہاں تک حجاج بن نصیر پر کلام تو علی سبیل الانکار تھا کہ ہم انہیں ضعیف نہیں مانتے کیونکہ بہت سے محدثین نے انکو صدوق وصالح قرار دیا ہے، اور اگر ہم علی سبیل تنزل مان بھی لیں کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے تو پھر بھی حجاج بن نصیر کا حال یحیٰ بن نصر بن حاجب سے اچھا ہے کیونکہ یحیٰ بن نصر بن حاجب ایسا راوی ہے کہ جن سے اصحاب صحاح ستہ نے احادیث کی تخریج نہیں کی ہے اور انکی احادیث سے اپنی سنن میں اعراض کیا ہے اور حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں ہے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

نَعَمْ وَلٰكِنْ حجاجُ بْنُ نُصَيرٍ أَحْسَنُ حالاً مِنْ يَحْيىٰ بْنِ نَصْرِبْنِ حاجِبٍ فَإنَّ يَحْيىٰ لَمْ يُخْرِجْ لَهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الصَّحاحِ الستةِ وَأَعْرَضُوا عَنْ اِخْراجِ حَدِيْثِهِ فِي سُنَنِهِمْ وَحجَّاجُ بْنُ نُصَيرٍ مِنْ رِجَالِ الترمذي. قال ابنُ معين: كَانَ شَيْخًا صدوقًا لٰكِنَّهُمْ أَخذُوا عَلَيهِ أَشْيَاءَ فِيْ أَحَادِيْثِ شُعْبَةَ وَذكرهُ ابنُ حبَّان فِيْ الثِّقَاتِ وَقَالَ يُخْطِيءُ ويَهِمُ وَأَوْرَد لَهُ ابْنُ عَدِيٌّ أَحادِيْثَهُ عَنْ شُعْبَةَ وَهِيَ ثَلاثَةُ أَحادِيْثُ أَخَذُوا عَلَيهِ أَشْيَاءَ فِيْ أَسَانِيْدِها

دُوْنَ الْمُتُونِ. قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: وَلِحَجَّاجٍ أَحَادِيْثُ وَرِوَايَاتٌ عَنْ شُيُوْخِهِ وَلَا أَعْلَمُ لَهُ شَيْئًا مُنْكَرًا غَيْرَ مَاذَكَرْتُ وَهُوَ فِيْ غَيْرِ مَاذَكَرْتُهُ صَالِحٌ. (تهذيب التهذيب، ج:۲، ص:۲۰۸/۲۰۹، اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۹. ج:۵، ص:۱۹۸۸)

ہاں اگر ہم مان بھی لیں کہ حجاج بن نصیر ضعیف ہے لیکن پھر بھی وہ یحیٰی بن نصر بن حاجب سے بہت اچھا ہے کیونکہ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی یحیٰی سے تخریج نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے اپنی اپنی سنن میں اس کی حدیث کی تخریج سے اعراض کیا ہے، جبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہے.....الخ

’’ارشادالحق اثری صاحب کے مزید اوہام‘‘

ارشادالحق اثری صاحب نے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی مذکورہ تحقیق پر یہ اعتراض کیا ہے:

قولہ:

’’ظفر احمد عثمانی نے اپنے شیخ کی بات کو قوت دینے کیلئے کہا ہے کہ: ’’حجاج بن نصیر صحاح کے رجال میں سے ہے۔ حالانکہ وہ صرف ترمذی کے راویوں میں سے ہے نہ کہ صحاح کے راویوں میں سے اور کیا ترمذی کے سب راوی ثقہ ہیں اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس استناد اور تعدیل کی کیا ضرورت ہے؟

كشف الغرر عن سنة الفجر — سنت فجر عندالاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

(بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر، ص:۲۶۶)

جواب:

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

ارشادالحق اثری صاحب کے وہم کا اندازہ لگائیں کہ انہوں نے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے قول میں کیسے تصحیف کی ہے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ کب فرمایا ہے کہ حجاج بن نصیر صحاح کا راوی ہے بلکہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: ’’یحیٰی بن نصر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی حدیث کی تخریج نہیں کی ہے جبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہیں‘‘ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے تو یہ فرمایا کہ ’’حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہیں اور ارشادالحق اثری صاحب نے اُن کے قول کو اُلٹ دیا اور کہا کہ ’’حجاج بن نصیر کو علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے صحاح کا راوی کہا ہے جبکہ وہ ترمذی کے راویوں میں سے ہیں‘‘ یہ کہنا جناب ارشادالحق اثری صاحب کا یہ تو وہم ہے اور یا وہ جان بوجھ کر بات کو گھما پھرا کر کیا سے کیا بنا لیتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایک موقع پر اعلاء السنن میں ایسا ہی ہے کہ وہ صحاح کا راوی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے صفحات میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس بات کی تصریح فرما چکے ہیں کہ حجاج ترمذی کے راویوں میں سے ہے تو اس مقام پر وہ کیسے یہ فرما سکتے ہیں کہ حجاج صحاح کے راوی ہیں پس یہ بات یقینی ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور کتابتی غلطی پر گرفت کرنا نادانوں کا کام ہے نہ کہ اہل علم وحدیث کا۔ فتدبروا

قولہ:

اور اسکا یہ کہنا کہ: ’’کیا ترمذی کے سب راوی ثقہ ہیں اگر جواب نفی میں ہے تو اس استناد اور تعدیل کا کیا فائدہ۔

اقول

میں کہتا ہوں کہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ کب فرمایا ہے کہ ترمذی کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ تو آپ کا اپنا اجتہاد ہے کہ آپ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں علامہ ظفر احمدؒ عثمانیؒ اس مقام پر حجاج بن نصیر کی تعدیل بیان نہیں فرما رہے ہیں بلکہ وہ وجہ ترجیح بین الراویین بیان فرما رہے ہیں کہ ہم یحییٰ بن نصر بن حاجب کے مقابلہ میں حجاج بن نصیر کو ان وجوہات کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں کہ یحییٰ بن نصر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں لی ہے جبکہ حجاج بن نصیر ترمذی کا راوی ہے اور یہ بیان وجہ ترجیح ہے بیان تعدیل نہیں۔ فتدبر

"انور شاہ کشمیریؒ
پر ارشاد الحق اثری صاحب کے اعتراضات کا جائزہ"

ارشاد الحق اثری صاحب نے اپنے مذہبی تعصب کے بنا پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ پر اعتراض کرتے ہوئے عنوان قائم کیا ہے:

قولہ:

"وھم العلامة الکشمیری وخبطه' (بعض احکام رکتی الفجر)'

علامہ کشمیری کا وہم وبد حواسی

پھر آگے کہتا ہے:

شیخ انور شاہ کشمیری نے اس سند پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے:

"کہ رہی بات حجاج بن نصیر کی تو وہ مختلف فیہ راوی ہے امام ترمذی نے کتاب الجمعۃ میں اس سے روایت لی ہے اور ابن معین نے اسکو ثقہ

قرار دیا ہے اور ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ: "میں نے حجاج بن نصیر کی (ان تین) روایات کے علاوہ منکر روایات نہیں پائیں"۔

اور اسی طرح انہوں نے آثار السنن پر تعلیقات میں کہا ہے جیسا کہ شیخ بنوری نے معارف السنن (۴/۸۷) میں نقل کیا ہے مگر شیخ بنوری نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ:

ابن عدیؒ نے فرمایا کہ: "حجاج بن نصیر منکر متن نہیں لاتا اور اسی طرح ذہبیؒ میزان میں "قلت" سے فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم دیکھو تہذیب (۸/۲۰۹) اور ابونعیم نے بھی اپنے مستخرج میں حجاج بن نصیر سے حدیث روایت کی ہے جیسا کہ فتح (۲/۶۰) میں ہے اور امام احمد نے اپنے مسند میں (۵/۳۴۰) پر اسکی روایت کی تخریج کی ہے۔

یہ کہنے کے بعد ارشاد الحق اثری کہتا ہے:

پہلا اعتراض:

قولہ

"دیکھو کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے کیلئے کیسا حیلہ کیا ہے۔

پہلے تو یہ کہا کہ:

حجاج بن نصیر سے ترمذی نے روایت لی ہے...... الخ

پھر ذرا اس روایت کو تو دیکھا جائے جو امام ترمذیؒ نے "الجمعۃ علی من اواہ اللیل"، میں حجاج بن نصیر کے حوالہ سے بیان کی ہے خود سنن ترمذی

میں ہے کہ جب احمد بن حسن نے یہ راویت امام احمد بن حنبلؒ کے
سامنے حجاج بن نصیر کے سند سے بیان کی تو انہوں فرمایا کہ استغفر
ربک استغفر ربک اور یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اس حدیث کو کچھ بھی نہیں
سمجھتے تھے اسکے سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

اگر ارشاد الحق اثر صاحب کے حق میں اُن کے اپنے الفاظ ''وہم الکوثری وخبطہ'' استعمال کیے جائے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ''کما تدین تدان'' جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

قولہ:

اسکا کہنا ہے:

دیکھو کہ علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے
کیلئے کیسا حیلہ کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ:
حجاج بن نصیر سے ترمذی نے راویت لی ہے......الخ

اقول:

میں کہتا ہوں:

علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ ثابت کرنے کیلئے کیا حیلہ کیا ہے انہوں نے تو یہ فرمایا کہ امام ترمذی نے اس سے حدیث کی تخریج کی ہے کیا یہ حیلہ ہے یہ تو صاف سی بات ہے کہ

وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حجاج بن نصیر سے اصحاب صحاح ستہ میں سے ترمذی نے راویت لی ہے۔

اس میں حیلہ کی کیا بات ہے؟۔

اور رہی بات حجاج بن نصیر کے مختلف فیہ ہونے کی تو ماقبل میں یہ بات خوب معلوم ہو چکی ہے کہ بہت سے محدثین نے حجاج کی توثیق بھی کی اور بعض محدثین نے انکو ضعیف بھی فرمایا ہے یہ صرف علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی تحقیق نہیں ہے کہ انہوں حجاج کو مختلف فیہ فرمادیا ہے اور خود امام المحدثین امام بخاریؒ نے بھی حجاج بن نصیر کو مختلف فیہ فرمایا ہے چنانچہ امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''حَجَّاج بُنُ نُصَیر اَبُوُ مُحَمَّد الفَسَاطِیطِیُ البَصری عَنُ شُعبَة ،یَتَکَلَّم فِیهِ بَعُضُهُم ،مات سنة ثلاث او اربع عشرةَ وَمائتَیُن(التاریخ الکبیر ج:۲،ص:۳۸۰،رقم الترجمة ۲۸۴۵)

حجاج بن نصیر ابو محمد فساطیطی بصری شعبہ سے راویت کرتا ہے بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں فوت ہوا۔

اب کیا ارشاد الحق اثری صاحب جرأت کر سکتے ہیں؟ کہ وہ امام بخاریؒ کے حق میں ''وہم البخاری وخبطہ'' کے الفاظ ستعمال کرلیں لے کہ انہوں نے بھی حجاج بن نصیر کے متعلق یہ فرما کر کہ بعض محدثین نے اس پر کلام کیا ہے اُس کو مختلف فیہ کہ کر حیلہ کیا ہے مگر اتنی جرات کہا۔ کہنے والے نے کیا خواب کہا ہے

؎ نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار............اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

قولہ:

اسکا کہنا ہے کہ:

پھر ذرا اس راویت کو تو دیکھا جائے جو امام ترمذیؒ نے ''الجمعۃ علی من اواہ اللیل'' میں حجاج بن نصیر کے حوالہ سے بیان کی ہے خود سنن ترمذی میں ہے کہ جب احمد بن حسن نے یہ راویت امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے حجاج بن نصیر کی سند سے بیان کی تو انہوں فرمایا کہ استغفر ربک استغفر ربک اور یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اس حدیث کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اسکے سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔
بنظر انصاف دیکھ کر یہ بتائیں، کہ کیا امام ترمذی کی اپنی سنن میں حجاج بن نصیر کی راویت کی تخریج اسکے توثیق کا سبب ہے؟ ہرگز نہیں پس انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے حجاج سے تخریج کی ہے اسکی مثال اس سے زیادہ نہیں کہ ڈھوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے۔ انتہی

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ارشاد الحق اثری صاحب نے حجاج بن نصیر کے حوالے سے جس راویت کا ذکر کر کیا ہے اور اس میں صرف حجاج کی طرف ضعف کی نسبت کی ہے یہ دیانت داری کا کام نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف حجاج بن نصیر ہی ضعیف راوی نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر انکار کیا۔ بلکہ اس کی سند میں معارک بن عباد اور عبداللہ بن سعید المقبری بھی ہیں اور یہ بھی ضعیف راوی ہیں تو اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے اس راویت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

کیونکہ بعض محدثین کی رائے کے مطابق اس حدیث میں تین مختلف فیہ راوی جمع ہو گئے جسکی وجہ سے اس راویت کی اہمیت مذکورہ سند کی وجہ سے ختم ہوئی۔ نہ کہ صرف حجاج بن نصیر کی وجہ سے حدیث میں ضعف پیدا ہوا۔ اس بات کو ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم سمجھ لیا جائے یا خبط اسکا فیصلہ قارئین حضرات پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اُس نے مذکورہ حدیث کے ضعیف ہونے کو صرف حجاج بن نصیر کے سر ڈالا ورنہ اگر صرف حجاج بن نصیر راویت میں ضعف ہوتا تو پھر اسکے متعلق امام احمدؒ یقیناً ایسا نہ کہتے۔ اور یہ حدیث حسن درجہ کو پہنچ جاتی

قولہ:

اور اسکا یہ کہنا کہ:

بنظر انصاف دیکھ کر یہ بتائیں، کہ کیا امام ترمذی کا اپنی سنن میں حجاج بن نصیر کی راویت کی تخریج اسکے توثیق کا سبب ہے...... الخ

اقول:

میں کہتا ہوں:

کہ یہ ارشاد الحق اثری صاحب کی ضعف فہمی ہے کہ انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اس قول ''اخذ عنہ الترمذی'' کو حجاج بن نصیر کی توثیق سمجھا حالانکہ انور شاہ کشمیریؒ تو صرف یہ بیان فرمارہے ہیں کہ حجاج بن نصیر ترمذی کے راویوں میں سے ہے اس کی توثیق تو وہ آگے ابن معین اور علامہ ابن عدیؒ کے حوالہ سے بیان فرمارہے ہیں نہ کہ امام ترمذی کا اسکی حدیث کی تخریج سے وہ اسکی توثیق بیان فرمارہے ہیں۔
میں آپ حضرات کو پہلے سے بتا چکا ہوں کہ ارشاد الحق اثری صاحب خود خبطی ہو چکے ہیں وہ کیا کا کیا سمجھ جاتے ہیں علامہ انور شاہ کشمیریؒ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ترمذی کا ہر راوی ثقہ

نہیں ہے اور نہ ہی ہر راوی ضعیف ہے۔

پس ارشادالحق اثری صاحب کا یہ قول کہ:

> انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے حجاج سے تخریج کی ہے اسکی مثال اس سے زیادہ نہیں کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

ارشاد الحق اثری صاحب کی مثال حاطب للیل کی سی ہے یعنی جو شخص اندھیرے میں لکڑیاں چنتا ہے اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا چن رہے ہیں اور کیا چھوڑ رہے ہیں۔اور کیا سانپ کو تو لکڑی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ہاں بالکل اسی طرح ارشادالحق اثری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا چھوڑ رہے ہیں، وہ کیا سمجھ رہے ہیں اور کیا نہیں سمجھ رہے ہیں۔اور بقول انہی کے ان کی عقل ”عقلہ فی الوہم والخبط“ وہم وخبط کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔۔ اللھم احفظنا من الوہم والخبط

دوسرا اعتراض:

قولہ:

> انور شاہ کشمیریؒ کا یہ کہنا کہ:”ابن معین نے (حجاج) کی توثیق کی ہے،تو میں کہتا ہوں کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے ابن معین نے تو اس کے بارے میں صرف صدوق کہا ہے اور ایک راویت میں انہیں ضعیف بھی کہا ہے............پس ابن معین کا حجاج کو صدوق کہنا محل نظر ہے اور خاص کر کہ جب اُس نے اسکو ضعیف بھی کہا ہے۔

اعتراض کا جواب:

میں کہتا ہوں: کاش کہ ارشادالحق اثری صاحب اصول حدیث کا علم رکھتے یوں ہی اہل حدیث ہونے کا دعوی نہ کرتے؟

قولہ:

ارشادالحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

> میں کہتا ہوں کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے ابن معین نے تو اس کے بارے میں صرف صدوق کہا ہے اور ایک راویت میں انہیں ضعیف بھی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشادالحق اثری صاحب کی یا تو نادانی ہے یا تجاہل ہے کہ صدوق اور ثقہ میں بہت زیادہ فرق ہے (یعنی کہ صدوق کو ثقہ نہیں کہہ سکتے) آپ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ارشادالحق اثری صاحب کی نادانی کا اندازہ خود لگائیں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں

> ”قَالَ بن أَبِی خَیْثَمة قُلْتُ لابْنِ مَعِیْنٍ اِنَّکَ تَقُوْلُ فُلان' لَیس بِہٖ بأْس' وَفُلان' ضَعِیف' قَالَ اِذا قُلْتُ لکَ لَیسَ بہٖ بأْسُ فَھُو ثِقَة' وَاِذا قُلتُ ھُو ضَعیف' فَلَیْسَ ھُو بِثِقَة ......الخ لسان المیزان ج:۱،ص:۱۳،فصل رابع
>
> ابن ابی خیثمہؒ نے فرمایا کہ میں نے ابن معین سے کہا کہ آپ کہتے کہ فلاں میں کوئی حرج نہیں ہے اور فلاں ضعیف ہے (تو اسکا کیا مطلب ہوتا ہے) تو فرمایا کہ جب میں کسی کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اس میں

کوئی حرج نہیں ہے تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور جب میں کسی کے متعلق یہ
کہتا ہوں کہ یہ ضعیف ہے تو وہ ثقہ نہیں ہوتا۔

اب آپ حضرات اندازہ لگائیں کہ علامہ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی کے متعلق کہتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ ثقہ ہوتا ہے اور ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ ابن معین نے تو حجاج کو صدوق کہا ہے ثقہ نہیں کہا ہے یہ ان کی نادانی ہے کیونکہ الفاظ تعدیل میں لاباس بہ کا درجہ صدوق سے بعد کا یا اسکے برابر کا ہے تو جب ابن معینؒ لاباس بہ والے کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے تو پھر جسکے متعلق وہ صدوق فرمادیں وہ تو بدرجہ اولیٰ یا بدرجہ مساوی ثقہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ثقہ کے الفاظ سے جسکی توثیق کی جائے وہ صدوق سے اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ ہوگا پس الفاظ ثقہ سے کسی کی تعدیل کرنے اور صدوق کے الفاظ سے کسی کی تعدیل کرنے میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ ایک اعلیٰ تعدیل ہے اور ایک اس سے کم درجہ کی لیکن ثقہ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے جیسا کہ علامہ ابن معینؒ کے حوالہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

اسکے علاوہ اکثر محدثین کے نزدیک ''لاباس بہ'' اور ''لیس بہ باس'' کے الفاظ ثقہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ پس جب یہ الفاظ کسی کے متعلق استعمال ہو تو اس کو ثقہ کہنا اکثر محدثین کا مذہب ہے پھر جس شخص کے متعلق صدوق کے الفاظ کہے گئے ہوں تو اس کو بدرجہ اولیٰ ثقہ کہنا درست ہوگا تفصیل کیلئے دیکھئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ص:۱۲۷، الرفع والتکمیل ص:۲۲۱ تا ۲۲۴، تعجیل المنفعۃ، ص:۱۴)

پس انور شاہ کشمیریؒ کا حجاج کو ثقہ کہنا بالکل بجا ہے اور ارشاد الحق اثری صاحب کا اس پر رد کرنا انکی نادانی ہے جو کہ واضح ہو چکی ہے۔

اشکال:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی مذکورہ عبارت میں علامہ ابن معین کے اس قول سے کہ: ''میں جب کسی کو ضعیف کہتا ہوں تو وہ ثقہ نہیں ہوتا ہے'' یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو علامہ ابن معینؒ نے حجاج کی توثیق کی ہے جبکہ دوسری طرف اسکو ضعیف بھی کہا ہے اور یہ تعارض ہے اور اذا تعارضا تساقطا کے اصول سے یہ توثیق ساقط الاعتبار ہے اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جواب:

علامہ عبدالحئی لکھنویؒ علامہ ابن معین کی جرح وتعدیل کا طرز بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مِنها ما قال عُثمانُ الدّارمیُّ سألتُ ابنَ معَین عنِ العلاءِ بن عبدالرحمٰنَ عنْ ابیه کَیفَ حدِیثهما فقال لیس به بأس فقلت هو أَحب الیکَ اَوْ سعید المقبری قال سعید اوثق والعلاء ضعیف. فهذا لم یرد به ابن معین ان العلاء ضعیف مطلقا بدلیل انه قال لا باس به وانما اراد انه ضعیف بالنسبة لسعید المقبری. وعلی هذا یحمل اکثر ماورد من الاختلاف فی کلام أئمة الجرح والتعدیل ممن وثق رجلا فی وقت وجرحه فی وقت ......الخ(الرفع والتکمیل، ص:۲۷)

ان میں سے یہ بھی ہے جو عثمان دارمی نے فرمایا ہے کہ میں نے ابن معینؒ سے علاء بن عبدالرحمٰن کہ وہ اپنے باپ سے راویت کرتا ہے کے بارے میں پوچھا کہ ان دونوں کا حدیث میں کیا حال ہے تو انہوں نے

فرمایا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر میں نے کہا کہ علاء بن عبدالرحمٰن آپ کو زیادہ پسند ہے یا سعید مقبری تو فرمایا کہ سعید مقبری اُس سے زیادہ ثقہ ہے اور علاء اسکے مقابلہ میں ضعیف ہے۔

پس اس سے ابن معین کی یہ مراد نہیں کہ علاء مطلقا ضعیف ہے کیونکہ اس سے پہلے ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے اور ان کا علاء کو ضعیف کہنے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ سعید کی بنسبت ضعیف ہے۔

پس اکثر ائمہ جرح والتعدیل کے اقوال کے اس اختلاف کو کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک راوی کی توثیق بھی کرتے ہیں اور تضعیف بھی اسی اصول پر محمول کیا جائیگا۔

فائدہ:

پس علامہ عبدالحئی لکھنویؒ کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ علامہ ابن معینؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ ایک ہی راوی کے متعلق توثیق بھی فرماتے ہیں اور اسے ضعیف بھی کہتے ہیں تو اس سے مراد اس راوی کی مطلقا تضعیف نہیں ہوتی بلکہ کسی دوسرے راوی کی بنسبت اسکو ضعیف فرماتے ہیں یہاں پر بھی ممکن ہے کہ حجاج بن نصیر کے متعلق بھی یہی معاملہ ہوا ہو ایک مرتبہ اسکی توثیق کی تو دوسری مرتبہ کسی اور راوی کی بنسبت اسکو ضعیف کہا تو ان کا یہ ضعیف فرمانا اس راوی کے مطلقا ضعف کی دلیل نہیں ہے۔

قولہ:

ارشادالحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

پس ابن معین کا حجاج کو صدوق کہنا محل نظر ہے اور خاص کر کہ جب اُس

نے اسکو ضعیف بھی کہا ہے۔

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

اسکا جواب مذکورہ اشکال اور اسکے جواب میں ہو چکا ہے اس پر غور کیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ علامہ ابن معینؒ کا حجاج کو ثقہ کہنا اس وقت محل نظر ہوسکتا تھا کہ وہ ان کی توثیق کرنے میں اکیلے ہوتے جبکہ یہاں پر تو علامہ ابن حبان، علامہ عجلی، علامہ ابن عدیؒ وغیرہ وغیرہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض ارشادالحق اثری صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

قولہ:

> انورشاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ ابن عدی نے حجاج کی منکر راویت (من حیث المتن) نہیں ذکر کی ہیں تو یہ بات کسی حال میں درست نہیں ہے جیسا کہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں چاہے یہ ذہبی کا قول ہو یا ابن عدی کا اور خود جب انورشاہ کشمیری نے یہ کہا کہ تفصیل ''تہذیب میں دیکھو'' تو گویا کہ انہوں نے خود اسکے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا دیا۔اھ

اعتراض کا جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ بات تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ علامہ ابن عدی اور علامہ ذہبیؒ کا حجاج کے متعلق یہ کہنا کہ وہ منکر

متن نہیں لاتا بالکل درست اور صحیح ہے اور یہی مذہب علامہ کشمیریؒ کا بھی ہے اور انہیں اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہے ''تہذیب کا حوالہ دینے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ اس کو خو دضعیف سمجھتا ہے جہالت کا ثبوت ہے اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ انور شاہ کشمیریؒ اس کو ضعیف سمجھتے ہیں اس لئے ''تہذیب'' کا حوالہ دے رہے ہیں یہ بات تو بالکل:

''تَوْجِيه القول بمالا يرضاه قائله به''

کسی کی بات کی اسکے مرضی کے خلاف توجیہ کرنیکا مصداق ہے۔

جوکہ قابل قبول نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر بقول ارشادالحق اثری صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ کہنا کہ: ''تفصیل تہذیب میں دیکھو'' انکے نزدیک اس کے ضعف کی دلیل ہے تو پھر ارشادالحق اثری صاحب کا حجاج بن نصیر کے متعلق منکر متن لانے کے دعویٰ میں یہ کہنا :

''هذا ليس موضع بسطها فانظرها هناک''

یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہے وہاں (یعنی ابن عدی میں) دیکھا جائے

بھی حجاج بن نصیر کے متعلق منکر متن لانے کے دعوی کے ضعف کی دلیل ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

چوتھا اعتراض:

قولہ:

اور اسی طرح انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا کہ: ''حجاج بن نصیر کے احادیث کی تخریج ابونعیم نے اپنے مستخرج میں بھی کی ہے جیسا کہ فتح الباری میں'' تو کیا ابونعیم کے مستخرج کا ہر راوی ثقہ ہے؟ یا وہ اپنے ہر مستخرج

میں اس اصل کی پیروی کرتا ہے؟ اور جب ایسا نہیں ہے تو پھر اس پر اعتماد کا کیا فائدہ ہے۔

اعتراض کا جواب:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

اسکا جواب بھی بالکل وہی ہے جوکہ ماقبل ترمذی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حجاج بن نصیر کی توثیق کیلئے ابونعیم کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ صرف اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حجاج بن نصیر سے ابونعیم نے بھی تخریج کی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حجاج بن نصیر کی ابو نعیم کی تخریج کی وجہ سے توثیق ہوگئی یہ بات ارشادالحق اثری صاحب جیسے صاحب الاوہام ہی کرسکتا ہے نہ کہ اہل علم۔ اور انور شاہ کشمیریؒ ارشادالحق اثری کی طرح صاحب الاوہام نہیں بلکہ وہ تو بحر ذخار تھے۔ پس انور شاہ کشمیریؒ کا ابونعیم کا حوالہ دینے کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ حجاج بن نصیر ایسا گرا پڑا راوی بھی نہیں ہے کہ اسکو بالکل ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

پانچواں اعتراض:

قولہ:

انور شاہ کشمیریؒ کا یہ کہنا کہ: ''امام احمد نے اپنی مسند میں حجاج بن نصیر کی راویت کی تخریج کی ہے، لیکن امام احمد نے خود اپنی مسند میں اپنے اس قول سے: ''اور اس سے کسی اور نے سماع نہیں کیا ہے'' اسکا حال بیان کیا ہے، اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جب احمد بن حسن نے امام احمد بن حنبل کے سامنے حجاج کی راویت بیان کی تو انہوں اس پر

انکار کیا۔ اور رہی بات مسند احمد بن حنبل کی تو انہوں نے اس میں بعض
متروک اور جھوٹے راویوں کی تخریج کی ہے مثال کے طور پر نضر بن
باب.........الخ۔ تو اسی وجہ سے حجاج بن نصیر کا مسند کے
رواۃ میں ہونا اس کی توثیق کو متضمن نہیں ہے۔ پس ماقبل کی تفصیل
سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے، قابل
احتجاج نہیں ہے ،اور اکثر محدثین نے اسکی تضعیف کی
ہے.........افسوس کہ جو کوشش اس راوی کی توثیق اور اسکی شان کے
بلند کرنے میں کشمیری نے کی ہے یہ اصول کی مخالفت پر مبنی ہے۔

اقول

میں کہتا ہوں کہ:

انور شاہ کشمیریؒ کا یہ فرمانا کہ حجاج بن نصیر کی حدیث کی تخریج مسند احمد میں بھی کی گئی ہے اسکا بھی وہی جواب ہے کہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ بات حجاج کی توثیق کیلئے نہیں فرمائی ہے بلکہ صرف اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ حجاج مسند احمد کا بھی راوی ہے اس بات سے حجاج کی توثیق صرف آپ جیسا وہمی ہی سمجھ سکتا ہے نہ کہ انور شاہ کشمیریؒ اور رہی بات امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کی کہ ''اس سے کسی اور نے سماع نہیں کیا ہے'' تو یہ حجاج کے مطلقاً ضعف پر دلیل نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں اسکی وضاحت ہو چکی ہے اور رہی یہ بات کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب احمد بن حسن نے حجاج کی راویت بیان کی تو انہوں اس پر انکار فرمایا۔ تو اسکی وضاحت بھی پہلے ہو چکی ہے کہ یہ انکار صرف حجاج کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس راویت میں معارک بن عباد اور سعید مقبری دو راوی بھی ضعیف تھے انکار کی وجہ ضعفاء کے جمع کی وجہ سے تھی نہ کہ فقط حجاج کی وجہ سے۔

قولہ: ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

پس ماقبل کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر
ضعیف راوی ہے، قابل احتجاج نہیں ہے، اور اکثر محدثین نے اسکی
تضعیف کی ہے۔

اقول: میں کہتا ہوں کہ:

حجاج بن نصیر کا درجہ حسان رواۃ کا ہے جیسا کہ ماقبل محدثین کی توثیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حجاج مختلف فیہ راوی ہے اور مختلف فیہ راوی کا درجہ ہمارے احناف اور دیگر محدثین کے نزدیک کم از کم حسن کا ہوتا ہے اگرچہ حسن لغیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے جب مسلم بن خالد زنجی اور یحییٰ بن نصر بن حاجب کے حدیث کی تحسین فرمادی ہے تو پھر حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر تو ان مذکورہ راویوں سے بہت بہتر ہیں پھر انکی حدیث کی تحسین کیونکر ممکن نہیں بلکہ حجاج بن نصیر حسن راوی ہے لہذا ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ حجاج بن نصیر ضعیف راوی ہے، قابل احتجاج نہیں ......درست نہیں ہے۔ مختلف فیہ حدیث اور مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے

(مقدمة الترغيب والترهيب، ج: ١، ص: ٣٠، نصب
الراية، ج: ١، ص: ٦٢، تدريب الراوى، ص: ٩١، مرقاة
الصعود، حاشيه ابو داود ج: ٢، ص: ٢٥٣)

حدیث میں عباد بن کثیر رملی یا بصری

اس نام کے دو راوی ہیں، ایک عباد بن کثیر بصری، اور دوسرا عباد بن کثیر رملی ہیں اور حجاج بن نصیر سے راویت کرنے والا راوی عباد بن کثیر رملی ہے نہ کہ بصری اسکی تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ

ہو:

علامہ یوسف بنوریؒ رقمطراز ہیں:

"وَأَمَّا عَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ فَهُوَ اثْنَانِ: رَمْلِيٌّ وَبَصْرِيٌّ، وَحَدِيْثُ الرَّمْلِيِّ أَصْلَحُ مِنْ حَدِيْثِ الْبَصْرِيِّ، وَوَثَّقَهُم بَعْضُهُمْ، وَ هُوَ ابْنُ مَعِيْنٍ كما فِي "التَّهْذِيبِ"......قَالَ الشيخُ: وَكُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ الرَّاوِيَ هُنَا الْأَوَّلُ لِقَرَائِنَ قَامَتْ عِنْدِيْ، وَقَالَ فِيْ "تَعْلِيْقَاتِهِ": الظَّاهِرُ أَنَّهُ عَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ الرَّمْلِيُّ لاَ الْبَصْرِيُّ لِتَأَخُّرِ وَفَاةِ الرَّمْلِيِّ، وَتَقَدُّمِ وَفَاةِ الْبَصْرِيِّ على وَفَاةِ الْفَسَاطِيطِيِّ بِنَحْوِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَ بَيْنَ وَفَاتِهِ وَوَفَاة الرَّمْلِيِّ نَحوَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً. اھ: قَالَ ثُمَّ رَأَيْتُ التَّصْرِيْحَ فِيْ كِتَابِ "كَشْفِ الْأَحْوَالِ فِي نَقْدِ الرِّجَالِ" (ص-۵۷) حَكَاهُ عَنْ "اللآلي الْمَصْنُوْعَةِ" لِلسُّيُوطِيِّ. بِأَنَّ عَبَّادَبْنَ كَثِيرٍ الَّذِي يَرْوِيْ عَنهُ حَجَّاجُ بْنُ نُصَيرٍ الْفَسَاطِيطِيُّ هُوَ الرَّمْلِيُّ. (معارف السنن، ج: ۴، ص: ۷۸

اوررہی بات عباد بن کثیر کی تو (اس نام کے) دوراوی ہیں: "ایک رملی ہے،اور دوسرا بصری ہے،اور رملی کی احادیث بصری کی احادیث سے زیادہ اچھی ہیں،اور بعض (محدثین نے) انکی توثیق کی ہے، وہ ابن معین ہیں جیسا کہ تہذیب میں ہے......اور شیخ (انورشاہ کشمیریؒ) نے کہا ہے کہ: "مجھے یہ یقین تھا کہ یہاں پرراوی پہلا (عبادرملی) ہے ان قرائن کی وجہ سے جو میرے پاس قائم ہو چکے ہیں،اور انہوں نے اپنی

"تعلیقات" میں فرمایا ہے کہ: "ظاہر تو یہی ہے کہ وہ عباد بن کثیر رملی ہے نہ کہ بصری، کیونکہ رملی کی وفات متاخر ہے اور بصری کی وفات حجاج الفساطیطی کے وفات سے ۶۰ سال مقدم ہے، اور عباد بن کثیر بصری اور رملی کے وفات کے درمیان تقریباً چالیس سال کا فاصلہ ہے۔اھ فرمایا کہ پھر میں نے اس بات کی تصریح "کشف الاحوال فی نقد الرجال" نامی کتاب میں دیکھی، جسکو "اللآلی المصنوعہ" جو کہ سیوطیؒ کی کتاب ہے" کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ: "حجاج بن نصیر الفساطیطی جس عباد بن کثیر سے روایت کرتا ہے وہ رملی ہے۔

فائدہ:

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عباد بن کثیر جن سے حجاج بن نصیر روایت کرتا ہے وہ رملی ہے تو آئندہ ہمارا کلام عباد بن کثیر رملی پر ہوگا اور انکی توثیق کرنے والے محدثین کا ذکر ہوگا۔

"عباد بن کثیر پر محدثین کا کلام"

پہلا کلام:

علامہ مزیؒ عباد بن کثیر رملی کے معلق رقمطراز ہیں:

"قَالَ أَبُوْبَكْرِبْنُ خَيْثَمَةَ عَنْ يَحْيىٰ بْنِ مَعِيْنٍ عَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ الرَّمْلِيُّ الخوَّاص ثِقَةٌ، وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدِ الدَّارِمِيُّ سَأَلْتُ يَحْيىٰ بْنَ مَعِينٍ عَنْ عَبَّادِبْنِ كَثِيْرٍ الرَّمْلِيِّ فَقَالَ ثِقَةٌ، وَقَالَ عَبدُاللهِ بْنِ أَحْمَدَ الدَّوْرَقِيُّ عَنْ يَحْيىٰ بْنَ مَعِيْنٍ عَبَّادُ بْنُ كثير بْنِ قَيسِ الرَّمَلِيُّ لَيْسَ بِهِ بَأْس وَقَالَ أَبُوْبَكْرِبْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ عَنْ

زِيَادِبْنِ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ كثير الشامىُّ وَكَانَ ثِقَةً.....الخ (تهذيب الكمال، ج: ١۴، ص: ١۵١، تهذيب التهذيب، ج: ۵، ص: ٨٩، الكامل، ج: ۴، ص: ٣٣٧. قلت وضعفه بعض كابى زرعة، والنسائى، وأبوحاتم، وعلى بن الحسن بن الجنيد الرازى. وأحمدُ بْنُ حنبل.

ابوبکر بن خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی الخواص کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، اور عثمان بن سعید الدارمی نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، اور عبداللہ بن أحمد الدورقیؒ نے یحییٰ بن معین سے عباد بن کثیر رملی کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ لاباس بہ ہے، اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے زیاد بن ربیع سے راویت کیا انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سامنے عباد بن کثیر شامی نے بیان کیا اور وہ ثقہ تھے۔

دوسرا کلام:

علامہ ابن عدیؒ عباد بن کثیر رملی کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَهُوَ خَيرٌ مِنْ عَبَّادِ البَصرىّ". (الكامل فى الضعفاء لابن عدى، ج: ۴، ص: ٣٣٧.

وہ (عباد بن کثیر رملی) عباد بن کثیر بصری سے بہت اچھا ہے۔

"خلاصہ بحث"

ان تمام تر مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دونوں حدیثوں میں ان الفاظ "ولا رکعتی الفجر" اور "الا رکعتی

الفجر" کی زیادتی راویوں کی طرف سے درج ہوئی ہے، پس راویوں کے تقابلی جائزے سے یہ بات طشت از بام ہوگئی کہ جب اس حدیث میں عباد بن کثیر رملی ہی ہے تو پھر اسکی حدیثیں عباد بن کثیر بصری سے بہت اچھی ہیں اور بعض محدثین نے انکی توثیق بھی کی ہے، تو پھر عباد بن کثیر مسلم بن خالد سے کم نہیں ہے، اور جب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ دونوں حدیثوں میں زیادتی رواۃ کی طرف سے درج شدہ ہے تو پھر یہ ان رواۃ کا اجتہاد ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ایک راوی نے "ولا رکعتی الفجر" سمجھا اور دوسرے نے "الا رکعتی الفجر" سمجھا، پھر جب دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حجاج بن نصیر یحییٰ بن نصرب بن حاجب سے بہت اچھا ہے تو اس لحاظ سے حجاج بن نصیر کی راویت کو ترجیح ہوگی۔ واللہ أعلم بالصواب علمہ اتم

اسکے علاوہ یہ تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ دونوں حدیثوں کے زائد جملے یعنی "الا رکعتی الفجر" اور "ولا رکعتی الفجر" مختلف واقعات پر محمول ہوں کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ نماز کھڑی ہونے کے بعد صفوں کیساتھ متصل ہی سنتیں پڑھ رہا ہو تو فرمایا "ولا رکعتی الفجر" یعنی یوں نماز نہ پڑھو اور کسی دوسرے موقع پر کسی کو دیکھا کہ وہ مسجد کے آخر میں یا باہر سنتیں پڑھ رہا ہے تو فرمایا ہو کہ "الا رکعتی الفجر" یعنی اس صورت میں اداء کر سکتے ہو۔

''باب سوم''

''نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کا جواز فقہاء احناف کی نظر میں''

(ا)......علامہ ابن نجیمؒ بحرالرائق میں رقمطراز ہیں:

''وَفِیْ الْخُلاصةِ: وَالسُّنَّةُ فِیْ رَکْعَتِیْ الْفَجْرِ ثَلاثٌ :أَحَدُهَا أَنْ یَقْرَأَ فِیْ الرَّکْعَةِ الأولی''قُلْ یٰاأیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ'' وَ فِیْ الثَّانِیَةِ ''الْأَخْلَاصَ''. وَ الثَّانِیَةُ أَنْ یَاْتِیَ بِهِمَا أَوَّلَ الْوَقْتِ. وَالثَّالِثَةُ أَنْ یَأْتِیَ بِهِمَا فِیْ بَیْتِهٖ وَ اِلَّا فَعَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ وَ اِلَّا فَفِیْ الْمَسْجِدِ الشَّتَوِیِّ اِنْ کَانَ الاِمَامُ فِیْ الصَّیْفِیِّ أَوْ عَکْسَهُ اِنْ کَانَ یَرْجُو اِدْرَاکَهُ،وَ اِنْ کَانَ الْمَسْجِدُ وَاحِداً یَأْتِیْ بِهِمَافِیْ نَاحِیَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ وَلَا یُصَلِّیْهِما مُخَالِطاً للصَّفِّ مخالفاً للجَمَاعَةِ......الخ. (البحر الرائق ، ج:۲ ،ص:۸۵،رشیدیه .

اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ سنت فجر کی ادئیگی میں تین کام کرنا سنت ہیں: ایک یہ کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھ لے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص ۔ دوسری یہ کہ سنتیں پہلے وقت میں پڑھیں۔تیسری یہ کہ سنتیں گھر میں پڑھے اور یا مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے یا اگر وہاں جگہ نہ ہو تو مسجد شتوی میں پڑھے اگر امام مسجد صیفی میں ہو اور یا اسکے برعکس کرے اور یہ اُس وقت ہے کہ وہ سنتیں

پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو سکے، اور اگر مسجد کا ایک ہی حصہ ہو تو مسجد کے کسی کونے میں سنتیں پڑھ لیں اور صف کیساتھ مل کر فرض نماز کی جماعت کی مخالفت کرتے ہوئے سنتیں نہیں پڑھے گا۔

فائدہ:

اس عبارت میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں: ایک تو یہ کہ مسجد شتوی اور صیفی سے کیا مراد ہے؟ دوسرا یہ کہ ''صفوں کے متصل و جماعت کے مخالف سنت فجر نہ پڑھنے '' کا کیا مطلب ہے؟۔ مسجد شتوی و صیفی سے مراد یہ ہے کہ بعض مساجد میں گرمی اور سردی میں نماز پڑھنے کی الگ الگ جگہ مقرر ہوتی ہیں سردیوں میں جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے اسکو عربی میں ''مسجد شتوی'' کہتے ہیں، اور گرمی میں جس جگہ نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اسکو ''مسجد صیفی'' کہتے ہیں، جب ''شتوی'' اور ''صیفی'' کو سمجھ چکے تو اب بات کا سمجھنا آسان ہو جائے گا، اس عبارت سے علامہ ابن نجیمؒ کا مطلب یہ ہے کہ امام جہاں پر جماعت کی نماز پڑھا رہا ہوں وہ جگہ اگر ''مسجد شتوی ہو'' تو پھر سنت فجر کو ''مسجد صیفی میں اداء کرنا چاہئے، اور اسی طرح اسکے برعکس۔

اب رہی دوسری بات صفوں کے متصل پڑھنے کی ممانعت کی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر نماز باجماعت ہو رہی ہے انکے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر سنت فجر نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ سخت مکروہ ہے اس وجہ سے کہ اس سے فرض و سنت نماز میں التباس پیدا ہوتا ہے اور جس سے جماعت کی نماز کی مخالفت لازم آتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

(۲)......علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں:

''(وَاذا خَافَ فَوتَ)رکعتی (الْفَجْرِلاشْتِغَالِهٖ بِسُنَّتِهَا

تَرَکَهَا)لِکَوْنِ الْجَمَاعة أَکْمَلُ (والَّا)بأَنْ رَجَا اِدْرَاکَ رَکْعَةٍ فِیْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ.وَقِیل :التشهد،وَاْعتَمَدَهُ المصنِفُ والشُرُنْبُلالِیُّ تَبْعًا لِلْبَحْرِ لٰکِنْ ضَعَّفَهُ فِی" النهر" (لا)یترکُهابل یُصَلِّیهَا عند با ب الْمَسْجِدِ اِنْ وجَدَ مَکَاناً وَالَّا تَرَکَهَا ،لأَنْ تَرْکَ الْمَکْرُوه مقدمٌ علی فعل السنَّةِ.(الدر المختار مع رد المحتار، ج: ۲ ص: ۶۱۸)

سنت فجر میں مشغول ہونے سے جب نماز فجر کے فوت ہونے کا خوف ہوتو سنت فجر کو نہ پڑھے کیونکہ جماعت کیساتھ شامل ہونا زیادہ بہتر ہے اور ظاہر مذہب کے مطابق اگر ایک رکعت پانے کی بھی امید ہو(اور محققین کے نزدیک)اگر تشہد پانے کی امید ہوتو سنت فجر کو پڑھے اسی قول پر مصنف (علامہ تُمر تاشیؒ)اور علامہ شرنبلالیؒ نے صاحب بحر کی اتباع میں اعتماد کیا ہے لیکن ''نہر فائق'' میں اس قول کو ضعیف کہا گیا ہے، پھر جب ایک رکعت کے پانے کی امید قوی ہوتو سنت فجر کو نہ چھوڑے بلکہ مسجد کے دروازہ کے پاس اگر پڑھنے کی جگہ ہو پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے کیونکہ مکروہ کا چھوڑنا فعل سنت سے مقدم ہے۔

(۳)......ملتقی الابحر مع مجمع الانہر میں ہے:

''وَمَنْ خَافَ فَوْتَ الفَجْرِ بجمَاعَةٍ انْ أَدَّی سُنَّتَهُ یَتْرُکُهَا)أَیْ السُّنَّةَ(وَیَقْتَدِیْ) لأَنَّ ثَوابَ الْجَمَاعَةِ أَعْظَمُ مِنْ ثَوابِ السُّنَّةِ.........(وَانْ رجَا اِدْرَاکَ رَکْعَةٍ) مِنَ الْفَرْضِ مَعَ

لاِمَامِ(عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ) وَاِنْ لَمْ یُمْکِنْهُ صلَّاها فِی الشَّتَوِیِّ اِذا کَان الاِمَامُ فِی الصَیفِیِّ وَبالعکس فی العَکْسِ وَ کُرِهَ خلْفَ الصَّفِّ بلاَ حَائِلٍ وَ أشدُّ ها کَراهَةً انْ یُصَلِّیَ فِی الصَّفِّ مُخَالِفًالِلجَمَاعَةِ(وَیَقْتَدِیْ) بَعْدَ ذلک بالامام.(مجمع الانهر کتاب الصلاة باب ادارک الفریة، ج: ا ص: ۴۴۸)

جس شخص کو سنت فجر پڑھتے ہوئے جماعت کیساتھ نماز فجر کے فوت ہونے کا خوف ہوتو وہ سنتیں چھوڑ دے اور امام کی اقتداء کرے کیونکہ جماعت کی نماز کا ثواب سنت کے ثواب سے زیادہ ہے ......اور اگر امام کیساتھ فرض نماز کی ایک رکعت ملنے کی امید ہوتو پھر مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھ لے اور اگر وہاں پڑھنا ممکن نہ ہوتو مسجد شتوی میں پڑھے جبکہ امام مسجد صیفی میں نماز پڑھا رہا ہو اور اسکے عکس میں عکس کیساتھ،اور صف کے پیچھے بغیر حائل کے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے ،اور سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے کہ صف میں شامل ہوکر جماعت کی مخالفت میں سنتیں پڑھے، پھر اسکے بعد امام کی اقتداء کرے۔

(۴)......علامہ شامیؒ ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

''وَالْحَاصِلُ :أَنَّ السُّنَّةَ فِیْ سُنَّة الفجرِ أنْ یأْتِیَ بِها فِیْ بیتِهِ، وَالَّا فِانْ کَانَ عند باب المسجد مکان صلَّاها فیه والَّا صلَّاهَا فِیْ الشَّتَوِیِّ أو الصَیفیِّ اِنْ کَان لِلْمَسْجد مَوضعَان، والَّا فَخَلف الصُّفُوف عِند سَارِیة،لکنْ فِیْمَا اذا کَانَ

لِلمَسْجِد مَوضعَانِ وَالاَمَامُ فِیْ اَحَدِهما،ذکرَ فِیْ الْمُحِیط اَنَّهٗ قِیْل لا یَکْرَهُ لِعَدْمِ مُخَالفَةِ القَومِ، وَقیل یکرهُ،لأنَّهُما کَمَکان واحد،قَال فاذااختلف المَشایِخُ فِیه فالافضلُ اَنْ لایفْعَل.قَال فِیْ ''النهر'':وَفیه اِفَادَة''أنَّها تَنْزِیْهِیَّة''اه.لکن فی الحلیة قُلتُ:وعدم الکراهةِ أوجه؛ للآثار التی ذکرناها.(رد المحتار ج: ۲ص:۶۱۸،)

اورحاصل یہ ہے کہ سنت فجر پڑھنے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ سنتیں گھر میں پڑھے ورنہ اگر مسجد کے دروازے کے پاس جگہ ہو تو وہاں پڑھ لے اگر وہاں جگہ نہ ہو تو اگر مسجد کے دو حصہ ہیں تو مسجد شتوی یا صیفی میں پڑھ لے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مسجد کے اندر صف کے پیچھے کسی ستون کی آڑ میں پڑھ لے اور یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے کہ مسجد کے دو حصے ہوں اور امام کسی ایک حصہ میں ہو،''محیط''میں ہے کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں سنتیں پڑھنا مکروہ نہیں ہے نمازیوں کیساتھ عدم مخالفت کی وجہ سے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک ہی مکان ہے،فرمایا کہ جب مشائخ کا اس میں اختلاف ہے تو پھر اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے۔''نہر''نامی کتاب میں فرمایا ہے کہ اس قول میں یہ فائدہ بھی سامنے آیا کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔لیکن''حلیہ''نامی کتاب میں ہے میں کہتا ہوں کہ عدم کراہت ہی زیادہ بہتر ہے ان آثار کی بنا پر کہ جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(۵)......علامہ سرخسیؒ المبسوط میں فرماتے ہیں:

''قَال(وَاِذا أخَذَالْمُؤَذن فِیْ الاقَامة کَرِهْتُ للرَّجُلِ اَنْ یتَطَوعَ لقَولهٖ صلیَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ وسلَّمَ''اِذا اُقِیْمَتِ الصَّلاةُ فَلا صلاةَ الَّا الْمَکْتُوْبَةُ'' الَّا رکعَتَیْ الْفَجْر فَاِنِّیْ لَمْ اُکْرَهْهُمَا)وَکذلکَ اِذَا انتهیَ اِلیٰ الْمَسْجدِ وَقَدْ افْتَتَحَ القَومُ صلاةَ الْفَجْرِ یأْتِیْ بِرَکعَتَی الْفَجْرِ اِنْ رَجَا اَنْ یُدْرِکَ مَع الاِمَامِ رَکْعَةً فِیْ الجَماعةِ.........وَاِنْ خَافَ فَوت الجَمَاعةِ دَخلَ مَعَ الْقَوم،لأنَّ اداء الصلاةِبِالجماعةِ مِنْ سنن الْهُدیٰ(المبسوط کتاب الصلاة،الفصل الثانی القنوت فی الوتر،ج:۱،ص:۴۸۷)

فرمایا کہ(جب مؤذن اقامت شروع کردیں تو میں رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے''،میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص سنن ونوافل میں مشغول ہو جائے سوائے سنت فجر کے کہ میں انہیں پڑھنا مکروہ نہیں جانتا اور اسی طرح جب کوئی شخص ایسے وقت مسجد پہنچے کہ لوگ امام کیساتھ فرض نماز میں مشغول ہو چکے ہوں وہ سنت فجر پڑھے گا جبکہ اسے امام کے ساتھ ایک رکعت پانے کی قوی امید ہو......اور اگر اسے جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پھر فرض نماز میں لوگوں کیساتھ شامل ہو جائے کیونکہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنا سنن ھدیٰ میں سے ہے۔

(۶)......عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"وَاَمَّا اَنَّهُ يُصَلِّىْ عِنْدَ بَابِ الْمَسجِد فِلِاَنَّهُ لَوْ صلاَّهُمَا فِىْ الْمَسْجِدِ كَانَ مُتَنَفِّلاً فِيْه عِنْدَ اشْتِغَالِ الاِمَامِ بِالفَرِيْضة وَ هُوَ مَكْرُوه، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِد مَوضع للصَّلاةِ يُصَلِّيْهِمَا فِىْ الْمَسجِدِ خَلفَ سَارِيَةٍ مِنْ سَوارى الْمَسجدِ، واَشَدُّهَا كَرَاهَةً اَنْ يُصَلِّيهما مُخالطًا للصفّ وُ مُخَالفا للامامِ و الجمَاعةِ......الخ(العناية شرح الهداية، باب ادارك الفريضة، ج: ١، ص: ٢٥٠)

(کوئی شخص اگر ایسے وقت مسجد پہنچا کہ لوگ نماز فجر میں مشغول ہو چکے ہوتو ایسی صورت میں مسجد آنے والا شخص) مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھے گا کیونکہ ایسی حالت میں اگر وہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھے گا تو یہ فرض نماز کے وقت سنتوں میں مشغول ہوگا اور یہ مکروہ ہے ،اگر مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھنے کی جگہ نہ ہوتو پھر وہ مسجد میں کسی ستون کی آڑ میں سنتیں پڑھے گا ،اور سب سے زیادہ کراہت ایسی صورت میں ہے کہ سنتیں فرض نماز کی صفوں میں مل کر پڑھی جائیں اور امام اور جماعت کی مخالفت میں پڑھی جائیں۔

باب چہارم

نماز فجر کے قیام کے وقت مسجد میں سنت فجر پڑھنے کا حکم فقہاء عصر کے فتاوی کی رشنی میں

پہلا فتوی:

"فقیہ العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ"

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جب تکبیر نماز فرض فجر کی ہوگئی اور امام نے فرض نماز شروع کردی تو سنت فجر کی صف کے پاس پڑھنا تو سب کے نزدیک مکرہ تحریمہ ہے مگر صف سے دور جہاں پردہ ہو امام و جماعت سے دوسرے مکان میں اگر ایک رکعت نماز کی امام کے ساتھ مل سکے تو سنت پڑھ کر پھر شریک جماعت کا ہو جاوے ورنہ سنت کو ترک کردے۔ جماعت میں شریک ہو جاوے اور پھر سنت کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لیوے بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور قبل طلوع آفتاب کے بعد فرض کے سنت کا پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے......الخ۔ فقط (فتاوی رشیدیہ، کتاب الصلوٰۃ، ص: ۲۵۸)

دوسرا فتوی:

"مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دھلویؒ"

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد علیحدہ مقام میں جا کر پڑھی جائیں اور علیحدہ کوئی جگہ

نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے اور جماعت کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نہیں پڑھنا چاہئے آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ لی جائیں تو بہتر ہے۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد کسی علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرنے کا اتنا موقع مل جائے کہ سنت ادا کر کے فرض ایک رکعت مل سکے گی تو سنتیں ادا کر کے جماعت میں شریک ہو اور اگر کوئی علیحدہ جگہ میسر نہ ہو یا ایک رکعت فرض ملنے کی امید نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے سورج نکلنے کے بعد چاہے تو پڑھ لے۔

(کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، ج:۳ص:۳۱۰/۳۱۱)

تیسرا فتوی:

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ''

آپ سے کسی نے نماز فجر کے اقامت کے وقت سنتیں پڑھنے کے متعلق پوچھا تو جواب میں فرمایا کہ: ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو وہاں پڑھ لے......الخ

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنتیں نہ چھوڑے......الخ

(امداد الفتاوی، کتاب الصلوۃ، باب النوافل، ج:۲،ص:۳۶۵)

چوتھا فتوی:

کشف الغرر عن سنة الفجر   سنت فجر عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

''مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ''

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

یہ صحیح ہے کہ اگر فرض با جماعت فجر کی ایک رکعت بلکہ عند المحققین تشہد بھی مل سکے تو علیحدہ ہو کر سنتیں ادا کر کے پھر شامل جماعت ہو جاوے وکذا فی الدر المختار والشامی اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ فجر کے فرضوں کی جماعت شروع ہونے کے بعد مطلقا سنتیں صبح کی پڑھنی حرام ہیں وہ حنفی نہیں ہیں اور ان کو مذہب حنفی کی خبر نہیں ہے۔ حنفیہ کا یہی مذہب ہے کہ سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہو مگر حتی الوسع جماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھے والتفصیل فی کتب الفقہ۔

ایک سوال میں آپ سے پوچھا گیا کہ صبح کی نماز میں امام کی قراۃ کی آواز سنائی دے رہی ہو تو سنتیں کیونکر پڑھی جائیں تو جواب میں فرمایا کہ:

آواز آنے نہ آنے کی قید نہیں ہے صرف مکان علیحدہ ہونا چاہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، ج:۴،ص:۱۵۵/۱۵۷)

پانچواں فتوی:

''محدث کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ''

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فقہاء کرام نے مسجد میں سنت فجر کو (جماعت کے قیام کے دوران) مکروہ لکھا ہے مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ سنت نہ پڑھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب حائل وغیرہ ہو تو پڑھے معلوم ہوا یہ اہون البلیتین ہے اور بہ نسبت ترک (اور مخالطت) کے افضل ہے۔

چھٹا فتوی:

''فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ''

ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فقہ حنفی کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جماعت کی دوسری رکعت (بلکہ تشہد بھی) مل جانے کی توقع ہو تو کسی الگ جگہ پر فجر کی سنتیں پہلے ادا کرے، تب جماعت میں شریک ہو، ورنہ جماعت میں شریک ہو جائے اور سنتیں سورج نکلنے کے بعد اشراق کے وقت پڑھے فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل نماز ممنوع ہے، البتہ قضا نمازیں، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۲، ص:۴۷۵، قدیم)

ساتھواں فتوی:

''شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی''

حضرت سنت فجر عندالاقامت کے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں:

فجر کی سنتوں کے بارے میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ گھر میں ادا کر کے مسجد جائیں۔ اور اگر گھر میں پڑھے بغیر مسجد پہنچ جائیں تو جب تک جماعت کی رکعت، بلکہ تشہد مل سکتا ہو، فجر کی سنتیں دور ہٹ کر کسی مقام پر پڑھ لینا جائز ہے خواہ جماعت شروع ہو چکی ہو، لیکن اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہو گیا تو پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تنہا سنتوں کی قضاء نہیں ہے.....الخ (فتاوی عثمانی، ج:۱، ص:۴۳۱)

''باب پنجم''

نماز فجر کے بعد فجر کی سنتیں و دیگر نوافل پڑھنے کی ممانعت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

پہلی حدیث:

''عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ. أخرجه مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التى نهى عن الصلاة فيها، ج:۲، ص:۹۰، رقم الحديث:[۱۸۷۰]. أخرجه البخارى، كتاب مواقيت الصلاة، باب، الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، ج:۱، ص:۲۱۱.

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اسی طرح نماز فجر کے بعد بھی طلوع شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حدیث:

"وَعَنْ ابنِ عبَاس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَال :"سَمِعْتُ غَیْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنْھُم عُمَرُبن الخطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَانَ أَحبُّھُمْ الیَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَھی عَنِ الصَّلاۃِ بَعدَ الفَجْرِ حتیٰ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وبَعَدَ العَصْرِ حتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ .(أخرجہ مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین،باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، ج: ۲،ص: ۹۰،رقم الحدیث:[۱۸۷۱].و البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب ،الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ج: ۱،ص: ۲۱۲.

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ سے راویت ہے کہ:"میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کئی صحابہ سے سنا ہے جن میں عمر بن خطابؓ بھی شامل ہیں جو کہ اُن سب میں مجھ کو زیادہ محبوب ہیں ،انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ،اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

تشریح:

امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ طلوع فجر کے بعد طلوع شمس تک اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نوافل وغیرہ پڑھنا منع ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے،اور یہی قول حسن بصریؒ سعید بن المسیبؒ علاء بن زیاد حمید بن عبد الرحمٰنؒ سے بھی منقول ہے اور امام نخعیؒ

کشف الغرر عن سنۃ الفجر — سنت فجر عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

نے فرمایا کہ وہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے اور یہی مذہب صحابہؓ کی ایک جماعت کا بھی ہے ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمرؓ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے والوں کو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں مارا کرتے تھے اور ان پر کسی صحابی نے نکیر نہیں فرمائی یعنی ان کو منع نہیں کیا پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز عصر کے بعد رسول ﷺ سے جو نوافل پڑھنا ثابت ہے وہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو اسکی اجازت نہیں ہے۔ہاں طلوع فجر کے بعد صرف اور صرف سنت فجر پڑھنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ اور کسی قسم کے نوافل میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

تیسری حدیث:

"وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الخُدرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :"لا صَلاۃَ بعدَصَلاۃِالعَصرِ حتّٰی تَغْرُبَ الشَّمسُ،ولا بَعدَ صَلاۃِ الفَجْرِ حتّٰی تَطْلُع الشَمسُ".أخرجہ مسلم :کتاب صلاۃ المسافرین،باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، ج: ۲،ص: ۹۰،رقم الحدیث:[۱۸۷۲].أخرجہ البخاری ، کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب لایتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، ج: ۱،ص: ۲۱۲.رقم:[۵۶۱]

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''عصر کی نماز کے بعد غروب شمس تک ،اور فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھے۔

تشریح:

اس حدیث کے معنی میں محدثین کا اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ''لاصلوٰۃ'' میں کلمہ لانفی جنس کیلئے ہے جسکا معنی یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے نہ فرض نہ نفل اور نہ ہی سنت ۔اور بعض دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث میں نفی نہی کے معنی میں ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز نہ پڑھو پھر اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نہی تحریم کیلئے ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز پڑھنا حرام ہے یا یہ نہی کراہت کیلئے ہے کہ نماز فجر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نہی یعنی منع کراہت کیلئے ہے اور ہمارے اصحاب یعنی احناف کا مذہب یہ ہے کہ حدیث میں نفی نہی کے معنی میں ہے اور نماز فجر اور عصر کے بعد ہمارے نزدیک قضاء نمازیں ،سجدہ تلاوت ،نماز جنازہ وغیرہ پڑھ سکتے ہیں نوافل اور سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ یوسف بنوریؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

حدیث ''لاصلاۃ بعد الصبح ......الخ علامہ طحاویؒ اور ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے ،اور متاخرین میں سے علامہ مناویؒ نے جیسا کہ ''فتح الملھم'' میں اس کے تواتر کا دعوی کیا گیا ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ (ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ سے متواتر احادیث پہنچی ہیں ۔(معارف السنن، ج:۲،ص:۱۲۱)

چوتھی حدیث:

'' وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (.أخرجه الترمذی ،ابواب الصلاة،باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس ج:٢،ص:٢٨٧،)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے سنت فجر (نماز فجر سے پہلے) نہ پڑھی ہوتو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے۔

تشریح:

اس حدیث میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ آپ ﷺ سے اگر دو رکعتیں سنت کی رہ جاتیں تو اسے طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لیتے تھے ،اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا مکروہ ہے تو اگر فجر کی نماز سے لیکر طلوع آفتاب تک ان دو رکعتوں کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ مؤخر کر کے پڑھنے کا حکم نہ فرماتے ۔(اعلاء السنن، ج:۷،ص:۱۱۶)

پانچویں حدیث:

وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ مَا أَضْحَى. (أخرجه ابن أبی شیبة : كتاب الصلاة ،باب فی ركعتی الفجر اذافاتته، ج:٢،ص:٥٩،)

ترجمہ:

حضرت نافعؒ نے ابن عمرؓ سے راویت کیا ہے کہ وہ سنت فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

”وَعَنْ عَمْرِو بنِ عَبْسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلتُ: يَانَبِيَ اللّٰهِ، أَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلاةِ، قَالَ: ”صَلِّ صَلاةَ الصُّبْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاةِ حتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَرْتَفِعَ، فَانَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الكُفَّارُ، ثُمَّ صَلِّ فَانَّ الصَّلاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِلُّ بَالرُّمْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاةِ فِانَّ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ، فَاذا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَانَّ الصَّلاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حتّٰى تُصَلِّي العَصْرَ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاةِ حتّٰى تَغْرُبَ فَانَّهَا، تَغْرُبُ بِينَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ“. (رواه أحمد ومسلم وآخرونَ. اثار السنن، ص: ٢٧١). أخرجه مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الاوقات التي نهى عنِ الصلاة فيها. ج: ١، ص: ٥٢٧، دار احياء التراث)

ترجمہ:

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ”یا نبی اللہ“! اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے (وقت) کے بارے میں

بتادیجئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”صبح کی نماز پڑھ کر پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر خوب بلند وروشن ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں، پھر (سورج کے خوب روشن ہونے) کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کے نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور نماز (مقبولیت اور رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہوتی ہے) یہاں تک کہ سایہ نیزہ کے برابر گھٹ جائے (یعنی مشرق ومغرب کی طرف مائل نہ رہے)، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم خوب دھکائی جاتی ہے، پس جب سایہ مشرق کی طرف نمودار ہو جائے، تو پھر نماز پڑھو کیونکہ اس وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں“

تشریح:

اس حدیث شریف میں اوقات مکروہہ میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان اوقات میں شیطان کی عبادت کی جاتی ہے تو اسکی مشابہت سے منع کیا گیا ہے، اس حدیث میں ہے کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اسکا مطلب بیان کرنے کیلئے امام نوویؒ نے کئی توجیہات پیش کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

شیطان کے سینگوں سے مراد شیطان کا لشکر اور اسکے اتباع کرنے والے ہیں۔ اس سے مراد

شیطان کی قوت، غلبہ اور اسکا فساد وانتشار ہے۔ سینگوں سے مراد شیطان کے سر کے دونوں کونے ہیں اور یہ اپنے ظاہر پر اور قوی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان ان اوقات میں اپنا سر سورج کے قریب کر دیتا ہے تاکہ سورج کو سجدہ کرنے والے کفار گویا کہ اسکو سجدہ کر رہے ہیں اور اس وقت شیطان اور اسکی اولاد کا تسلط ظاہر ہوتا ہے تاکہ یہ نمازیوں کے نماز میں التباس ڈالدے تو اسی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے کو اس التباس سے بچنے کے لئے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے جو جگہ شیاطین کے ٹھکانے ہوتے ہیں۔ (شرح مسلم نووی، ج:۶، ص:۱۱۲)

"خلاصہ باب"

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ نے ان احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ نماز فجر کے بعد نوافل (جسمیں سنت فجر بھی داخل ہے) پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اور اسی طرح عصر کی نماز کے بعد بھی (نوافل پڑھنا مکروہ ہے) یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، اور یہی قول حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ، علاء بن زیادؒ، حمید بن عبد الرحمٰنؒ سے منقول ہے اور امام نخعیؒ نے فرمایا کہ وہ (ان اوقات میں نوافل پڑھنے کو) مکروہ سمجھتے تھے، اور اسی طرح صحابہؓ کی جماعت سے بھی منقول ہے، ابن بطال نے فرمایا ہے کہ ان اوقات (نماز فجر اور عصر کے بعد) نوافل پڑھنے کی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث منقول ہیں، اور عمرؓ تو اس شخص کو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں مارتے تھے جو شخص نماز عصر کے بعد نوافل پڑھتا اور کسی نے بھی آپؓ پر نکیر نہیں فرمائی پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ کا نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا آپ ﷺ کی خصوصیت تھی امت کو اسکی اجازت نہیں ہے، اور اسکو مندرجہ ذیل صحابہ کرام بھی

مکروہ جانتے تھے۔

علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، سمرہ بن جندبؓ، زید بن ثابتؓ، سلمہ بن عمروؓ، کعب بن مرہؓ، ابو امامہؓ، عمر بن عبسہؓ، عائشہ صدیقہؓ، صنابحیؓ جسکا نام عبد الرحمٰن بن عسیلہ ہے، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، وغیر ذلک۔

فوائد ابی شیخ میں ہے کہ حذیفہؓ نے ایک شخص کو عصر کے بعد نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے منع کیا اس شخص نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ مجھے نفل پڑھنے پر عذاب دیگا؟ حذیفہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے خلاف سنت کرنے پر عذاب دیگا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جب دو حدیثیں آپس میں ایک چیز کی حرمت واباحت میں متعارض ہوں تو ترجیح حرمت کے پہلو کو ہوگی۔ علامہ عینیؒ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"اِستَقَرَّتِ القَاعِدَةُ أَنَّ المُبِيحَ وَ الحَاظِرَ اذا تعَارَضا جُعِلَ الحَاظِرُ مُتأَخِّراً. عمدة القاری، ج:۵، ص:۷۸، معارف السنن، ج:۲، ص:۱۲۱.

یہی بات علامہ حلبیؒ نے کبیری میں لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:

"أَنَّ المُحرِمَ مُقَدَّمٌ علی المُبِيحِ عِندَ التّعارُض" غنیة المتملی شرح منية المصلی المعروف بحلبی کبیری، ص:۲۰۹.

تعارض کے وقت محرم مبیح پر مقدم ہوگا۔

پس اسی قاعدہ کی بنیاد پر علماء احناف حرمت کے پہلو کو از روئے احتیاط ترجیح دیتے ہیں اور سنت فجر پڑھنے سے ان اوقات میں منع کرتے ہیں، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فقہاء احناف کا ایک دوسرا قاعدہ ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہوتی ہے، سنت فجر پڑھنے میں نفع تو ہے کہ

ثواب ملتا ہے ،لیکن اگر یہی سنت اوقات مکروہہ میں پڑھیں جائیں تو پھر نقصان ہی ہے کہ کراہت تحریمی کا ارتکاب لازم آتا ہے تو اس لحاظ سے نفع کے حصول سے نقصان کا دفع کرنا اولیٰ ہوگا ،اور یہ بھی عوام کے نزدیک ہے کہ سنتیں پڑھنے میں ان اوقات میں ثواب سمجھتے ہیں۔ ورنہ اوقات مکروہا میں نماز پڑھنے میں تو نفع ہے بھی نہیں کراہت ہی کراہت ہے سنت فجر کا ثواب تو اول وقت میں پڑھنے ہی سے ملے گا ،اور زوال سے پہلے فرض کیساتھ اگر قضاء ہوگئی ہو نہ کہ اوقات مکروہہ میں پڑھنے سے۔

اور بعض فقہاء کرام سے جو یہ منقول ہیں کہ عوام کو مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا جائے گا تو اس کا تعلق فرائض کیساتھ ہے کہ فرائض پڑھنے سے ان کو منع نہیں کیا جائیگا کیونکہ پھر وہ سستی کی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں جو کہ بڑی مصیبت ہے اور مکروہ وقت میں نماز پڑھنا چھوٹی مصیبت ہے پس اہون البلیتین پر عمل کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

"باب ششم"

نماز فجر کے بعد سنت فجر و دیگر نوافل پڑھنے کا حکم

فقہاء احناف کی نظر میں

(۱)......شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

"(و) یَکرَہُ التَّنفّلُ (بعْدَ صَلاتِہِ) اَیْ فَرْضِ الصُّبْحِ (و) یَکرَہ التنفُّلُ (بعْدَ صلاۃِ) فرض (الْعَصْرِ) وَاِنْ لَمْ تَتَغیّرِ الشَّمسُ......الخ وقَال الطَّحطاویُّ علیٰ حاشِیَّتھا:"قولہ (بَعْدَ صلاتِہِ)أیْ فَرْضِ الصُّبْحِ وَلَوْ سُنَّۃً سَواءٌ تَرَکَھا بِعُذرٍ أوْ بِدُوْنِہِ.

اور مکروہ ہے نفل پڑھنا اسکے نماز کے بعد یعنی صبح کے فرض کے بعد اور اسی طرح مکروہ ہے نفل پڑھنا نماز عصر کے فرض کے بعد اگرچہ آفتاب میں تغیر نہ ہوا ہو......اور علامہ طحطاویؒ نے اسکے حاشیہ پر لکھا ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ صبح کی فرض کے بعد (یعنی صبح کی فرض کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے)اگرچہ سنت فجر ہی کیوں نہ ہو برابر ہے کہ عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی ہوں یا بغیر عذر کے ۔(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۱۸۸)

(۲)......علامہ شیخ ابراہیم حلبیؒ غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

(وَهُمَا)ای الْوَقْتَانِ الْمَذْکُوران(مَابَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ اِلیٰ اَن تَرْتَفِعَ الشَّمْس)فَاِنَّهُ يُکْرَه فِیْ هذاالوَقت النَّوافل کُلَّهَا(اِلاَّسُنَّةَ الْفَجْرِ)لِمَا رُوِیَ مُسلم عَنْ حَفصة قَالَتْ کَانَ رَسُول اللّٰهِ ﷺ اِذا طَلَعَ الفَجرُ لاَيُصَلِّیْ اِلاَّ رکعتين خَفِيفَتَينِ......الخ(وَمَا بَعْدَ صَلاةِالْعَصرِ اِلیٰ غُروبِ الشَّمَس)......الخ

اور وہ دومکروہ اوقات جنکا ذکر ہو چکا ہے (کہ ان وقات میں صرف نوافل پڑھنا ممنوع ہے) وہ طلوع فجر سے لیکر طلوع شمس تک کا وقت ہے) کہ اس وقت تمام نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے (سوائے سنت فجر کے) کیونکہ امام مسلم نے حضرت حفصہؓ کی راویت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب صبح صادق نکل آتی تو رسول اللہ ﷺ صرف دوہلکی سی رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔(اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک)......الخ (غنیۃ المتملی ص:۲۰۹)

(۳)......علامہ ابن نجیمؒ بحرالرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

”قَولُه(وَعَنِ التَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلاةِ الْفَجْرِ وَالْعَصرِ لاَ عَنْ قَضَاء فَائتةٍ وَسجدةِ تلاوَةٍ وصَلاةِ جنازَةٍ)أیْ مُنِع عَنِ التَّنَفُّلِ فِیْ هذَيْنِ الْوَقتَينِ قَصداً لاَ عَنْ غَيْرِهِ......الخ

اور ماتن کا یہ کہنا (اور منع کیا گیا ہے نماز فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے نہ کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء سے اور سجدۂ تلاوت سے اور نماز جنازہ سے)یعنی ان دووقتوں میں صرف نوافل وغیرہ سے قصدا

منع کیا گیا ہے نہ کہ دیگر نمازوں (یعنی فرائض ، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ وغیرہ سے۔(بحرالرائق ،ج:۱ص:۴۳۷،رشیدیہ)

(۴)......علامہ سرخسیؒ المبسوط میں اوقات مکروہا پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وَوَقْتَانِ آخرانِ مَابَعْدَ الْعَصْرِ قَبْلَ تَغَيُّرِ الشَّمْسِ وَمَابَعْدَ صَلاةِ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ)فَانَّهُ لاَيُصَلِّیْ فِيهِمَا شَیْءٌ مِنَ النَّوافِلِ............وَلٰکِنْ يَجُوزُ أداءُ الفَرِيْضَةِ فِیْ هذَيْنِ الْوَقْتَينِ وَکَذٰلِکَ الصَّلاةُ علیٰ الجَنازَةِ وَسِجْدَةُ التَّلاوَةِ وَاِنَّمَا النَّهیُ عَنِ التَّطَوُّعاتِ خاصّةً ،......الخ.(المبسوط لسرخسی ،ج:۱ ،ص:۱۴۱ ،دار التکتب العلميه)

اور دو اور مکروہ اوقات میں سے نماز عصر کے بعد تغیر شمس سے پہلے کا وقت اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت ہے) پس ان اوقات میں نوافل میں سے کوئی بھی نماز نہیں پڑھی جائے گی......لیکن ان دووقتوں میں فرائض کا اداء کرنا جائز ہے اور اسی طرح نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے اور ممانعت نوافل (وسنتوں وغیرہ) کیساتھ خاص ہے۔

(۵)......علامہ میدانیؒ اللباب فی شرح الکتاب میں فرماتے ہیں:

”(وَيُکْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ)قصداً وَلَوْلَهَا سَبَبٌ (بُعدَ صَلاةِ الْفَجْرِ حتی تَطْلُعَ الشَّمْسُ)وتَرْتَفعَ(وَبُعْدَصَلاةِ الْعَصْرِ)وَلَوْ لَمْ تَتغَيَّر الشَّمْس(حَتّیٰ تَغْرب......الخ)(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ ،ص:۴۴ ،دارالکتاب العربی)

اور مکروہ ہے قصداً نوافل پڑھنا اگرچہ اسکا کوئی سبب بھی ہو نماز فجر کے بعد یہاں تک سورج طلوع ہو کر خوب روشن ہو جائے اور اسی طرح نوافل پڑھنا مکروہ ہے نماز عصر کے بعد اگرچہ سورج میں زردی نہ آئی ہو یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔

فائدہ:

اس سے پہلے آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فقہاء جب مطلقاً نفل کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ سنتوں کو بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ نفل کا لفظ عام ہے یعنی نفل بول کر سنت مراد لئے جاسکتے ہیں لیکن سنت بول کر نفل مراد نہیں لئے جاسکتے۔

''باب ہفتم''

نماز فجر کے بعد سنت فجر و دیگر نوافل کے پڑھنے کا حکم

فقہاء عصر کے فتاوی کی روشنی میں

پہلا فتویٰ:

''فقیہ العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ''

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اور قبل طلوع آفتاب کے بعد فرض کے سنت کا پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ فقط (فتاوی رشیدیہ، ص:۲۵۸)

دوسرا فتویٰ:

''مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ''

ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز مکروہ ہے قضا فرض اور واجب نماز کی جائز ہے۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز اس وقت نہ پڑھی جائے۔ آفتاب نکلنے کے بعد جب اونچا ہو جائے تو پڑھے۔ (کفایت المفتی، ج:۳/۴، ص:۶۵/۶۹)

تیسرا فتوی:

''مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ''

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

صبح صادق کے بعد کوئی نفل سوائے سنت فجر کے یا قضاء کے درست نہیں ہے اور بعد نماز فجر کے سنت صبح بھی جائز نہیں اور نہ کوئی نفل سوائے قضاء کے پڑھنا اس وقت درست ہے درمختار میں ہے وکرہ نفل الخ ولو سنۃ الفجر بعد صلوٰۃ فجر وصلوٰۃ عصر الخ ولا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترا الخ اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے......الخ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج:۲،ص:۵۶)

چوتھا فتویٰ:

''فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ''

ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے:

فجر کی سنت فجر کی نماز کے بعد پڑھنا سخت مکروہ ہے......(مراقی الفلاح کی عبارت پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے اگر چہ فجر کی سنت ہو اور عصر کی نماز کے بعد بھی نفل نماز مکروہ ہے اگر چہ آفتاب میں تغیر پیدا نہ ہوا ہو حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عصر کی نماز کے بعد آفتاب غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے اور فجر کی نماز کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک کوئی نماز نہیں بخاری ومسلم نے اس کو راویت کیا ہے......الخ (فتاوی رحیمیہ، ج:۴،ص:۸۷/۸۸)

پانچواں فتویٰ:

''فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ''

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا درست نہیں، قضا نماز، سجدۂ تلاوت، اور نماز جنازہ جائز ہے، پس فجر کی نماز سے لے کر سورج نکلنے تک کا وقت تو مکروہ نہیں، البتہ اس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب سورج کا کنارا طلوع ہوجائے اس وقت سے لے کر سورج کی رردی ختم ہونے تک کا وقت (قریبا پندرہ بیس منٹ) مکروہ ہے اس میں فرض، نفل، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ سب منع ہیں۔ہاں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر وتسبیح، درود شریف اس وقت بھی جائز ہے ......الخ (آپ کے مسائل اور انکا حل، ج:۲،ص:۱۴۰، قدیم)

فائدہ:

فقہاء کی اصطلاح میں جب نفل مطلقا بولا جاتا ہے تو وہ سنتوں کو بھی شامل ہوتا ہے تو اس لحاظ سے سنت فجر وغیرہ بھی اس ممانعت میں داخل ہیں کیونکہ ان پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے۔

چھٹا فتویٰ:

''محدث کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا محمد فریدؒ''

آپ سے نماز عصر وفجر کے بعد نوافل وغیرہ پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا کہ: قضاء پڑھنا جائز ہے اور نفل پڑھنا منع ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ، ج:۲، ۱۶۸)

ساتواں فتویٰ:

''محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ''

ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

اس میں شک نہیں کہ وہ تمام حدیثیں جوطلوع شمس سے قبل نماز صبح کے بعداورغروب شمس سے قبل نمازعصر کے بعدنفلوں کی ممانعت کے بارے میں آئی ہیں بالکل صحیح ہیں جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے اوراسی طرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعدقبل طلوع شمس سنت فجر کاادا کرنا ثابت ہوتا ہے قابل احتجاج ہے مگر چونکہ احناف نے یہ اصول مقرر کرلیا ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق حلت وحرمت کی دونصیں موجود ہوں تونص حرمت کوترجیح دی جائیگی قول فعل وتقریر دونوں پرمقدم ہے لہذا ہمارے آئمہ نے نہی کی قولی احادیث پر جونص حرمت ہیں عمل کر کے ممانعت کاحکم دیدیا عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں دومتعارض حدیثوں کوذکر کر کے کہا ہے:

اِنَّ الْمبیحَ وَالْحَاظِرَ اِذَا تعارَضَا جُعِلَ الْحَاظرُ متأخرا

مباح کرنے اورمنع کرنے والی دوحدیثیں جب جمع ہوجائیں تومنع کرنے والی حدیث متاخر ہوگی۔

علاوہ بریں احادیث نہی بکثرت ہیں۔(مجموعة الفتاوىٰ ج:۱،ص:۲۲۶)

بعض لوگوں نے عبدالحئی لکھنویؒ کی یہ بات کہ:

”اسی طرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعدقبل طلوع شمس سنت فجر کاادا کرنا ثابت ہوتا ہے قابل احتجاج ہے“ کوحدیث قیس کے حجت ہونے کیلئے اپنے مسلک کومؤید کرنے اور احناف کے مقابلہ میں بطورالزام کے پیش کیا ہے کہ آپ کے علماء تواس راویت کوقابل احتجاج سمجھتے ہیں اورتم لوگ کہتے ہوکہ یہ راویت قابل احتجاج نہیں ہے؟

تواس معترض صاحب کوعلامہ عبدالحئیؒ کی اس بات سے خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگرعلامہ عبدالحئیؒ نے حدیث قیس کومحتج بہ قراردیا ہے تویہ احناف کے اصولوں کے مطابق ہے کہ احناف

کے نزدیک مرسل راویت حجت ہوتی ہے نہ کہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر مقلدین تومرسل راویت کوسرے سے حجت ہی نہیں سمجھتے تو پھراس بات سے خوش ہونا نادانوں کا کام ہی ہوسکتا ہے نہ کہ عقل مندوں کا اوراگرمعترض صاحب کاخیال یہ ہوکہ عبدالحئی لکھنویؒ نے اس راویت کواسلئے قابل احتجاج کہاہے کہ یہ راویت متصل ہے تو یہ بھی معترض صاحب کی خام خیالی ہے کیونکہ یہ بات ہم ثابت کرچکے ہیں کہ یہ راویت اپنے تمام سندوں کیساتھ مرسل ہی ہے۔

اورمرسل حدیث اگرچہ احناف کے نزدیک قابل احتجاج ہے لیکن متواتراحادیث کے مقابلہ میں یہ راویت قابل عمل نہیں رہ جاتی۔جسکی تفصیل گزرچکی ہے۔

''باب ہشتم''

فرض نماز کی اقامت کے وقت سنن ونوافل کے حکم میں وارد احادیث اوران کی توجیہات

پہلی حدیث:

''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ :''اِذا أُقِیمَتِ الصَّلاةُ فَلا صَلاَةَ الَّا الْمَکْتُوبَةَ''. (.أخرجه مسلم ، کتاب صلاة المسافرین ، ج: ٦ ، ص: ٩٠ ،باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن. والترمذی :أبواب الصلاة باب ماجاء اِذا أقیمت الصلاة فلاصلاة الا المکتوبة، ج: ٢ ، ص: ٢٨٢ ،رقم[٤٢١]،وابن ماجه: کتاب اِقامة الصلاة و السنة فیها،باب ماجاء فی ''اِذا أقیمت الصلاة فلاصلاة الا المکتوبة، ج: ١ ، ص: ٣٦٤.)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے راویت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ :''جب فرض نماز کی اقامت شروع ہوجائے تو سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں۔

غیر مقلدین کا مذہب:

صبح کی فرض نماز کے وقت سنت فجر پڑھنے کی ممانعت میں غیر مقلدین حضرات مذکورہ بالا حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں چنانچہ:

(١)......علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب فرماتے ہیں:

وَ الْحَدِیْثُ یَدُلُّ علیٰ أَنَّهُ لا یَجُوْزُ الشُّرو عُ فِیْ النَّافِلَةِ عِند اقَامَةِ الصَّلاةِ مِنْ غَیرِ فَرْقٍ بَیْنَ رَکْعَتَیْ الفَجْرِ وَغَیْرِهِمَا......الخ.(عون المعبود ، ج: ٤ ،ص: ١٤٢)

کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت نماز کے وقت نوافل شروع کرنا جائز نہیں ہے ،سنت فجر ودیگر سنن ونوافل کے درمیان بغیر کسی فرق کے۔

(٢).....مولانا وحید الزماں صاحب نزل الابرار میں تحریر فرماتے ہیں:

''وَلاَیَجُوْزُ لَه الشُّرُو عِ فِیْ ایّ صلوٰة اِذا قِیمتِ الصَّلاة المکتُوبةُ وَلافَرْق بَیْنَ رَکعتی الْفَجْرِ وَغَیْرِهَا فِیْ هذاالحُکْمِ وَلا بَیْنَ اَنْ یؤدیهِمَا فِی الْمَسْجِد ام خَارجه عِنْد بابه......الخ(نزل الابرار ،ص: ١٣٣/ ١٣٢ ،باب ادراک الفریضة)

فرض نماز کی اقامت کے وقت کسی بھی نماز کوشروع کرنا جائز نہیں ہے اوراس حکم میں سنت فجر اور دیگر نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ یہ فرق ہے کہ مسجد کے اندر پڑھے یا مسجد سے باہر مسجد کے دروازے کے

پاس۔

(۳)......مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی صاحب صلاۃ الرسول میں فرماتے ہیں:

''اگر آپ ایسے وقت مسجد میں پہنچیں کہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو اور سنتیں آپ نے نہ پڑھی ہو، تو پھر جماعت کے پاس سنتیں پڑھنی شروع نہ کردیں۔ کیونکہ جماعت کے ہوتے ہوئے پاس کوئی نماز نہیں ہوتی......الخ۔'' (صلاۃ الرسول، ص:۱۱۵)

(۴)......مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

جب فرض نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی ۔ اگر سنتیں پڑھ رہا ہے تو اسے توڑ ڈالے اور فرض جماعت میں شامل ہوجائے۔ (احکام ومسائل قرآن وسنت کی روشنی میں، ص:۲۳۶)

''توجیہات عندالاحناف''

پہلی توجیہ:

فجر کی سنتیں اس حدیث سے مخصوص ہیں یہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہیں رہی ہے یعنی اس حدیث کی ممانعت سے فجر کی سنتیں مستثنی ہیں اور فجر کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں چنانچہ

(۱)......علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''وَخُصَّتْ سُنَّةُ الفَجرِ بِقَولِهِ ﷺ ''لَا تَدعوهما......الخ (عمدة القاري، ج:۵، ۱۸۴).

''کہ سنت فجر نبی کریم ﷺ کے اس قول ''سنت فجر پڑھو اگرچہ تم کو دشمن کا لشکر دھکیل رہا ہو۔'' سے مخصوص ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فجر کی سنتوں کو اس ممانعت سے خارج کردیا گیا ہے

(۲)......ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''وَقَالَ ابنُ المَلِكِ: ''سُنَّةُ الفَجرِ، مَخصُوصَةٌ' مِنْ هذا بِقَولِهِ ﷺ ''صَلُّوا هَا وَإِنْ طَرَدَتْكُم الخَيلُ'' فَقُلْنَا يُصَلِّى سُنَّةَ الفَجرِ، مَالَمْ يَخشَ فَوْتَ الرَّكعَةِ الثَّانِيَةِ وَيَترُكُهَا حِينَ خَشَى عملاً بِالدَّلِيلَينِ. (مرقاة المفاتيح، ج:۳، ص:۱۳۳)

''ابن ملک نے فرمایا ہے کہ سنت فجر اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کے اس قول: ''صلوھا وان طردتکم الخیل'' یعنی سنت فجر پڑھو اگرچہ تم کو دشمن کا لشکر دھکیل رہا ہو'' سے مخصوص ہیں۔ پس (اس وجہ سے) ہم (احناف) کہتے ہیں کہ سنت فجر اس وقت تک پڑھی جائیں گی جب تک نماز فجر کی رکعت ثانیہ کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو اور اگر رکعت ثانیہ کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو سنت فجر کو ترک کیا جائے گا عملا بالدلیلین۔

''شمس الحق عظیم آبادی صاحب اور شان صحابہؓ''

اعتراض:

شمس الحق عظیم آبادی صاحب اپنی کتاب ''اعلام اہل العصر'' میں علامہ عینیؒ کے اس قول پر کہ: ''سنت فجر حدیث اذا اقیمت......الخ سے مخصوص ہے اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں''

پس اگرتم یہ اعتراض کرو کہ علامہ عینی اور فقہاء حنفیہ کی ایک جماعت نے حدیث: ’’کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہوجائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں‘‘ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ سنت فجر اس حدیث سے رسول ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ: ’’فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالدیں۔‘‘ سے مخصوص ہیں پس نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کے علاوہ دیگر سنتیں پڑھنا مکروہ ہے اور فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہے، اور دونوں فضیلتوں کو جمع کیا جائے گا یعنی سنتوں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کو۔اھ

میں کہتا ہوں کہ فقہاء پر تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ محدثین نہیں ہیں مگر تعجب تو علامہ بدرالدین عینی پر ہے کہ وہ باوجود محدث، کثیر العلم، اور وسیع النظر ہونے کے رسول ﷺ کے قول کے عموم سے کہ: ’’کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہوجائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں‘‘ فجر کی سنتوں کی تخصیص کیونکر فرماتے ہیں بلکہ اس سے تخصیص کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر پڑھنے سے صراحت کیساتھ منع وارد ہوئی ہے بغیر کسی احتمال اور تاویل کے............اور جو کوئی اس میں تخصیص کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے اور رہی بات سنتوں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کی تو وہ اسطرح ممکن ہے کہ جماعت کی نماز کے ساتھ مل کر فرض نماز پڑھ لے پھر نماز فجر

سے فارغ ہونے کے بعد سنتیں پڑھ لے کیونکہ یہ وقت سنتیں پڑھنے کا ہے۔(اعلام اہل العصر، ص:۱۳۳)

جواب:

ہم شمس الحق عظیم آبادی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کاش آپ کچھ تو ادب سیکھتے آپ یہ بات کیسے کہتے ہیں کہ جو شخص اس حدیث کی تخصیص کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے ؟ جبکہ اس حدیث میں تخصیص صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ، ابودرداء، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کی موجودگی میں ایک آدمی نے آکر نماز فجر کے قیام کے وقت سنتیں پڑھ لیں اور اس پر حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کی۔تو کیا یہ سب صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ متعصب اور معاند ہیں؟ اگر نہیں تو پھر جو لوگ (احناف) اس مسئلہ میں ان حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل کی پیروی کرتے ہیں تو وہ کیسے معاند اور متعصب ہوسکتے ہیں؟ جو شخص احناف پر اسلئے طعن کرتا ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرامؓ کی اتباع کرتے ہیں تو کیا وہ سنت سے بے بہرہ نہیں؟ کیا وہ صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والا اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والا نہیں ہے؟۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے خود اس حدیث میں اس آدمی کے حق میں جو فرض نماز کی جماعت سے پہلے فرض پڑھ چکا ہو اسکو امام کے ساتھ نفل پڑھنے کی اجازت دے دی اور علامہ ابوالحسن سندیؒ کے اس قول: ’’اور اسی طرح جو شخص فرض نماز پڑھ چکا ہو وہ امام کیساتھ شامل ہوسکتا ہے اور یہ حدیث (اذا قیمت الصلاۃ......) کے منافی نہیں ہے پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’فصحیحٌ بل لا بُدَّ منهُ لأنَّ المامور بهذا الحکم لیس الاَّ مَنْ علیه تلک المکتوبة کما هُو ظاهر السیاق.اه

کہ (ابوالحسن سندی کی یہ بات) صحیح ہے اور اسکے سوا چارہ کار نہیں ہے
کیونکہ یہ حکم (کہ جب فرض کی نماز کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض کے
اور کوئی نماز نہیں) اس آدمی کیلئے ہے جس کے ذمہ وہی فرض ہو (جو
اس نے جماعت سے پہلے پڑھ لیا) جیسا کہ ظاہر سیاق سے یہی معلوم
ہوتا ہے۔

پس تعجب اور بے ادبی کی انتہاء ہے کہ جناب عظیم آبادی جیسا نام نہاد مجتہد تو حدیث کی تخصیص اپنی
رائے سے یہ کہہ کر کر سکتا ہے کہ ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ
کیلئے آثار صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے: ''فجر کی سنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے
تمہیں روند ڈالیں، اور حضرت علیؓ کی اس حدیث سے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی
اقامت کے وقت سنتیں پڑھتے تھے۔ حدیث میں تخصیص کرنا جائز نہیں ہے! کیونکہ وہ آثار صحابہؓ
، قول رسول اور فعل رسول ﷺ سے جب حدیث کی تخصیص فرماتے ہیں تو وہ معاند اور متعصب
ہیں لیکن شمس الحق صاحب کی اپنی رائے سے عموم حدیث میں تخصیص کرنے سے وہ کج فہم
، نادان، شریعت اور علمائے شریعت کی توہین کرنے والا نہیں؟ صحابہ کرامؓ کی شان اور اعراض میں
گستاخی کرنے والا نہیں، ؟ یقیناً وہی ہر قسم کی طعن اور شتم کا مستحق ہے نہ کہ وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کے
عمل کی، رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں۔

دوسری توجیہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''فَهَلْ لَا يُمْكِنُ حَمْلُ النَّهْيِ فِيْ قَوْلِهِ ﷺ: ''اِذَا أُقِيْمَتِ
الصَّلَاةُ...... الخ'' عَلٰى أَنَّهُ لَا تَجُوْزُ الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ مُتَّصِلًا
بِصُفُوْفِ الْقَوْمِ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ؟ كَيْفَ لَا وَقَدْ حَمَلَهُ ابْنُ

عَبَّاسٍ، وَابْنُ مَسْعُوْدٍ، وأبو الدرداء، وَ غَيْرُهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ
عَلٰى ذٰلِكَ وَفِيْ قَوْلِهِ ﷺ: ''أَتُصَلِّى الصُّبْحَ
أَرْبَعًا...... الخ'' اِشَارَةٌ اِلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى فَافْهَمْ. (اعلاء
السنن، ج:۷، ص:۱۰۲)

''کیا یہ ممکن نہیں کہ اس منع کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ مسجد میں
جماعت کی صفوں کے متصل سنت فجر پڑھنا جائز نہیں ہے؟ اور ایسا
کیوں نہ ہو جبکہ اس نہی کو ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابودرداءؓ اور دیگر صحابہ
کرامؓ نے اسی بات پر محمول فرمایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے اس قول''
أتصلی الصبح اربعاً مع الناس''، میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ:

راقم الحروف عفی عنہ عرض گزار ہے کہ اس حدیث ''أتصلی الصبح اربعا مع الناس''، میں اشارہ یہ ہے
کہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ کیا تم لوگوں کیساتھ صبح کی چار رکعتیں پڑھنا چاہتے ہو، تو یہ
فرمانا اس صورت میں ممکن ہے کہ جب آدمی جماعت کی صفوں کے متصل کھڑا ہو کر صبح کی سنتیں
پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں یہ التباس واشتباہ ہوتا ہے کہ یہ شخص چار رکعتیں پڑھ رہا ہے۔ اس وجہ
سے یہ نہی اسی صورت پر محمول ہے جب یہ صورت نہ رہے تو پھر سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ مزید
تفصیل آگے آرہی ہے

تیسری توجیہ: از علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

''وَفِيْ أَثَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ هذا دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ حَدِيْثَ: ''اِذَا أُقِيْمَتِ
الصَّلَاةُ...... الخ'' مَحْمُوْلٌ عَلَى الصَّلَاةِ مُتَّصِلًا بِصُفُوْفِ الْقَوْمِ

فَانَّ ابنَ عبّاسٍ روی عَنه الحَاكمُ فی " المُستَدرَك " وَقَال: صَحِيحٌ، عَلیٰ شَرطِ مُسلِمٍ، وَالبَیهَقیُّ وَالبزّارُ وَ اَبُویَعلیٰ، وَابنُ خُزَیمَةَ وَابنُ حَبّانَ فِیْ صَحِیْحیهما وَ اَبُوْدَاود الطَّیالِسیُّ فِیْ مُسْنَدِہ، قَالَ اِذا اُقِیمَتِ الصَّلاۃُ فقُمْتُ اُصَلِّی الرَّكعَتَینِ، فَجذَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فقَالَ: "اَتُصَلِّی الصُّبحَ اَرْبَعًا" كذافِی "اِعْلامِ اَهلِ العَصرِ (ص: ٣۴)، وَمَعَ ذٰلِک فَقَدْ ثَبتَ عَنهُ اَنَّهُ جَاءَ وَالامَامُ فِیْ صَلاةِ الغَدَاةِ فَصلّی الرَّكعَتَینِ خلْفَ الامَامِ ثمَّ دَخلَ مَعهُمْ. وَاِذا تَعَارَضَ بَیْنَ رِوَایَةِ الرَّاوِی وَعَمَلِهٖ فَالْحُجَّةُ عِنْدنا فِیْ عَمَلِهٖ دُوْنَ رِوَایَتِهٖ. (اعلاء السنن، ج:٧، ص: ١٠٢)

اثر ابن عباس میں اس بات کی صریح دلالت موجود ہے کہ اس حدیث "اِذا اقیمت الصلاۃ" میں نہی کو ابن عباسؓ اس بات پر محمول فرماتے تھے کہ فجر کی سنتیں جماعت کی صفوں کے متصل پڑھی جائیں چنانچہ "مستدرک" میں امام حاکم نے ابن عباسؓ سے راویت کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے یعنی علی شرط مسلم ہے اور اسی طرح بیہقی، بزار اور ابو یعلی نے اور ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں اور ابو داود طیالسی نے اپنی "مسند" میں ابن عباسؓ سے راویت کیا ہے: "وہ فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی میں سنت فجر پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھنجھوڑا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو" اسی طرح اعلام العصر (ص:۳۴) میں

ہے۔ اور باوجود اسکے ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ وہ مسجد ایسے وقت پہنچے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپؓ نے امام کے پیچھے (صف میں) فجر کی سنتیں پڑھی پھر جماعت کی نماز میں شامل ہوئے۔ (اور یہ قاعدہ ہے) کہ جب راوی کی راویت اسکے عمل کے معارض ہو تو ہمارے (احناف) کے نزدیک حجت راوی کا عمل ہوتا ہے نہ کہ راویت۔

چوتھی توجیہ: علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"وَأَمّا ثَانِیًا: فَفِیْ "صَحِیحِ ابنِ خُزَیمَةَ" كَمَا فِی العُمدَةِ" (٢-١١٧) مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ: "خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ حِیْنَ اُقِیْمَتِ الصَّلاۃُ فَرَآی نَاسًا یُصَلُّوْنَ رَكعَتَینِ بِالعَجلَةِ، فَقَالَ: "اَصَلاتَانِ مَعًا؟! فَنَهیٰ اَنْ تُصَلّیا فِی الْمَسْجِدِ اِذا اُقِیمَتِ الصَّلاۃُ". فَهذا الْحَدِیْثُ اِنْ صَحَّ فَهُوَ فَاصِلٌ فِی المَسألَةِ وَنَصٌّ لِرَفعِ الاِشْكالِ، حَیْثُ یَكُوْنُ النَّهیُ وَارِدًا فِیْ آدائِهِمَا فِی الْمسجِدِ لا مُطلقًا، فَاِذن یَخْتَصُّ الْحَدِیْثُ بِذٰلِک. (معارف السنن، ج:۴، ص: ٧٩)

صحیح ابن خزیمہ میں ہے جیسا کہ عمدۃ القاری (۲:۱۱۷) میں حدیث انسؓ میں ہے کہ: "نبی کریم ﷺ ایسے وقت مسجد تشریف لائے کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ سنت فجر عجلت کیساتھ پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ کیا دو نمازیں ایک وقت

میں؟ پس آپ ﷺ نے منع کیا کہ جب جماعت کھڑی ہوتو مسجد میں سنتیں نہ پڑھا کرو‘‘ پس یہ حدیث اگر صحیح ہوتو یہ اس مسئلہ میں فاصل ہے اور اشکال رفع کرنے میں نص ہے کہ اس میں جو نہی وارد ہے وہ مطلقا نہیں ہے بلکہ مقید ہے مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھنے کیساتھ پس یہ حدیث ’’اذا اقیمت الصلاۃ‘‘ مختص ہے حضرت انسؓ کی (اس) حدیث کیساتھ۔

فائدہ:

علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث باب اذا اقیمت الصلاۃ......الخ اپنے عموم پرنہیں ہے یعنی کہ اس حدیث کا حکم عام نہیں ہے بلکہ مقید ہے مسجد میں جماعت کی نماز کے وقت سنتیں ونوافل وغیرہ پڑھنے کیساتھ اور یہ تخصیص حضرت انسؓ کی حدیث کی وجہ سے ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے جو منع کیا ہے تو وہ مسجد میں فرض نماز کی جماعت کے وقت نوافل وغیرہ پڑھنے کیساتھ خاص ہے اگر کوئی شخص جماعت کی نماز کے قیام کے وقت مسجد کے باہر نوافل یا سنتیں پڑھنے میں مشغول ہوجائے تو وہ اس منع میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے پس غیر مقلدین کا مطلقا نوافل وسنتیں پڑھنے سے منع کرنا صحیح نہیں ہے۔

تو جیسے اس حدیث سے ابو ہریرہؓ کی راویت میں تخصیص ہوئی ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی اس حدیث میں تخصیص ہوئی ہے جو سنت فجر عندلاقامت کے قائل تھے اور مسجد ہی میں سنتیں پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے عموم پرنہیں ہے۔

پانچویں توجیہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

’’أَنَّ أَبَادَرْدَاءِ يَحْمِلُ حَدِيثَ: ’’إِذَاأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ......الخ‘‘ بَعْدَ

صِحَّتِهِ عَلَى النَّهْيِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ حِينَ إِقَامَةِ الْمَكْتُوبَةِ مُتَّصِلًا بِصُفُوفِ الْقَوْمِ وَكَانَ يُجِيزُهَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ مُنْفَصِلًا عَنْهَا كَمَا هُوَ الْمَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ. (اعلاء السنن، ج:۷، ص:۱۰۳)

حضرت ابو درداءؓ اس حدیث ’’اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبہ‘‘ کو باوجود اسکی صحت کے نہی کو مسجد میں نماز فجر کے قیام کے وقت سنت فجر کو جماعت کی صفوں کے متصل پڑھنے پر محمول فرماتے تھے اور مسجد میں صفوں سے الگ سنت فجر ادا کرنے کو جائز فرماتے تھے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔اھ

چھٹی توجیہ: علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

’’فَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ مَنْشَأُ النَّهْيِ هُوَ عَدَمُ الْفَصْلِ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ، كَمَا اخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ فِي ’’شَرْحِ مَعَانِي الْآثَارِ‘‘ (۱-۲۱۸ و ۲۱۹) وَأَطَالَ فِيهِ الْبَحْثَ، وَمُلَخَّصُهُ: ’’أَنَّ مَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيَّةُ مِنْ أَنَّ مَنَاطَ حُكْمِ الْمَنْعِ فِي حَدِيثِ الْبَابِ هُوَ أَدَاءُ هُمَا إِذَا شَرَعَ فِي الْإِقَامَةِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ، حَيْثُ صَحَّ إِنْكَارُهُ ﷺ عَلَى مَنْ أَدَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْإِقَامَةِ أَيْضًا فِي حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: ’’أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مُنْتَصِبٌ يُصَلِّي ثَمَّهُ بَيْنَ يَدَيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ، فَقَالَ: ’’لَا تَجْعَلُوا هٰذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا، وَاجْعَلُوا بَيْنَهُمَا فَصْلًا‘‘. وَكَذٰلِكَ وَرَدَ الْإِنْكَارُ عَلَى

مَنْ فَرَغَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ وَ أرادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ مُتَّصِلاً بِهَا، كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيْثِ مُعَاوِيَةَ فِي التطوُّعِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، فَلَمَّا كَانَ اِنْكَارُهُ فِي الاَحْوَالِ الثَّلاثَةِ عِنْدَ الاِقَامَةِ، وَقَبْلَ الاِقَامَةِ وَبَعْدَ الْفَرِيْضَةِ عُلِمَ أَنَّ مَدَارَ النَّهْيِ وَالاِنْكَارِ هُوَ عَدَمُ الْفَصْلِ فِيْ الْمَكَانِ وَالْخَلطِ مَعَ الصُّفُوْفِ. (معارف السنن، ج: ۴، ص: ۸۲/۸۳)

ترجمہ:

اس حدیث میں یہ احتمال بھی تو ہوسکتا ہے کہ منشاء نہی اس میں عدم فصل بین الفرض والنوافل ہو جیسا کہ امام طحاوی نے ''شرح معانی الاثار'' میں اختیار فرما کر طویل بحث کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو شافعیہ کہتے ہیں کہ حدیث الباب میں مدار حکم منع کا اقامت شروع ہونے کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے پر ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے سنت فجر پڑھنے پر انکار اقامت سے پہلے بھی وارد ہے جیسا کہ محمد بن عبدالرحمٰن سے راویت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن مالک بن بحینہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ صف میں کھڑے ہوکر صبح کی اذان کے وقت سنت فجر پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: 'لاتجعلوهذه الصلاة كصلاة قبل الظهر وبعدها، واجعلوا بينها فصلا' اوراسی طرح نبی کریم ﷺ کا انکار اس شخص پر بھی وارد ہے کہ جوفرض نماز پڑھنے کے متصل نوافل

شروع کردے، جیسا کہ معاویہ کی حدیث ''تطوع بعد الجمعہ میں ہے، پس جب نبی کریم ﷺ کا انکار تین احوال میں یعنی عندالاقامت، قبل الاقامت، اور بعد الفریضہ میں وارد ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حدیث میں نہی کا مدار مکان میں عدم فصل اور صفوں کے ساتھ اختلاط پر ہے نہ کہ مطلق شروع اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے ممانعت تین اوقات میں ثابت ہے جیسے کہ عبارت میں معلوم ہوا تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ممانعت کے حکم کا دارومدار فرض کی اقامت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ فرض ونفل میں توقف کرنے یا فرض ونفل کے مکان میں فاصلہ کرنے کی وجہ بھی ہوسکتی ہے تو اس وجہ سے جب اس راویت میں یہ احتمالات بھی ہیں تو پھر یہ فرض نماز کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنے کی ممانعت میں صریح نہیں ہے لہذا فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

دوسری حدیث:

''وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ ؓ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَقَدْ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاثَ به النَّاسُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ''الصُّبحِ أَرْبَعًا. (أخرجه البخاري: كتاب الأذان باب إذاأقيمت الصلاة، ج: ۱. ص: ۲۳۵، رقم، ۶۳۲)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہؓ سے راویت ہے کہ نبی کریم ﷺ

ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ فجر کی سنتیں پڑھ رہا تھا جبکہ نماز فجر کی اقامت شروع ہو چکی تھی ،جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے ،رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:''کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟''

تشریح:

اس حدیث کے ظاہر معنی تو یہی سمجھ میں آتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنے پر انکار فرمایا کہ کیا تم نے فجر کی فرض نماز کی چار رکعتیں پڑھیں ؟اس میں استفہام انکاری ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سنت فجر کو اقامت شروع ہوتے وقت منع فرمایا ہے۔سنت فجر کے علاوہ دیگر نوافل وسنن رواتب بھی حضرات شوافع کے نزدیک اقامت شروع ہونے کے وقت ممنوع ہیں۔

(فتح الباری ،ج:۲ ،ص:۱۴۹/۱۵۰ ،دار المعرفہ ،طبع ،۱۳۷۹ھ،شرح مسلم نووی ؒ،ج:۵ ،ص:۲۲۲ ،دار احیاالترث العربی ،طبع ،۱۳۹۲ھ.

''احناف کی طرف سے اس باب کے احادیث کی توجیہات''

اس حدیث اور اسی طرح کی وہ دوسری احادیث یعنی''طبرانی''میں ابوموسیٰ ؓ کی راویت،''مسلم'' میں عبداللہ بن سرجس ؓ کی راویت ،مسند احمد میں عبداللہ بن عباس ؓ کی راویت وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ جن مختلف الفاظ سے صحابہ کرام ؓ کو مخاطب ہوئے وہ یہ ہیں:''الصبح اربعا''اور''أتصلی الصبح اربعا''اور''بأی الصلاتین اعتددت ''اور''یوشک ان یصلی احدکم الصبح اربعا''اور ''الاھذا قبل ھذا''ان تمام الفاظ کی علت یہی ہے کہ اس سے سنت اور

فرض میں التباس کا ڈر ہے اور امام اور مقتدیوں میں ظاہراً اختلاف کی کراہت ہے تو اگر ایسی صورت ہو کہ نہ التباس کا ڈر ہو اور نہ اختلاف ہو یعنی اگر سنت فجر خارج عن المسجد پڑھی جائے ،یا صحن مسجد میں یا کسی ستون کے پیچھے پڑھی جائے کہ فرض اور سنت ایک صف میں نہ پڑھی جائے تو اس صورت میں علت کے منتفی ہونے کیوجہ سے کراہت بھی منتفی ہوجائے گی اور یہی علت حضرت ابن عباس ؓ سمجھتے تھے اسی وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ خود اپنے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں''أتصلی الصبح اربعا'' جبکہ وہ اقامت کے بعد سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے ۔تو جب راوی کا عمل اپنی راویت کے خلاف ہو تو احناف کے نزدیک اسکے عمل کا اعتبار ہوتا ہے اور اسکی راویت قابل عمل نہیں ہوتی۔

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

(عمدۃ القاری،ج:۵،ص:۱۸۴/۱۸۵ ،اعلاء السنن،ج:۲،ص:۱۰۲ ،معارف السنن ،ج:۴،ص:۹۱)

تیسری حدیث:

''وَعَنْ أَبِی ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:''اِذَا أُقِیْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَاصَلَاةَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَةَ''قِیْلَ:یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ،وَلَا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ؟قَالَ:''وَلَا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ''.(سنن البیھقی،ج:۲،ص:۴۸۲ ،رقم الحدیث ۴۳۲۶مکتبة دار الباز)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے راویت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''جب (فرض) نماز کی اقامت ہونے لگے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے'' کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سنت فجر بھی نہیں؟ فرمایا کہ سنت فجر بھی نہیں''

تشریح:

اس حدیث کو بھی غیر مقلدین حضرات مستدل بناتے ہیں کہ اس حدیث میں تو نبی کریم ﷺ نے صراحت کیساتھ منع کیا ہے کہ جب فرض نماز کی اقامت شروع ہوجائے تو پھر کسی قسم کے نوافل میں مشغول ہونا جائز نہیں یہاں تک سنت فجر بھی نہیں پڑھ سکتے جیسا کہ اس حدیث میں صراحت کیساتھ ذکر ہوا۔ (عون المعبود، ج:۴، ص:۱۴۲)

''احناف کی طرف سے حدیث کی توجیہ''

اس حدیث میں ''ولا رکعتی الفجر'' کی زیادتی راوی کے طرف سے درج شدہ ہے۔ صل متن میں یہ الفاظ نہیں ہیں تو اس لحاظ سے یہ راویت مدرج ہوئی اور مدرج راویت اصول حدیث کی رو سے ضعیف ہوتی ہے، پس یہ حدیث ضعیف ہے۔

باقی رہا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا اس حدیث کی تحسین کا قول تو وہ قابل نظر ہے جیسا کہ آئندہ اس حدیث کے رواۃ پر محدثین کے کلام سے واضح ہوجائے گا، اس راویت میں دوراوی ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں ایک یحییٰ بن نصر بن حاجب اور دوسرا مسلم بن خالد زنجی چنانچہ مندرجہ ذیل میں محدثین کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

پہلے راوی:...... ''یحییٰ بن نصر بن حاجب پر کلام''

پہلا کلام: از علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

قَالَ أَبُوْزُرْعَةُ :لَيْسَ بِشَيْءٍ،وَأَمَّاابنُ عِدى:فَرِوىَ لَهُ أَحادِيْثُ حَسَنَةُ ،وَارْجُوْ أَنَّهُ لا بَأس بِهِ.وَقَالَ مَهْنأُ :سَأَلْتُ أَحْمَدَ بَنَ حَنْبَلَ عَنْهُ فَقَالَ: كَانَ جَهْمِيًا،يَقُوْلُ قَولَ ابى جَهْمٍ.وَقَالَ أَبُوْحَاتِمُ:يَلِيْنَهُ عِنْدِىْ......وَقَا ل أَبُو جَعْفر العُقَيْلِي :مُنْكَرُ الحَدِيْثُ .(لسان الميزان : ج:٦،ص:٣٩٩،الجرح والتعديل ،ج:٩،ص:١٩٣ ،داراحياء التراث العربى)

ابوزرعہؒ نے فرمایا ہے کہ یحییٰ بن نصر بن حاجب کوئی شئی نہیں، اور رہی بات ابن عدیؒ کی تو انہوں نے اس سے کئی حسن درجہ کی احادیث راویت کی ہیں، اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یحییٰ بن نصر میں کوئی بات نہیں، اور مھناؒ نے فرمایا کہ: ''میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اسکے متعلق پوچھا تو انہوں فرمایا کہ: ''وہ جہمی تھا، اور جہمی باتیں کرتا تھا، اور امام ابو حاتمؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ لین ہے، اور ابوجعفر عقیلیؒ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔

دوسرا کلام: از علامہ عقیلی:

علامہ عقیلیؒ یحییٰ بن نصر بن حاجب کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''يَحيىٰ بْنُ نَصْرِ بْنِ حَاجِبِ الْقُرْشِي مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ......الخ'' (الضعفاء العُقَلي: ج:۴، ص:۴۳۳. لعقیلیؒ)

یحییٰ بن نصر بن حاجب قرشی منکر الحدیث ہے۔

تیسرا کلام: از علامہ ابن عدیؒ:

ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَرْوِيْهِ عَنْ عمرو بْنِ دِيْنَارٍ جَمَاعَةٌ بِهٰذا الاِسْنَادِ و لاأَعْلَمُ ذَكَرَهٰذِهِ الزِّيَادةِ فِيْ متنِهٖ "قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلاَ رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ" عَنْ يَحْيىٰ بِنِ نَصْرٍ عَنْ مُسلم بن خالد عَنْ عمرو. (الكامل فى الضعفاء، ج:٧، ص:٢٤٦، دارالفكر بيروت.)

اوراس حدیث کوعمروبن دینار سے ایک جماعت نے اسی سند کیساتھ راویت کیا ہے اور میں متن میں ان الفاظ "قیل یارسول اللہ ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی کونہیں جانتا جوکہ یحییٰ بن نصر نے مسلم بن خالد سے اوراس نے عمروبن دینار سے راویت کی ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن عدیؒ نے یہی راویت یحییٰ بن نصر بن حاجب کے منکرات میں ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ راویت منکر ہے اور قابل احتجاج نہیں ہے پس غیر مقلدین کا اس راویت کو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحسین کی وجہ سے قابل احتجاج سمجھنا نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

دوسرے راوی...... "مسلم بن خالد زنجی پر کلام"

پہلا کلام: از علامہ مزیؒ

علامہ مزیؒ مسلم بن خالد کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

"وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنَ أَبِیْ شَيْبَةَ عَنْ يَحْیٰ بْنَ مَعِينٍ :وَ أَبُوْجَعْفَرُ النُّفَيْلِيُّ ،وَابوداوُد:ضَعِيف ،وقَالَ عليُّ بن الْمَدِيْنِى .ليسَ بِشَيءٍ.وَقَالَ الْبُخَارِيُّ :مُنْكَرُ الْحَدِيثُ،وقَال النَّسائيُّ: لَيْسَ بِالْقَوِیّ،وقَالَ أَبُوْحَاتِمُ :لَيْسَ بِذاكَ الْقوِیّ ،مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ،يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ ،وَلاَ يُحتَجُّ بِهٖ ،تُعْرَفُ وَتُنْكَرُ...........وَكَانَ كَثِيْرُ الْغَلَطِ فِيْ حَدِيْثِهٖ.....الخ. (تهذيب الكمال ج:١٧، ص:٢١٤،قلت :وثقه بعض(راقم الحروف) ،ومن شاء التفصيل فلينظرفى تهذيب الكمال. ١٢،

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے یحییٰ بن معین ،ابوجعفر النفیلی ،اور ابوداود سے راویت کیا وہ فرماتے ہیں کہ مسلم بن خالد ضعیف ہے،اور علی ابن المدینیؒ نے فرمایا کہ: "مسلم بن خالد کوئی شیء نہیں ہے ،اورامام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ: وہ منکر الحدیث ہے،اورامام نسائی نے فرمایا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے ،اورابوحاتم فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے،منکر الحدیث ہے اسکی حدیثیں لکھی جاتی ہیں ،لیکن قابل احتجاج نہیں ہیں......اور حدیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔

دوسرا کلام: از علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

ابن حجر عسقلانیؒ اس کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

"مُسْلِمُ بْنُ خَالِدِ الْمَخْزُوْمِیُّ مَوْلاهُمْ الْمَكِّیُّ ،الْمعروف ب

الزَّنْجِيّ ،فَقِيْهٌ صُدوقٌ كَثِيْرُ الأَوْهَامِ ،مِنَ الثَّامِنَةِ ،مَاتَ سنة تِسْعٍ وسبعِنَ ،أوبعدها. تقريب التهذيب ،ج: ۲ ،ص: ۲۴۵ ،دار الكتب العلمية.

مسلم بن خالد مخزومی مکی کے غلام تھے جو کہ معرف ب زنجی تھا فقیہہ تھا سچا تھا ،لیکن بہت زیادہ وہمی تھا (یعنی حدیث میں وہم ہوتا تھا) طبقہ ثامنہ میں سے ہے، ۹۷ھ کو یا اسکے بعد انتقال ہوا۔

تیسرا کلام: از علامہ عقیلیؒ

علامہ عقیلیؒ فرماتے ہیں:

"مُسْلِمُ اِبْنُ خَالِد الزَّنْجِيّ أبو خَالد: "عَنْ اِبْنِ جُرَيْجٍ ،وَهِشَام ابْنِ عُرْوَةَ حَدَّثَنا،مُحَمَّدُ ابْنُ عُثْمَانَ العَبَسِيّ ،قَالَ: "سَمِعْتُ يَحْيىٰ ابنِ مَعِيْنٍ ،وَ ذُكِرَ مُسْلِمُ ابنُ خَالِدَ فَقَالَ : كَانَ ضعِيفًا ،حدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ أَبِيْ:مُسْلِمُ ابنُ الزنجِيّ كذا و كذا ،حدَّثَنِيْ آدم ،قَال سَمِعْتُ الْبُخَارِي يَقُوْلُ:مسلمُ ابنُ خالدِ الزَنْجِيّ،عَنْ ابنِ جُرَيج وهشام ابن عروَةَ ،مُنكرُ الحديث ،قَال البخَارِيُّ قَال:عليٌّ :لَيس بِشيءٍ......الخ. (ضعفاء العقيلي،ج: ۴،ص: ۱۵۰ ،دار الكتب العلميه.)

مسلم بن خالد زنجی ابوخالد نے ابن جریج وھشام وابن عروہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے محمد بن عثمان العبسی نے بیان کیا اُس نے کہا کہ میں نے یحیٰی بن معین کو کہتے ہوئے سنا ہے اور مسلم بن خالد کا ذکر ہو رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ضعیف ہے، کہا

ہمارے سامنے بیان کیا عبداللہ نے اُس کا کہنا ہے کہ میرے والد نے فرمایا کہ "مسلم ابن زنجی ایسا ویسا تھا، کہا ہمارے سامنے آدم نے بیان کیا اُس کا کہنا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ کو سنا وہ فرما رہے تھے، مسلم بن خالد، عن ابن جریج، اور ہشام ابن عروہ، منکر الحدیث ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علی ابن المدینی نے کہا کہ مسلم بن خالد کوئی شیء نہیں ہے۔

چوتھا کلام: از امام نسائیؒ

امام نسائیؒ نے مسلم بن خالد کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

"مُسْلِمُ ابنُ خَالِدِ الزَّنْجِيّ ضَعِيْف" (كتاب الضعفاء والمتروكين ،ج: ۱ ،ص: ۹۷،رقم الترجمة[۵۶۹]دار الوعی طبع ۱۳۶۹)

مسلم بن خالد زنجی ضعیف ہے۔

خلاصہ بحث:

ماقبل کی ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اور اس حدیث میں ان الفاظ (ولا رکعتی الفجر) کی زیادتی یحیٰی بن نصر کی درج شدہ ہے جو کہ غیر محفوظ ہے گویا کہ یہ انکا اپنا اجتہاد ہے کہ انہوں نے حدیث "الا المکتوبہ" میں "ولا رکعتی الفجر" کو بھی داخل سمجھا تو یہ زیادتی انکے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عدیؒ کو کہنا پڑا:

"و لاأعْلَمُ ذكُرُ هذهِ الزِّيَادةِ فِيْ متنِه "قِيلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلاَ رَكْعَتَي الْفَجْرِ" عَنْ يَحْيىٰ بنِ نَصْرٍ عَنْ مُسلم بن خالد عَنْ

عمرو"..................الخ

کہ میں متن میں اس زیادتی کو نہیں جانتا "یعنی ولا رکعتی الفجر" جو کہ یحییٰ بن نصر نے مسلم بن خالد سے اور اس نے عمرو بن دینار سے بیان کی ہے۔ ابن عدیؒ نے اس حدیث کو اس زیادتی کی وجہ سے یحییٰ بن نصر بن حاجب کے منکرات میں ذکر کیا ہے، پس جب یہ راویت ابن عدیؒ کے نزدیک منکر ہے مع زیادۃ مذکورہ کے تو پھر یہ قابل استدلال نہیں ہوسکتی پھر جب ان دو راویوں کا ضعف بھی ثابت ہوگیا پس "ولا رکعتی الفجر" کی زیادتی اور "الا رکعتی الفجر" کی زیادتی دونوں رواۃ کی اجتہاد کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں راویتیں آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں پس تعارض کے وقت اگر دونوں راویتوں میں تطبیق ممکن ہو تو حتی الامکان تطبیق کی کوشش کی جائے گی جسکی تطبیق پہلے بیان ہوچکی ہے۔

"باب نہم"

نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کے جواز کا حکم

اور احناف کی طرف سے غیر مقلدین کے دلائل کی توجیہات

پہلی حدیث:

"عَنْ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبحَ، ثُمَّ انْصَرفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي، فَقَالَ: "مَهْلاً يَاقَيْس! أَصَلَاتَانِ معاً؟ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيْ الفَجْرِ، قَالَ:" فلا إِذن" (سنن الترمذی، ج:۲، ۲۶۲، باب ماجاء فیمن تفوته الرکعتان قبل الفجر یصلیهما بعد صلاة الصبح)

ترجمہ:

حضرت قیسؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکلے نماز کی اقامت شروع ہوگئی میں نے فجر کی نماز رسول ﷺ کیساتھ پڑھی پھر جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، فرمایا کہ رک جاؤ اے قیس! کیا تم دو نمازیں ایک ساتھ پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اب پڑھنے میں کوئی

حرج نہیں''

دوسری حدیث:

''وَعَنْ عَطَاء بنِ ابی رباحٍ، عنْ رَجُلٍ مِنَ الأَنصار قَالَ: رأی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رجلاً يُصَلِّي بَعْد الغداةِ، فَقال: يارَسُولَ اللّٰہِ، لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَصَلَّيْتُهُما الآنَ، فَلَمْ يَقُلْ لَهُ شَيْئاً. (أخرجهُ ابن حزم في المحلى، وَقَال العراقي اسناده حسن. إعلام اهل العصر باحكام ركعتي الفجر، ص: ٢٢٣)

ترجمہ:

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے انصار میں سے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سنتیں پڑھ رہا ہے، تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے سنت فجر نہیں پڑھی تھی تو اب پڑھ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔

تشریح:

اگر کوئی شخص صبح کی سنتیں قبل الفرض نہیں پڑھ سکا تو پھر کب پڑھے؟ عطاء، طاؤس اور ائمہ میں سے امام شافعیؒ کے نزدیک فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ سکتا ہے، لیکن امام ترمذی نے امام شافعیؒ واحمدؒ دونوں کا مذہب یہ لکھا ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے لیکن شوکانی نے حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کا صحیح قول یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ

سکتا ہے۔ دوسرا مذہب ائمہ ثلاثہ حنفیہ، حنابلہ، مالکیہ کا ہے ان کے نزدیک طلوع شمس سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔

یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ سنتوں کی قضاء ہے بھی یا نہیں، شافعیہ حنابلہ اس کے قائل ہیں حنفیہ مالکیہ کے نزدیک سنت نماز کی قضا ہی نہیں البتہ صبح کی سنت کی قضاء فی الجملہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سنت کی قضاء تبعاً للفرض (فرض کے تابع) ہے الی الزوال بالاستقلال نہیں چنانچہ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں حضور ﷺ نے صبح کی سنتوں کی قضاء فرض نماز کیساتھ فرمائی تھی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کی قضاء انفراداً بھی مستحب ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں ''اِنْ احبَّ'' اگر جی چاہے تو قضاء کرلے اختیار ہے۔ (الدر المنضود علی سنن ابی داود، ج:۲،ص:۵۲۰)

مجوزین حضرات شافعیہ اور غیر مقلدین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ سنت فجر بعد نماز فجر کے بعد پڑھنا ان احادیث کی وجہ سے بغیر کراہت کے جائز ہے۔

'محدثین اور فقہاء کی طرف سے احادیث کی توجیہات''

اکثر محدثین اور فقہاء نے ان احادیث کے ارسال وانقطاع کو ترجیح دی ہے لیکن شمس الحق عظیم آبادی نے باوجود ان تصریحات کے ان احادیث کو متصل ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے لیکن اُسکی یہ تمام کوشش بالکل بے سود ہے اسلئے کہ ان جبال العلم محدثین کے مقابلہ میں شمس الحق عظیم آبادی کا ان راویات کو متصل ثابت کرنا ہی چاند کو انگلی سے چھپانے کے مترادف ہے۔ پھر اگر بفرض محال ہم ان راویات کو متصل مان بھی لیں تو پھر بھی یہ راویات اُن قولی راویات کے مقابلہ میں مرجوح ہیں اور قولی راویات جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں راجح ہوں گی کیونکہ خاص واقعات وافعال تخصیص کا احتمال رکھتے ہیں جبکہ قولی راویات میں عموم ہوتا ہے۔

پہلی توجیہ:

''یہ حدیث منقطع ہے''

پہلی تصریح:

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

''وَاِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَصِلٍ مُحَمَّدُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسٍ''جامع الترمذی ، ج:۱، ص:۹۶.)

یہ حدیث متصل الاسناد نہیں ہے (کیونکہ) محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے سماع نہیں کیا ہے۔

دوسری تصریح:

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''وَاَمَّاحَدِيْثُ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو فَقَالَ فِی الامام اِسْنَادُهٗ غَيْرُ مُتَّصِلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسٍ وَقَالَ اِبْنُ حِبَّانُ لَايَحِلُ الاحْتِجَاجُ بِهٖ.....الخ.(عمدة القاری ،ج:۵،ص:۷۸)

اور رہی بات حدیث قیس بن عمروؓ کی تو ''امام نامی'' کتاب میں کہا گیا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے اور محمد بن ابراہیم کا سماع قیسؓ سے ثابت نہیں ہے اور ابن حبانؒ نے فریا کہ اس حدیث سے حجت پکڑنا درست نہیں ہے۔

فائدہ:

جب حدیث منقطع ہے متصل نہیں تو پھر غیر مقلدین کے نزدیک تو یہ حجت ہی نہیں رہی کیونکہ منقطع راویت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے اسکے ثبوت کیلئے دیکھئے حافظ زبیر علی زئی کی کتاب (دین میں تقلید کا مسئلہ،ص:۳۴)

اسکے علاوہ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''ایسی منقطع اور بے سند راویت کو انتہائی اہم مسئلہ میں پیش کرنا آخر کون سی دین کی خدمت ہے'' (تعدادرکعات قیام رمضان،ص:۳۰)

یہ بات انہوں نے تراویح کے متعلق ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہی ہے لیکن تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ سنت فجر کا ہے کہ نماز فجر کے بعد سنتیں نہ پڑھنے کے متعلق متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن سنت فجر کے معاملہ میں ایک منقطع راویت کو دلیل بنا کر متواتر احادیث پر عمل نہ کرنا کون سی دین کی خدمت ہے۔

پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ منقطع راویت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے تو متواتر احادیث کے مقابلہ میں ایک ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو عمل بالحدیث کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

اعتراض:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب علامہ عینیؒ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور عینی نے عمدة القاری میں جو یہ کہا ہے کہ ابن حبان نے فرمایا کہ قیس بن عمر قابل احتجاج نہیں ہے۔اھ تو یہ قول مردود ہے،ہم اسکو دیوار پر مارتے ہیں اور اسکی (عینی کی) شرح ہدایہ اور عمدة القاری وغیرہ میں یہ عادت ہے کہ جب حدیث اسکے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو وہ

اس کے راویوں پر کلام کرتا ہے، جرح پیش کرتا ہے اور تعدیل سے خاموش رہتا ہے اور جب حدیث اسکے مذہب کے موافق ہوتی ہے تو وہ جرح سے سکوت کرتا ہے، اگرچہ اُس حدیث میں شدید ضعف ہی کیوں نہ ہو اور یہ اسکی کتاب کے عیبوں میں سے ۔اھ (اعلام اہل العصر، ص: ۲۱۰/۲۱۱)

جواب:

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے علامہ عینیؒ پر جو اعتراض کیا ہے جیسا کہ ماقبل سطور میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں وہی بات خود علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب میں موجود ہے علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے اپنی کتاب اعلام اہل العصر میں حدیث راویت کی ہے فرماتے ہیں:

"وَأَخرَجَ ابنُ حَزمٍ فِي المُحلّىٰ عَنِ الحَسن بْن ذَكْوان، عَنْ عَطَاء بْن أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الانْصَار، قَالَ رأى رَسُوْلُ اللّهِ ﷺ رَجُلاً يُصلّي بَعْد الغداة، فَقَال يَارَسُولَ الله ﷺ الَم أَكُنْ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْ الْفَجر فَصَلَّيْتُهما الآن، فَلَم يَقُل لَهُ شَيْئا،" قَالَ العراقي: واسناده حسن. (اعلام اهل العصر، ص: ۲۲۳)

عطا بن ابی رباح نے ایک انصاری سے راویت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد نماز پڑھ رہا ہے تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں ابھی پڑھ رہا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ بھی نہیں

کہا۔(عراقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اب اعتراض کا جواب سمجھیے کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے یہ حدیث ابن حزمؒ کی کتاب المحلی سے نقل تو کردی لیکن چونکہ یہ حدیث اسکے مذہب کی تائید کررہی ہے اس لئے اس نے اس حدیث کے راویوں پر کلام نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف علامہ عراقیؒ کی تحسین پر اعتماد کرکے آگے چل دیئے حالانکہ اس حدیث میں ایک راوی حسن بن ذکوان پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ قدری مذہب والا تھا، اس سے حدیث میں خطاء وہم ہوجاتی تھی، اور یہ مدلس بھی تھا اور مدلس جب "عن" کے صیغہ سے راویت کرتا ہے تو راویت علت سے خالی نہیں ہوتی۔لیکن اس کے باوجود شمس الحق عظیم آبادی صاحب بالکل خاموشی اختیار کرگئے اور راوی کی اس کیفیت سے اعراض کرگئے کیونکہ یہ حدیث اسکے مذہب کے موافق ہے۔لیکن جب بات دوسروں کے دلائل کی آتی ہے اور حدیث دوسروں کے مذہب کے موافق ہوتی ہے تو پھر علامہ صاحب اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ کی راویت ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے لیکن دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے، اور وہ خود لگاتار روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو لگاتار روزے رکھنے سے منع فرماتے تھے۔(ابوداود، کتاب التطوع، باب من رخصا فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ حدیث: ۱۲۸۰)

اسی طرح مسند احمد میں ام سلمہؓ کی راویت ہے وہ فرماتی ہیں:

"میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ہم سنت فجر کی قضاء پڑھ لیا کریں جبکہ وہ ہم سے قضاء ہوجائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں

"(مسند احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۳۱۵، حدیث ام سلمة، تحقیق شعیب الارنؤط)

ان دوراویتوں کوضعیف ثابت کرنے کیلئے علامہ صاحب نے اپنی کتاب اعلام اہل العصر (۲۰۹/۱۹۷) میں خوب زور لگایا اور ان احادیث کوکمزور ثابت کیا ہے حالانکہ محدثین نے ان احادیث کے اسناد کی تصحیح فرمائی ہے۔مگر پھر بھی چونکہ یہ احادیث علامہ صاحب کے مذہب کے خلاف ہیں اسلئے وہ ان کورد کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہ احادیث ان متواتر احادیث کے موافق ہیں کہ جن میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن پھر بھی وہ ان احادیث کومجروح قرار دیتا ہے۔اور جب بات اپنے مذہب کی تائید کی آتی ہے تو پھر وہ حدیث کی تحقیق اور رواۃ پر کلام کرنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے اور صرف علامہ عراقیؒ کی تحسین پر خوشی مناتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کی تحسین کی ہے اور اسکی علتوں کوظاہر کرنے کی زحمت نہیں فرماتے اور ایک لفظ بھی اسکے متعلق جناب کی زبان مبارک سے نہیں نکلتا مگر پھر بھی وہ جا کر علامہ عینیؒ پر اسی بات کی وجہ سے رد کرتے ہیں:

> "کہ جب حدیث اسکے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو وہ اس کے راویوں پر کلام کرتا ہے انکے متعلق صرف جرح کے اقوال نقل کرتا ہے اور تعدیل سے چشم پوشی کرتا ہے اور جب حدیث اسکے مذہب کے موافق ہوتی تو وہ جرح سے چشم پوشی کرتا ہے اگر چہ وہ حدیث شدید ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور یہی اسکی کتاب کے عیبوب میں سے ہے۔اھ

اس معترض صاحب کواپنی آنکھ کے شہتیر سے تو تکلیف نہیں ہوتی لیکن دوسرے کی آنکھ کے تنکے

سے درد ہوتا ہے پہلے تو اس معترض صاحب کو اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہئے کہ جو عیب میں دوسروں میں دیکھتا ہوں وہ تو خود مجھ میں اور میری کتاب میں موجود ہے کہ جو حدیث میرے مذہب کے مطابق ہوتی ہے میں اس پر کلام کرنے سے چشم پوشی کرتا ہوں لیکن جب حدیث میرے مذہب کے مطابق نہیں ہوتی تو میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسکو ضعیف اور ناقابل حجت بتاتا ہوں اگر چہ وہ حدیث صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ہم علامہ صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوگئی کہ امام عطاء "جس انصاری سے راویت کرتے ہیں کیا انہوں نے اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ وہ انصاری صحابی ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ کیونکر ممکن نہیں کہ یہ انصاری تابعی ہو جسکا تعلق انصار کے قبیلہ سے ہو کیا ہر انصاری صحابی ہوتا ہے؟ اور پھر خاص کر سفیانؒ نے خود اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ عطاءؒ نے یہ حدیث سعد بن سعید جو یحیٰی بن سعید انصاری کا بھائی ہے سے سنی ہے جیسا کہ علامہ صاحب خود اس بات کو ترمذی اور ابوداود کے حوالہ سے ذکر چکے ہیں، اور سعد بن سعید بھی انصار ہی کا ایک آدمی ہے، پس امام عطاء کا "عن رجل من الانصار" سے مراد یہی سعد بن سعید ہی ہے، اور وہ اس حدیث کو محمد بن ابراہیم سے راویت کرتا ہے اور وہ قیس سے اور یہ سند بالاتفاق ضعیف ہے، اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ انصاری صحابی ہے تو اس کے ثبوت کیلئے کھلی دلیل درکار ہوگی کیونکہ امام عطاء کا "عن رجل من الانصار" کہنا اس کے ثبوت کی دلیل نہیں بلکہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عطاءؒ کے "عن رجل من الانصار" سے مراد سعد بن سعید ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا۔

پس یہ بات ثابت ہونے کے بعد کہ "عن رجل من الانصار" سے مراد سعد بن سعید ہی ہے علامہ عراقیؒ کا اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے، علامہ شمس الحق صاحب کو اس سے بالکل خوش نہیں ہونا

چاہئے۔اور اگر علامہ عراقی کا اس حدیث کو حسن کہنا صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ حدیث جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں مگر کراہت کیساتھ دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے۔(ملخصاوبتغیر یسیر،اعلاءالسنن)

اب اگر کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے تو اُسے یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ احناف حتی الامکان حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب تک حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور صریح متواتر کے خلاف نہ ہو یہاں تک احناف کے نزدیک حدیث ضعیف،مرسل،مدلس اور منقطع تک قیاس پر مقدم ہے جیسا کہ احناف کے اصول میں یہ بات مصرح ہے،پس جو شخص ان پر احادیث ردکرنے کا الزام لگاتا ہے وہ جھوٹا ہے اور ان پر افتراء باندھتا ہے۔اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو اس کو معلوم ہوجائے گا کہ علامہ شمس الحق صاحب وہی ہیں کہ جو بعض احادیث کو بعض احادیث کی وجہ سے رد کردیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس مقام پر کیا ہے کہ ایک مرسل راویت کیلئے انہوں نے متواتر احادیث کو رد کردیا اور نماز فجر کے بعد بغیر کراہت کے سنتیں پڑھنے کی اجازت دے دی اور ان متواتر احادیث کو ضعیف اور خبر واحد کے ساتھ خاص کردیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ علامہ شمس الحق صاحب کا خود یہ فعل کہ وہ اپنے مذہب کی تائید کیلئے ضعیف حدیث کو بھی صحیح بنا کر پیش کرتے ہیں'' دیوار پر مارنے کے قابل ہے کہ نہیں جیسا کہ انہوں نے علامہ عینیؒ کے حوالہ سے کہا تھا کہ اسکا یہ قول مردود ہے اور ہم اس کو دیوار پر مارتے ہیں۔یقنا ان کا یہ طرز عمل اس قابل ہے کہ ہم اس اس قول کو دیوار پر ماردیں۔

تیسری تصریح:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ فرماتے ہیں:

''وَحَدِيثُ قَيس مُرسَلٌ ،قَالهُ أَحْمد والتِرمذی لأَنَّهُ يَرْوِيهٖ محمد بْنُ إبْراهيمْ عَنْ قَيس .ولَمْ يسمَع منه .وروی مِنْ طَرِيق يحيیٰ بن سعيد عن جدهٖ وهو مرسل أيْضا(المغنی علی مختصر الخرقی ج: ٢،ص: ٦٩)

اور قیس کی حدیث مرسل ہے یہ امام احمد اور ترمذیؒ نے فرمایا ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم قیس سے راویت کرتا ہے اور اُس نے اس سے سماع نہیں کیا ہے۔اور یہ حدیث یحییٰ بن سعید عن جدہ کی سند سے بھی راویت کی گئی ہیں لیکن یہ سند بھی مرسل ہے۔

چوتھی تصریح

علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''ثُمَّ اِنَّ حَدِيثَ الْبَابِ مُرْسَلٌ ،وَعلٰی اِرْسَالِهٖ أكْثَرُ الْمُحَدِّثِينَ،قَالَ أبُوْداوُد روِیَ عُبدرَبِّهٖ اِبنا سعِيْد هذا الحَدِيْثُ مُرْسَلاً،وَكَذلِكَ يَرْوِيهِ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ سَعِيْد أَخ يَحيیٰ بْنُ سَعِيْد عَنْ جدِّهٖ عَنـدَ أحْمَد ،كَمـا فِیْ ''بَذلِ الْمَجْهُودِ''(١-٢٦٥)وَكَانَ أبَاداوُدُ رَجّحَ الارْسَالَ كَمَا رَجّح التِرمِذیُّ......الخ .(معارف السنن ،ج: ۴،ص: ۹۳/۹۴)

پھر یہ کہ حدیث الباب مرسل ہے،اور اس کے ارسال پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے،امام ابوداودؒ نے فرمایا کہ عبدربہ نے سعید کے بیٹوں سے یہ حدیث مرسل راویت کی ہے،اور اسی طرح عبداللہ بن سعید یحییٰ بن

سعید کا بھائی اپنے دادا سے مسند احمد میں راویت کرتا ہے، جیسا کہ ''بذل المجھود'' (۱-۲۶۵) میں ہے، اور امام ابوداودؒ نے ارسال کو ترجیح دی جیسا کہ امام ترمذی نے ارسال کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسری توجیہ:

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

''وَثَانِيًا لَمَّا ثَبَتَ: نَهْيُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَسُكُوْتُهُ عَلَيْهِ السَّلَام لَايُحْمَلُ عَلٰى التَّقْرِيْرِ. (بذل الْمَجهود، ج: ۲، ص: ۲۶۴)

پس جب نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک نماز پڑھنے کی نہی (احادیث صحیحہ سے) ثابت ہے (جسکی تفصیل گزر چکی ہے) تو پھر رسول اللہ ﷺ کے سکوت کو تقریر پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ:

یہ جواب (ابوداود ج: ۱، ص: ۴۰۶، دارالفکر بیروت) کی راویت پر مبنی ہے ابوداود کی راویت میں یہ الفاظ ہیں ''فسکت رسول اللہ ﷺ'' اور پھر اگر آپ ﷺ کا سکوت تقریر پر دلالت بھی کرے تو پھر بھی ممانعت والی احادیث قولی ہیں اور قولی حدیث فعلی اور تقریری پر مقدم ہوتی ہے اور ترجیح قولی حدیث کو ہوگی کیونکہ فعلی اور تقریری حدیث قولی حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہوتی ہے اور مرجوح راجح کے مقابلہ میں دلیل نہیں ہوا کرتا پس اس کے ترک کرنے سے حدیث کو ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ پس احناف پر احادیث کے ترک کرنے کا الزام بے بنیاد ہے جو کہ تعصب کا نتیجہ ہے۔

تیسری توجیہ:

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ رقمطراز ہیں:

''وَأَمَّا ثَالِثًا فَيَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الْوَاقِعَةُ قَبْلَ النَّهْيِ ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا''. (بذل الْمَجهود، ج: ۲، ص: ۲۶۴)

ہوسکتا ہے یہ واقعہ منع سے قبل کا ہو اور بعد میں اس سے روکا گیا ہو۔

چوتھی توجیہ:

''احناف اور حنابلہ کے نزدیک کلمہ ''اذن'' اس مقام پر منع کیلئے ہے''

''لفظ ''اِذن'' کی تحقیق''

کلمہ ''فلا اِذن'' کس چیز سے مرکب ہے:

علامہ کافیجی حنفیؒ فرماتے ہیں:

''قَالَ الْعَلَّامَةُ الْكَافِيَجِيُّ: اِنَّ كَلِمَةَ ''اِذَنْ'' فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ﴾ لَيْسَتْ اِذًا هٰذِهِ الْكَلِمَةُ الْمَعْهُوْدَةُ، وَاِنَّمَا هِيَ ''اِذَا'' الشَّرْطِيَّةُ، حُذِفَتْ جُمْلَتُهَا الَّتِيْ تُضَافُ اِلَيْهَا وَعُوِّضَ عَنْهَا التَّنْوِيْنُ، كَمَا فِيْ يَوْمَئِذٍ'' (معارف السنن، ج: ۴، ص: ۹۳/۹۴)

کلمہ ''اذن'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ﴾ یہ کلمہ متبادرہ نہیں ہے بلکہ اسمیں ''اذا'' شرطیہ ہے اور اسکے مضاف الیہ جملہ کو حذف کیا گیا ہے اور اسکے عوض میں اسکو

تنوین دی گئی ہے جیسا کہ ''یومئذ'' میں کیا گیا ہے۔

کلمہ ''فلا اذن'' کی مراد میں احناف اور شوافع کا اختلاف

علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''وَاخْتَلَفَ الْحَنَفِيَّةُ وَ الشَّافِعِيَّةُ فِيْ مُرَادِهٖ،فَقَالَ الْحَنَفِيَّةُ: مَعْنَاهُ:''فَلَا تُصَلِّ اِذَنْ،وَاِنْ لَمْ تُصَلِّهِمَا فَكَانَ قَوْلُهٗ ﷺ لِلْاِنْكَارِ.وَقَالَ الشَّافِعِيَّةُ:''مَعْنَاهُ:فَلَا بَأْسَ اِذَنْ،اَيْ جَازَ اَنْ تُصَلِّيَهُمَا،فَكَانَ لِاِقْرَارِ دُوْنَ الاِنْكَارِ.(معارف السنن ،ج:۴،ص:۹۳/۹۴)

ترجمہ:

کلمہ ''فلا اذن'' کی مراد میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ: فلا اذن کا مطلب یہ کہ اس وقت سنتیں نہ پڑھو اگر چہ تم نے نہیں پڑھی ہیں پس اس شرح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول انکار کیلئے ہوگا۔اور شوافع کہتے ہیں کہ ''اسکا معنی ہے کہ اس وقت سنتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو اس شرح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول اقرار کیلئے ہوگا نہ کہ انکار کیلئے۔

اعتراض:

فلا اذن میں کلمہ ''فاء'' فصیحہ مربوطہ ہے ماقبل کیساتھ یعنی اسکا ربط ماقبل کیساتھ ہے نہ کہ انکار کیساتھ جیسا کہ احناف کہتے ہیں، کیونکہ معرض انکار میں فاء داخل نہیں ہوتا، تو اس لحاظ سے شوافع کی شرح درست ہے کہ ''فلا اذن'' کا معنی لاباس ہے، اور ''فاء'' کا داخل ہونا اس شرح کے موافق

درست ہے؟

جواب:

ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ کلمہ ''فاء'' معرض انکار میں داخل ہی نہیں ہوتا تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

کلمہ ''فاء'' کے معرض انکار میں داخل ہونے کا ثبوت قران کریم سے''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾[الطور]

علامہ زمخشری اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

كَمَا قَرَّرَهُ الزَّمَخْشَرِيُّ قَالَ فِي ''الْكَشَّافِ''(۳-۱۴۰) فِي ''سُوْرَةِ الطُّوْرِ'' فِيْ تَفْسِيْرِهٖ ''اَفَسِحْرٌ هٰذَا)يَعْنِيْ كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ لِلْوَحْيِ:هٰذَا سِحْرٌ،اَفَسِحْرٌ هٰذَا؟ يُرِيْدُ اَهٰذَا الْمِصْدَاقُ اَيْضًا سِحْرٌ؟ وَدَخَلَتِ الْفَاءُ لِهٰذَا الْمَعْنٰى،﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ كَمَا كُنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ فِي الدُّنْيَا يَعْنِيْ اَمْ اَنْتُمْ عُمْيٌ عَنِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ كَمَا كُنْتُمْ عُمْيًا عَنِ الْخَبَرِ وَهٰذَا تَقْرِيْعٌ وَتَهَكُّمٌ.اه

افسحر ہذا کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یعنی کہ تم اس وحی کو جادو کہتے ہو ''افسحر ھذا'' سے مراد یہ ہے کہ کیا یہ مصداق بھی جادو ہے، تو یہاں پر بھی کلمہ ''فاء'' اس معنی (یعنی معنی انکار پر داخل ہوا ہے) ﴿ کیا تم دیکھتے نہیں ہو﴾ جیسا کہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے یعنی کیا تم اس (وحی) کی

خبر دینے والے سے اندھے ہو جیسا کہ تم اس خبر سے اندھے تھے یہ تو محض ہٹ دھرمی ہے۔

کلمہ ''اِذن'' کے انکار کیلئے استعمال کے نظائر''

اب یہ بات سمجھیے کہ پہلی نظیر جو ذکر کی جارہی ہے یہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ذکر فرمائی ہے اور اس سے پہلے فرمایا ہے کہ:

''ثُمَّ تَتَبَّعْتُ الْأَمْثِلَةَ لِمِثْلِ هذه الْمُحَاورة أي اسْتِعْمَال مثل ''فلااذن'' للانكار فَوجدتُ أَمْثِلَةً مِنْهَا مَافِيْ مسلم الملجد الثانى ......الخ

پھر میں نے فلااذن کے محاورہ کا انکار کیلئے استعمال کی مثالوں کو تلاش کیا تو میں نے کئی مثالیں پالیں جن میں مسلم جلد ثانی میں نعمان بن بشیر کی مندرجہ ذیل راویت ہے:

پہلی نظیر:

''عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ ،قَالَ :اِنْطَلَقَ بِيْ أَبِيْ يَحْمِلُنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اشْهَدْ أَنِّيْ قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ كَذا و كَذا مِنْ مَالِيْ ،فَقَالَ'' أَكُلُّ بَنِيْكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ؟ قَالَ :لاَ ،قَالَ :فَاشْهَدْ علىٰ هذا غَيْرِىْ '' ثُمَّ قَالَ :''أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِيْ الْبِرِّ سَوَاءً'' ''قَالَ :بَلىٰ ،قَالَ :''فَلا اِذاً'' (العرف الشذى ،ج: ا ،ص: ۴۸۰ معار ف السنن ،ج: ۴،ص: ۹۳/۹۴)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے راویت ہے انہوں نے فرمایا کہ: ''میرے والد صاحب مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ گواہ رہئے کہ میں نے اپنے مال میں سے نعمان کو فلاں فلاں چیزیں ہبہ کر دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اتنا مال ہبہ کر دیا ہے جتنا کہ نعمان کو؟ تو انہوں کہا کہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو تم میرے علاوہ کسی اور کو اس پر گواہ بنادو! پھر فرمایا کہ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تماری اولاد بھلائی میں تمہارے لئے برابر ہو' انہوں کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ ﷺ، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔

فائدہ:

اس مثال میں رسول اللہ ﷺ نے نعمان بن بشیرؓ کو کلمہ ''فلا اذن'' فرما کر منع فرمایا کہ ایسا نہ کرو بعض اولاد کو بعض پر ہبہ میں برتری نہ دو۔ پس اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلمہ ''فلا اذن'' انکار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تخریج امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں کتاب الھبات، باب کراہۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ (۵۸/۱۱) پر فرمائی ہے۔

کلمہ اذن کے انکار کیلئے استعمال کے دیگر نظائر سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ کلمہ نہ انکار میں نص ہے اور نہ ہی اقرار میں مطلب یہ ہے کہ کلمہ اذن کا استعمال بہت سے احادیث میں اقرار کیلئے بھی ہوا ہے اور بہت سی احادیث میں انکار کیلئے بھی ہوا ہے مندرذیل میں جو چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں اُن مثالوں کی طرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اثار السنن پر تعلیقات میں

اشارہ فرمایا ہے جن مثالوں کو علامہ یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں جمع فرما کر ایک ہی مقام پران کی تخریج فرمادی ہے اوران مثالوں کے متعلق یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"أَقُوْلُ: وَلَهَا نَظَائِر أُخَر، وَإِنْ كَانَ بَعْضُها غَيْر صَرِيح فِيْ الانكار فنذكرها فيما يَلِيْ ممَّا وقفنا عَلَيْه.

میں کہتا ہوں کہ: "اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں اگرچہ اسمیں بعض انکار میں غیر صریح ہیں پس ہم یہاں پر وہ ذکر تے ہیں جو ہمارے علم میں ہیں۔

مندرجہ ذیل نظائر کو علامہ یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے:

دوسری نظیر:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حَاضَت فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ (أَحَابِسَتُنَا هِيَ) قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَت قَالَ (فَلاَ إِذًا) (صحيح البخاری، ابواب الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ماافاضت، ج ۲ ص: ۲۲۵)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ صفیہ بنت حیی نبی کریم ﷺ کی زوجہ حائضہ ہوئی تو میں نے اسکا ذکر رسول ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اُس نے ہمیں طواف سے روک لیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم پر حبس نہیں ہے۔

تیسری نظیر:

مشکل الآثار میں امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہیں جس میں ہے:

"فَقَالَ: "هَل قَالَ يَوْمًا وَاحِداً اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ نَارِ جَهَنَّم"؟ قُلْتُ: لا مَا كَانَ يَدْرِيْ مَاجَهَنَّم، قَالَ: "فلا إذاً"

(مشکل الاثار، ج:۴، ص:۴، مکتبہ عمریہ کوئٹہ)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "کیا اُس نے ایک دن بھی یہ دعا مانگی ہے کہ اے اللہ میں تم سے جہنم کی آگ سے پناہ مانگتا ہوں"؟ میں نے کہا کہ نہیں وہ یہ نہیں جانتا کہ جہنم کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر کبھی نہیں۔

چوتھی نظیر:

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا مَا فِيْ الصحيح "فی حدِيْثٍ طَوِيْلٍ فِيْ (بَاب قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالىٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَينٍ إِذ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ......الخ) وَفِيهِ: فَقَال أَبُوْبَكْر: "لا هَا اللّٰهُ إِذاً" (معارف السنن، ج:۴، ص:۹۵)

اوراسی طرح صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث جو کہ (باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ویوم حنین إذ أعجبتکم کثرتکم ......الخ میں ہے اوراسمیں ہے ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب نہیں۔

پانچویں نظیر:

وَمِنْهَا مَافِی "الکُنی" للدولابی (۲-۱۶۱) فِی حدِیْثِ عَبْدُ اللّٰهِ بْن الزُّبَیْرِ: "اِذا رأیت الاِخلاص أیَضُرُّ مَعَهُ عَمَلٌ؟ قَالَ لاهَا اللّٰهُ اِذاً" (الکنی للدولابی ج:۲، ص:۱۶۱، معارف السنن، ج:۴، ص:۹۵)

جب تم عمل میں اخلاص دیکھو تو کیا پھر اخلاص کیساتھ کوئی عمل نقصان دے سکتا ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ کی قسم کبھی نہیں۔

چھٹی نظیر:

"وَمِنْهَامَافِی "الفَتح" (۱۲-۱۳۸): فَقَال عُمر: "فَسَیْفَانِ فِی غَمدٍ اِذًا لایصلحان. (فتح ج:۱۲، ص:۱۳۸، معارف السنن، ج:۴، ص:۹۵)

عمرؓ نے فرمایا کہ دو تلواریں ایک نیام میں کسی بھی وقت درست نہیں ہوسکتیں۔

ساتویں نظیر:

"وَمِنْهَا مَافِی حَدِیْث جَابر بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عِند الترمذی فی الاشْربة فی (باب الرخصة أنْ یَنْتَبذ فی الظُروف): نهی رسُولُ ﷺ عنِ الظُروفِ فشکتْ اِلَیْهِ الأنْصار فَقَالُوْا: لَیْسَ لَنا وِعَاء، قَال: فَلااِذًا" (الجامع الترمذی، ج:۲، ص:۹، معارف السنن ج:۴، ص:۹۵)

رسول ﷺ نے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا تو انصار نے عرض کیا اور کہا کہ ہمارے پاس دوسرے برتن نہیں ہیں تو رسول ﷺ نے فلا اذن فرمایا کہ پھر اجازت ہے۔

جس زمانے میں شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی تو لوگ جن برتنوں میں شراب بنایا کرتے تھے رسول ﷺ نے شراب کی حرمت کے بعد ان برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا تاکہ ان کو دوبارہ اس کی خواہش نہ ہو جائے اس پر انصار نے عرض کیا کہ ان برتنوں کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور برتن نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے ان کو اجازت دے دی۔

"ارشاد الحق اثری صاحب کے اوہام واعتراضات کا جائزہ"

ارشاد الحق اثری صاحب سے علامہ بنوریؒ کی تحقیق انیق ہضم نہ ہوسکی تو وہ علامہ بنوریؒ کی بیان کردہ نظائر پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ:

"علامہ بنوریؒ نے "فلا اذا" کا معنی انکار کیلئے ثابت کرنے اور علامہ کشمیریؒ کی تائید اور تلمذ کا حق ادا کرنے کیلئے کئی مثالیں ذکر کی ہیں تو اس ضمن میں انکا شیخ مبارکفوری پر اعتراض کرنا کوئی بعید بات نہیں ہے بلکہ یہ طبعی بات ہے اس کی ہم ان سے شکایت نہیں کرتے لیکن کیا اسکے باوجود عدم تقید بالاصول جائز ہے۔؟

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذن" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمة سے جو مثال پیش کی ہے، اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجرؒ اور شیخ سہارنپوریؒ کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان

کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ بنوریؒ نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا حمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسرے مثالوں کا حال بھی ہوسکتا ہے جوانہوں نے اس باب میں ذکر کی ہیں۔اھ(بعض احکام رکعتی الفجر علی ذیل اعلام اہل العصر ،ص:۲۹۶)

جواب اعتراض:

اقول:

میں کہتا ہوں کہ علامہ یوسف بنوریؒ "فلا اذا" کا معنی "انکار" کا کرنے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ حنابلہ بھی "فلا اذا" کا معنی "انکار" کرنے کا بیان کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ المغنی علی مختصر الخرقی میں حدیث قیس کو نقل فرما کر فرماتے ہیں:

"وَهذا يَحتَمِلُ النَّهى .وَاِذا كَانَ الأَمرُ هكذا كَانَ تأْخِيرُها اِلى وَقتِ الضُحىٰ أَحسن لِنَخرُجَ مِنَ الخِلاف ،وَلا نُخالف عُمُوم الحَدِيث.....الخ(المغنى على مختصر الخرقى ،ج:۲،ص:۹۶)

اور یہ کلمہ (فلا اذا) نہی کا احتمال رکھتا ہے اور جب معاملہ ایسا ہے تو سنت فجر کو چاشت کے وقت تک مؤخر کرنا بہت بہتر ہے تا کہ ہم اختلاف سے نکل سکیں،اور ہم حدیث کے عموم کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

اب اس تصریح سے آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ علامہ ابن قدامہؒ نے بھی حدیث میں "فلا اذا" کا منع نہی کا بیان فرمایا کہ یہ نہی کا احتمال رکھتا ہے۔لیکن ارشاد الحق اثری صاحب کو تو

فقہ سے نفرت ہے وہ تو صرف احناف کی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور وہ بھی اسلئے کہ اُن پر رد کر سکے اُن کو فقہ حنبلی یا دیگر مذاہب کی فقہ کی کتابوں کو دیکھنے کی فرصت کہاں ہے کہ وہ یہ بات جان سکے کہ "فلا اذا" کے انکار والے معنی کا مذہب صرف احناف کا نہیں بلکہ حنابلہ بھی اسکے احتمال کے قائل ہیں۔

قولہ:

اور ارشاد الحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذا" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ سے جو مثال پیش کی ہے،اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجرؒ اور شیخ سہارنپوریؒ کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ بنوریؒ نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا حمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسری مثالوں کا حال بھی ہوسکتا ہے جوانہوں نے اس باب میں ذکر کی ہیں۔اھ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ ارشاد الحق اثری صاحب کا وہم ہے جوانہوں نے کہا ہے کہ:

"اور عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خود "فلا اذا" کے انکار والے معنی کی تقریر کیلئے صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ ......الخ"

علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے یہ مثال صحیح بخاری کتاب الاطعمہ سے نہیں بلکہ ترمذی کتاب الاشربہ کے حوالہ سے بیان کی ہے لیکن ارشادالحق اثری صاحب کے وہم کا کیا کریں کہ وہ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں وہ معارف السنن میں کتابتی غلطی کو بھی نہیں پہچان سکے معارف السنن میں علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

"وَمِنهَا مَافِیْ حَدِیْث جَابِر بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عِند الترمذی فی الاطعمة"

حالانکہ یہ حدیث ترمذی میں کتاب الاطعمہ میں نہیں بلکہ کتاب الاشربہ میں ہے اور یہ کاتب کی غلطی سے کتاب الاشربہ کی جگہ کتاب الاطعمہ لکھا گیا ہے لیکن ارشادالحق اثری صاحب نے صرف "کتاب الاطعمہ" کو دیکھا لیکن "عندالترمذی" کی تصریح نہیں دیکھی اور اس وجہ سے اُس نے معارف السنن کی عبارت میں تصحیف کرڈالی کہ "عندالترمذی فی الاطعمہ" کی جگہ "کتاب الاطعمہ من صحیح البخاری" کو بنالیا اب آپ بتائیں کہ تعجب علامہ یوسف بنوریؒ پر ہونی چاہئے یا کہ ارشادالحق اثری صاحب پر؟ یقینا قابل تعجب ارشاالحق اثری صاحب ہی ہیں!

قولہ:

اور ارشادالحق اثری صاحب کا یہ کہنا کہ:

اور تحقیق یہ کہ تم نے ابن حجرؒ اور شیخ سہارنپوریؒ کا یہ قول پڑھا ہے کہ انہوں اس مقام پر "فلا اذا" کا معنی ان برتنوں کے استعمال کے جواز کا بیان کیا ہے نہ کہ منع کرنے کا لیکن شیخ بنوریؒ نے شارحین حدیث کی شرح سے چشم پوشی فرما کر اس کا حمل منع کے معنی پر کیا ہے اور اسی تقدیر سے دوسرے مثالوں کا حال بھی ہوسکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں

ذکر کی ہیں۔اھ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

یہ کہنا بھی ارشادالحق اثری صاحب کا وہم ہے کہ اُنہوں نے علامہ یوسف بنوریؒ کی بیان کردہ اس حدیث کو بالجزم انکار کے معنی ہی کیلئے سمجھا حالانکہ یہ احادیث بیان کرنے سے پہلے خود علامہ یوسف بنوریؒ نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ:

"وَلَهَا نَظَائِر اُخَر وَاِنْ کَانَ بَعْضُهَا غیر صَرِیح فِی الانکار ......الخ (معارف، ج:۴، ص:۹۵)

اور اسکی (یعنی کلمہ فلا اذن کے استعمال کی) بہت سی مثالیں ہیں اگرچہ بعض اس میں انکار کے معنی میں صریح نہیں ہیں۔

اب یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ علامہ یوسف بنوریؒ کے نزدیک اس حدیث میں "فلا اذن" کا کلمہ انکار میں صریح نہیں ہے یعنی اُنکے نزدیک یہ بالجزم انکار کیلئے نہیں ہے تو پھر علامہ یوسف بنوریؒ پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے دیگر شراح حدیث کی شرح سے چشم پوشی کی ہے انہوں نے "فلا اذن" کا معنی جواز کا بیان کیا ہے اور یوسف بنوریؒ نے عدم جواز کیلئے دلیل بنالیا۔ پس یہ الزام قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ یوسف بنوریؒ نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَاَمَّا کلمة "فَلَااذن" لَیس نَصًافِیْ الاقرار کَماهُوَ لَیس نصاً فی الانکار. (معارف السنن، ج:۴، ص:۹۸)

اور رہی بات کلمہ "فلااذن" کی تو یہ اقرار میں نص نہیں ہے جیسا کہ انکار

میں بھی نص نہیں ہے۔

اب ان تصریحات کے باوجود بھی یوسف بنوریؒ پر یہ اعتراض کرنا کہ انہوں نے حدیث میں ''فلا اذن'' کو جواز سے انکار پر محمول پر فرما کر دیگر محدثین کی مخالفت کی ہے تعصب وعناد کے سوا کچھ بھی نہیں۔

واذااتتک مذمتی من ناقص — فھی الشھادۃ لی بانی کامل

پانچویں توجیہ:

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''قَالَ شَیْخُنَا: لَمَّا سَبَقَ اِنْکَارُهُ ﷺ فَسَکُوْتُهُ بعْدَ هُ لاَ یَدلُّ علیٰ الاِذْنِ، وَنَظِیرُهُ مَاعِنْدَ النِسَائِی فِیْ ''سننه'' (۱-۲۱۳) (بَابُ الْمَقَامُ الَّذِیْ یَقْصِرُ بِمُثِلِهِ الصَّلاۃُ) مِنْ حدِیثِ عَائِشَةَ: ''قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّی قَصَرْتُ وَ أَتْمَمْتُ وَأَفْطَرْتُ وَصُمْتُ؟ قَالَ: أَحْسَنْتِ یَاعَائِشَةَ''. وَذٰلِکَ فِیْ حَجَّةِ الوداعِ، فَظَاهِرُهُ یَدلُّ علیٰ أَنَّ الصَّومَ وَاِتْمَامُ الصَّلاۃِ فِی السَّفَرِ کُلُّ ذلکَ حَسنٌ، وَلَمْ یَثْبُت فِیْ وَاقِعَةٍوَاحِدَةٍ اِتمامُهُ ﷺ الصَّلاۃ فِیْ السَّفَرِ، وَکذا لَمْ یَثْبُتْ عَنِ الشَّیْخَینِ أَبِی بَکْرٍوَعُمَرٍوَ اسْتَمَرَّأَمْرَه ﷺ علی القَصْرِ فِیْ السَّفرِ بِاعْتِرافِ الْمُحَدِّثِین حتی أَنْکَر الحَافِظ ابْنُ تَیْمِیَة جواز الاِتمَامِ...... فَکَمَا أَنَّهُ ﷺ أَغْمَضَ عَنْ فِعْل عَائِشَةَ وَتَجاوَزَ عَنه ﷺ وَلَمْ یعبْ عَلَیْها فِعْلَهَا لِعُدِم عِلْمِهَا بِالْمَسْأَلَةِفَکَذا هَهُنا فِیْ حَدِیْث البَابِ سَامَحَهُ لِعَدْمِ عِلْمِهِ، فِانْ کَان قَوْلُهُ

ﷺ لَهَا: ''أَحْسَنْتِ'' لاَیَدلُّ علی اَنَّ الاِتْمَام جائزٌ، فکیفَ یَدلُّ نَفْسَ سُکُوْتِهٖ علیٰ الاِبَاحَةِفی مِثْلِهٖ. (معارف السنن، ج: ۴، ص: ۹۵/۹۶)

ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ: ''جب ماقبل میں رسول اللہ ﷺ کا انکار گزر چکا تو پھر اس کے بعد آپ ﷺ (قیسؓ کے اس عمل پر) سکوت اجازت پر دلالت نہیں کرتا اور اسکی نظیر امام نسائی کی ''سنن نسائی'' میں ......حضرت عائشہؓ کی راویت ہے (انہوں) نے کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فداء ہوں میں نے سفر میں نماز میں قصر بھی کیا اور اتمام بھی کی روزے بھی رکھے اور افطاری بھی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ تم نے اچھا کیا''۔ اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، یہ (حدیث) ظاہرا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نماز میں اتمام کرنا یہ سب چیزیں مستحسن ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ سے کسی ایک واقعہ میں بھی سفر میں اتمام ثابت نہیں ہے، اور اسی طرح نہ ہی شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ سے سفر اتمام ثابت ہے، اور باعتراف محدثین سفر میں آپ ﷺ کی عادۃ مستمر قصر کرنے ہی پر رہی یہاں تک حافظ ابن تیمیہؒ نے سفر میں اتمام کے جواز سے بھی انکار کر دیا...... پس جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس عمل میں مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے چشم پوشی فرمائی اور عدم علم کی وجہ سے اسکی اس عمل کو معیوب نہ سمجھا تو بالکل اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت

قیسؓ کے عمل کو بھی اسکے عدم علم کی وجہ سے معیوب نہ سمجھا اور مسامحت کی ،تو اگر آپ ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو ''اُحسنت'' کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اتمام جائز ہے تو پھر آپ ﷺ کا حضرت قیسؓ کے عمل پر نفس سکوت (نماز فجر کے بعد) سنت فجر پڑھنے کی اباحت پر کیسے دلیل بن سکتا ہے؟

چھٹی توجیہ:

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''اِسْتَقَرَّتِ الْقَاعِدَةُ أَنَّ الْمُبِيحَ وَالْحَاظِرَ إِذَا تَعَارَضَا جُعِلَ الْحَاظِرُ مُتَأَخِّراً وَقَدْ وَرَدَ نَهْيٌ كَثِيرٌ فِي أَحَادِيْث كَثِيرَةٍ ......الخ. (عمدة القاري شرح البخاري ، ج: ٥، ص: ٧٨)

یہ قاعدہ مستقرہ ہے کہ جب مباح اور ممنوع چیز کا آپس میں تعارض ہو جائے تو ممنوع چیز مباح چیز سے مؤخر ہوگی ،اور تحقیق یہ کہ (اوقات مکروہا میں نماز پڑھنے سے) نہی احادیث (صحیحہ) میں کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

''شمس الحق عظیم آبادیؒ اور علامہ عینیؒ پر اعتراض''

علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے علامہ عینیؒ کے مذکورہ قاعدے پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اور خلاصہ کلام یہ کہ جب منع والی احادیث پر مختلف انواع کی تخصیص داخل ہوئی ہے تو پھر نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنا بھی اسی قبیل سے

كشف الغرر عن سنة الفجر — سنت فجر عندالاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

ہے ،اور یہی حق ہے جسکے سوا چارہ کار نہیں ،اور اس سے شیخ بدر الدین عینی کا یہ قول بھی باطل ہو گیا جو کہ انہوں نے عمدة القاری میں حدیث قیس کے بعد ذکر کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ یہ مسلم قاعدہ ہے کہ جب ممنوع اور مباح چیز آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح ممنوع کو ہوگی ،اور تحقیق یہ کہ نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کی ممانعت پر بہت سی احادیث میں نہی وارد ہوئی ہے۔اھ

کیونکہ دو متعارض حدیثوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے تطبیق کرنا لازم ہے اور اس صورت میں بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنا لازم آتا ہے اور یہ بہت ہی قبیح فعل ہے ،جسکو کوئی بھی سلیم الطبع شخص قبول نہیں کر سکتا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قاعدہ انکے مذہب کے بہت سے مسائل کو رد کر دیتا ہے ،جیسا کہ ذکر کے چھونے سے ،اُونٹ کا گوشت کھانے سے ،وضوء کا نہ ٹوٹنا ،تو پھر یہ وضوء ٹوٹنے والی احادیث کو ترجیح کیوں نہیں دیتا۔ (اعلام اہل العصر ،ص: ۲۰۸)

جواب:

ہم شمس الحق عظیم آبادی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب ہم نے ابو ہریرہؓ کی حدیث ''اذا اقیمت الصلاة ......الخ کی تخصیص ابو ہریرہؓ کی دوسری حدیث ''لا تدعوهما وان طردتکم الخیل'' سے کی اور تطبیق کی راہ نکالی کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے عمل سے اس حدیث کی تخصیص ثابت ہے تو وہاں پر علامہ صاحب کی زبان تلوار کی طرح چلتی ہے اور فرماتے ہیں:

"بل لایجوز تخصیصها وَمَنْ یُخَصِّصُهَا فَهُو مُعَانِد
مُتَعَصِّب ......الخ"

بلکہ اس حدیث کی تخصیص جائز نہیں ہے اور جو شخص اس میں تخصیص
کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے۔

حالانکہ ہم نے جس حدیث سے "اذا اقیمت الصلاۃ......الحدیث" میں تخصیص کی ہے وہ دونوں احادیث قوت میں برابر ہیں یعنی دونوں مرفوع احادیث ہیں لیکن اسکے باوجود علامہ صاحب کو احناف سے تعصب وعناد کی وجہ سے وہ تخصیص راس نہ آئی اور اتنے آگے بڑھ گئے کہ بغیر سوچے سمجھے صحابہ کرامؓ تک کی شان میں بے ادبی کر گئے لیکن جب بات اپنے مذہب کی آئی تو پھر وہاں پر ضعیف اور مرسل راویات سے متواتر احادیث کی تخصیص کر کے کہتے ہیں کہ:

"کیونکہ دو متعارض حدیثوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے تطبیق کرنا لازم
ہے"

شمس الحق عظیم آبادی صاحب کو سنت فجر عندالاقامت کے وقت تو تطبیق کا خیال نہ آیا اور نہ ہی یہ کہنے کی فکر ہوئی کہ:

"اور اس صورت میں بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنا لازم
آتا ہے اور یہ بہت ہی قبیح فعل ہے، جسکو کوئی بھی سلیم الطبع شخص قبول
نہیں کر سکتا"

اب آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ بعض سنن کو بعض سنن کی وجہ سے رد کرنے والا اور فعل قبیح کا مرتکب کون ہے شمس الحق عظیم آبادی صاحب یا احناف؟

اور کیا اب ہمیں یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ ہم شمس الحق عظیم آباد صاحب کا یہ جملہ:

كشف الغرعن سنة الفجر — سنت فجر عندالاقامت پرشکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

"بل لایجوز تخصیصها وَمَنْ یُخَصِّصُهَا فَهُو مُعَانِد
مُتَعَصِّب ......الخ"

بلکہ اس حدیث کی تخصیص جائز نہیں ہے اور جو شخص اس میں تخصیص
کرتا ہے وہ معاند اور متعصب ہے۔

ان کے حق میں استعمال کریں کہ جو شخص متواتر احادیث میں ضعیف اور مرسل راویات سے تخصیص کرتا ہے وہ خود معاند اور متعصب ہے بلکہ اسکی تخصیص ان جیسی راویات سے جائز نہیں ہے۔ تو شاید یہ بات انکے چہیتوں کو ناگوار معلوم ہو اور وہ ہم پر آسمانی بجلی کی طرح برس پڑیں لیکن کیا کریں معاملہ ہے ہی ایسا اسکے متعلق اسکے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور شمس الحق عظیم آبادی صاحب کا یہ کہنا کہ:

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قاعدہ انکے مذہب کے بہت سے مسائل کو
رد کر دیتا ہے، جیسا کہ شرم گاہ کے چھونے سے، اُونٹ کا گوشت کھانے
سے، وضوء کا نہ ٹوٹنا، تو پھر یہ وضوء ٹوٹنے والی احادیث کو ترجیح کیوں
نہیں دیتا۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ احناف کا یہ قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان احادیث میں یہ قاعدہ اسلئے نہیں چلے گا کہ ان احادیث میں تطبیق ممکن ہے کہ حضرت بسرۃؓ کی راویت کو استحباب پر محمول کیا جائے گا یعنی جو شخص اپنے عضو تناسل کو بغیر حائل کے ہاتھ لگائے تو اسکے لئے ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے اور حضرت طلق بن علیؓ کی حدیث کو جواز پر محمول کیا جائے گا کہ جو شخص اپنے عضو تناسل کو ہاتھ لگائے تو اگر وہ ہاتھ نہ دھوئے تو اسکے لئے اسکی گنجائش ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ

آدمی اپنے ہاتھوں کو دھولے تاکہ اختلاف سے بچ سکے اسکی وضاحت کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں:

"لٰكِنْ يُنْدَبُ لِلْخُرُوجِ مِنَ الْخِلَافِ لَاسِيَّمَا لِلْاِمَامِ (الدر المختار مع ردالمحتار، ج: ۱، ص: ۳۰۴)

لیکن ہاتھوں کا دھونا مندوب ہے اختلاف سے نکلنے کیلئے اور خاص کر امام کیلئے۔

پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ احناف دونوں حدیثوں پر عمل کرنے کا کہتے ہیں کہ ایک حدیث کو استحباب پر محمول کیا جائے گا اور دوسری کو جواز پر۔

اور علامہ شمس الحق صاحب کے قول کے مطابق اگر اس قاعدہ کو ان احادیث میں جاری کردیا جائے تو پھر ایک حدیث پر عمل کا چھوڑنا لازم آتا ہے جبکہ دونوں احادیث اس قابل ہیں کہ دونوں پر عمل کیا جائے رہی بات حضرت قیسؓ کی راویت کی تو وہ ایک مرسل راویت ہے جو احادیث متواترہ کے برابر نہیں ہوسکتی اسلئے وہاں پر احناف کا یہی قاعدہ چلے گا کہ حرمت واباحت میں تعارض کے وقت ترجیح حرمت کو ہوگی اور حرمت اباحت کیلئے ناسخ ہوگی۔

منع والی احادیث راجح ہیں اور اسکے مخالف میں حضرت قیسؓ کی راویت مرجوح ہے اور راجح کی مخالفت میں مرجوح دلیل نہیں ہوا کرتا پس مرجوح کے ترک کرنے سے حدیث کا ترک کرنا لازم نہیں آتا۔

اور رہی بات اُونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم والی حدیث کی تو جمہور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث میں وضو سے مراد وضو لغوی ہے یعنی ہاتھ دھونا کیونکہ اُونٹ کے گوشت میں چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے اسلئے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس اس حدیث پر بھی احناف کا

عمل ہے

لہذا اس وضاحت سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مذکورہ بالا قاعدہ احناف کا مسلم قائدہ ہے اور اس سے احناف کے مذہب کا کوئی بھی مسئلہ رد نہیں ہوتا پس یہ اعتراض علامہ صاحب کے وہم پر مبنی ہے جو کہ مردود ہے۔

آٹھویں توجیہ:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"أَنَّ الْحَدِيثَ لَمْ يَثْبُتْ فَلَا يَكُونُ حُجَّةً عَلىٰ أَبِي حَنِيفَةَ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، ج: ۳، ص: ۱۲۰.

یہ حدیث جب ثابت ہی نہیں تو امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں بن سکتی۔

نویں توجیہ:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا قیسؓ کو یہ کہنا "أصلاتان معا" کہ کیا ایک ساتھ دو نمازیں؟ تو اس میں استفہام انکار کیلئے ہے کہ آپ ﷺ حضرت قیسؓ کے اس عمل پر غصہ کی وجہ سے خاموش ہوئے نہ کہ اس پر رضامندی کی وجہ سے تفصیل مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

"كَانَ اِسْتِفْهَامُ النَّبِيِّ ﷺ عَلىٰ سَبِيلِ الْاِنْكَارِ بِقَوْلِهٖ "أَصَلَاتَانِ مَعًا" يَدُلُّ عَلىٰ أَنَّهُ سَكَتَ غَضَبًا لَا رِضَاءً عَلىٰ فِعْلِهٖ كَمَا أَنَّ سُكُوتَ عَائِشَةَ رضي الله عنها فِي مُقَابَلَةِ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ أَتَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْكِ وَرَسُولُهٗ لَهَا لَا يَدُلُّ عَلىٰ رِضَائِهَا وَتَقْرِيرُ قَوْلِهٖ ﷺ وَكَمَا أَنَّ سُكُوتَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي قِصَّةِ

الْجُمُعَةِ وَتَهْدِيْدَهُ رَجُلاً عَلىٰ رَكْعَتَيْنِ فِيْ مَوْضِعِ صَلَاتِهٖ بِدُوْنِ التَقْدِيْمِ وَالتَاخِيْرِ لَا يَدُلُّ عَلىٰ رِضَاءِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی ."(تقرير الترمذی ج: ۱،ص: ۱۱۷،افادات شيخ الهندؒ.)

نبی کریم ﷺ کا قیسؓ سے "کیا دو نمازیں ایک ساتھ" پوچھنا بطور انکار کے تھا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی (قیسؓ کے اس عمل پر) خاموشی غصہ کی وجہ سے تھی نہ کہ آپ کی رضاء کی وجہ سے ،جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کے اس قول "اُتخافين أن يحيف الله تعالىٰ عليك ورسولہ" کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنا عائشہؓ کی رضاء پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ ﷺ کے قول کی تقریر پر اور جیسا کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی اور زجر جمعہ کے قصہ میں اُس شخص پر جس نے سنتیں فرض نماز کی جگہ بغیر تقدیم وتاخیر کے پڑھیں حضرت عمرؓ کی رضاء پر دلالت نہیں کرتی۔

اعتراض:

یہ حدیث مرسل ہے جیسا کہ ماقبل میں امام ابوداودؒ کے حوالہ سے گزرا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے ارسال کو ترجیح دی ہے،اور تمہارے یعنی احناف کے نزدیک حدیث مرسل قابل قبول ہے اور خاص کر اس وقت جبکہ وہ حدیث مرسل کئی وجوہ سے راویت کی جائے تو وہ سب کے نزدیک حجت ہو جاتی ہے تو پھر تم لوگ اس حدیث سے استدلال کیوں نہیں کرتے؟

جواب:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"قُلْنَا نَعَمْ وَلٰكِنَّهُ لَا يَصْلُحُ مُعَارِضًا لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ الْمَشْهُوْرِ وَالْمُتَوَاتِرِ وَلَا مُخَصِّصًا لَهُ بَلْ لَا بُدَّ مِنْ اِرْجَاعِهٖ اِلَى الْمُتَوَاتِرِ وَحَمْلُهُ عَلىٰ مَعْنًى يُوَافِقُهُ وَلَا يُؤَوَّلُ الْمُتَوَاتِرُ وَالْمَشْهُوْرُ لِأَجْلِهٖ لِاَنَّ الضَّعِيْفَ يَرْجِعُ اِلَى الْقَوِيِّ وَيُحْمَلُ عَلَيْهِ لَا بِالْعَكْسِ كَمَا لَا يَخْفىٰ .(اعلاء السنن، ج:۷،ص: ۱۳۱)

ہم کہتے ہیں کہ ہاں (یہ تو ٹھیک ہے کہ حدیث مرسل ہمارے ہاں حجت ہے) لیکن یہ مرسل حدیث مشہور اور متواتر کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ ہی ان کیلئے مخصص بن سکتی ہے بلکہ ضرور اس کا رجوع متواتر کی طرف ہوگا اور اسکو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو کہ متواتر کے موافق ہو،اور اسکی وجہ سے (حدیث) متواتر اور مشہور میں تأویل نہیں کی جائے گی کیونکہ ضعیف قوی کی طرف پھرتا ہے،اور اس پر محمول کیا جاتا ہے،اور اسکے برعکس نہیں کیا جاتا جیسے کہ (اہل علم پر) یہ بات مخفی نہیں ہے۔

دسویں توجیہ:

نماز فجر کے بعد سنتوں اور نوافل کی ممانعت میں جتنی روایات وارد ہوئی ہیں وہ قولی حدیثیں ہیں اور یہ ایک مسلم اُصول ہے کہ قولی حدیث فعلی اور تقریری کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے تو حضرت قیسؓ کی روایت کو اگر ہم تنزلاً رسول ﷺ کی تقریر بھی سمجھیں تو پھر بھی حضرت قیسؓ کی روایت مرجوح ہے اور قولی احادیث راجح ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی خاموشی حضرت قیسؓ کی خصوصیت کا

احتمال بھی رکھتی ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے جس پر عمومی حکم نہیں لگایا جاسکتا یعنی صحابہ کرامؓ کی عام عادت نماز فجر کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنے کا نہ تھا لہذا اس وجہ سے بھی یہ راویت قابل استدلال نہیں ہے۔

"وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم"

تمت بالخیر ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۱۳ء

حصہ دوم

"الترجیحات فی کشف الشبہات الواہیات"

"سنت فجر کے متعلق ایک غیر مقلد کے شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ"

"عرض حال"

"کشف الغررعن سنۃ الفجر" کا پہلا حصہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ اسی اثناء میں احقر کے مرشدو مربی حضرت مولانا شیخ سجاد الحجابی دامت فیوضہ وبرکاتہ نے احقر کو چند مسودات عنایت فرمائے کہ ایک غیر مقلد نے احناف کی سنت فجر کے دلائل پر جرح لکھی ہے اسکا جواب بھی اگر لکھا جائے تو مناسب ہوگا تا کہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جائے۔ چنانچہ احقر نے جب ان مسودات کا مطالعہ کیا تو ان میں اکثر وہی شبہات تھے جو پہلے سے غیر مقلدین حضرات کرتے چلے آرہے ہیں کوئی خاص شبہات نہیں تھے اور بیشتر شبہات کے جوابات احقر پہلے سے بیان کر چکا ہے۔

لہذا اس حصہ میں احقر صرف ان شبہات کا جواب لکھے گا جو نئے ہیں یا پہلے جواب کی تفصیل کی اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اسکو دوبارہ مفصلاً ذکر کیا جائے گا۔

یہ حصہ ان مسودات کی ترتیب پر ہے جو غیر مقلدین کی طرف سے احناف کو ملے ہیں چونکہ اصل مسودات عربی میں تھے جو کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تھے تو احقر نے ان شبہات کو اردو میں نقل کیا ہے نیز عربی کے مسودات کا بعینہ ترجمہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف موضوع سے متعلق جو شبہات تھے ان کا خلاصہ نقل کر کے جواب دیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھیں اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر ہمیں حق کی تلاش وجستجو کی توفیق بخش دے۔ آمین

احناف کی پہلی حدیث:

"وَقَدْ رُوِیَ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ نُصَیْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ كَثِیرٍ عَنْ لَیْثٍ عَنْ عطاء عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا أُقِیمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ إِلَّا رَكْعَتَی الصُّبْحِ. رواه البیهقی.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو پھر سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں سوائے سنت فجر کے۔

غیر مقلد معترض کی حدیث کی سند پر پہلی جرح:

پہلی جرح اس حدیث کی سند پر یہ کی گئی ہے کہ:

"اس حدیث کی ابتداء میں ایک راوی مجہول ہے کہ وہ کون ہے؟، بلکہ مبہم ہے اور مبہم کی تعریف یہ ہے: "مبہم وہ حدیث ہے کہ جسمیں راوی کا نام ذکر نہ کیا جائے بلکہ اسکو مبہم اور پوشیدہ رکھا جائے۔ اس حدیث کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس میں راوی کا نام بتایا نہ جائے اسکو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدیث کو قبول کرنے کی شرط راوی کی عدالت ہے اور جسکے نام ہی کو مبہم رکھا جائے تو اس کی عین کی پہچان کیسے ہوگی؟ تو جب عین کی پہچان نہ ہو تو اسکی عدالت کی پہچان کیسے ہوگی؟ پس مجہول راوی کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی"۔ اھ

جواب:

یہ حدیث امام بیہقیؒ نے ایک مقام پر یوں ہی روایت کی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے چونکہ یہ روایت اس مقام پر صیغہ تمریض کیساتھ روایت کی گئی ہے جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں کوئی بھی راوی مجہول نہیں ہے کیونکہ امام بیہقیؒ نے اسکے بعد اپنی سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

"أَنْبَأَنَا أَبُوبَكْرُ بْنُ الحارِثِ أَنْبَأَنَا أَبُو مُحَمَّد بْنُ حَيَّانَ ثنا محمَّدُ بْنُ ابْرَاهِيمَ بْنَ داوُد ثنا أَبُوعمرو الحَلَبي السُوسي ثنا حجّاج بْنُ نُصَيرٍ :فَذَكَرهُ(سنن بيهقى ، ج: ۲، ص: ۴۸۳)

پس اس سند کی رو سے راوی کی جہالت ختم ہوگئی اور معترض صاحب کا شبہ رفع ہو گیا اگر چہ خود معترض صاحب نے بھی یہ سند اپنے مسودات میں بیان کی ہے لیکن اس طرف شاید ان کی نظر نہیں گئی اور امام بیہقی نے اس سند کو بیان کرنے کے بعد ہی فرمایا ہے کہ اس زیادتی یعنی "ولا رکعتی الصبح" کی کوئی اصل نہیں ہے اور حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دونوں ضعیف راوی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر اس روایت میں راوی کی جہالت کی بات ہوتی تو امام بیہقیؒ اس پر ضرور تنبیہ فرماتے۔ امام بیہقیؒ کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ شوکانیؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ، اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، وغیرہ حضرات نے بھی اس حدیث کے متعلق صرف وہی کلام نقل کیا ہے جو کہ امام بیہقیؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے راوی کی جہالت کا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

دیکھئے تحفۃ الاحوذی۔

، ج: ۲، ص: ۴۰۲، اعلام اهل العصر، ص: ۱۳۳، نیل الاوطار، ابوب الصلاۃ مایبطل الصلاۃ، باب النهی عن

التطوع بعد الاقامة.

پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ جہالت راوی کا یہ ڈھونگ رچانا صرف معترض صاحب کو ہی سوجھا کیونکہ اس کے مذہب کے اکابرین نے اس سے تعرض نہیں فرمایا پس یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ راوی کی جہالت کا یہ ڈھونگ بالکل بے بنیاد ہے۔

پھر معترض صاحب نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے ''قدروی'' کے صیغہ سے راوی پر جہالت کا حکم تو لگا دیا لیکن پھر خود ہی امام بیہقیؒ کی بیان کردہ سند کو بھی بیان کیا جس سے خود معترض صاحب کا راوی کی جہالت کا دعوی بھی ٹوٹ گیا اور معترض صاحب کی علمی دیانت داری بھی معلوم ہوگئی کہ وہ یہود کی صفات کا حامل ہے کہ بعض چیزوں کو تو بیان کردیتا ہے اور بعض چیزوں سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

حدیث کی سند پر دوسری جرح:

حدیث کی سند پر دوسری جرح یہ کی گئی ہے کہ:

اسمیں ایک راوی حجاج بن نصیر ابو محمد فساطیطی ہے جن کو بہت سے محدثین ضعیف کہتے ہیں''۔

جواب:

حجاج بن نصیر کے متعلق تمام بحث دوسرے باب میں گزر چکی ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

حدیث کی سند پر تیسری جرح:

یہ کی گئی ہے کہ:

''اس حدیث میں دوسرا راوی عباد بن کثیر ہے جن کو محدثین ضعیف

قرار دیتے ہیں لہذا یہ متروک راوی ہے اس وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے''۔

جواب:

عباد بن کثیر کے متعلق بھی تفصیلی کلام دوسرے باب میں گزر چکا ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

احناف کی دوسری حدیث:

''حَدَّثَنَا الْخَلِيلُ بْنُ عَمْرٍو أَبُو عَمْرٍو ،حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ إِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ ''(مسند أحمد وراه ابن ماجه)

حارث نے حضرت علیؓ سے راویت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

حدیث کی سند پر پہلی جرح:

اس حدیث کی سند پر پہلی جرح یہ کی گئی ہے کہ:

''اس حدیث میں شریک بن عبداللہ نخعی ہیں جنکو محدثین ضعیف اور مدلس کہتے ہیں جو کہ قابل احتجاج نہیں ہے''

جواب:

جہاں تک شریک بن عبداللہ کی بات ہے تو ان کو مطلقا ضعیف کہنا انصاف کی بات نہیں ہے کیونکہ بہت سے محدثین نے شریک کی توثیق بھی فرمائی ہے اور جن اسباب کی وجہ سے انکو ضعیف کہا

گیا ہے وہ یہ ہے کہ آخری عمر میں شریک کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا جسکی وجہ سے محدثین نے اس کو سوء حفظ کی بعد والی راویات کی بنا پر ضعیف گردانا ہے چنانچہ علامہ ابن عدیؒ نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے۔لہذا شریک کی وہ راویات جو حافظہ کی کمزوری سے پہلے کی ہیں اُن میں شریک ثقہ ہے چنانچہ

علامہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

"وَكَانَ صَحِيحُ الْقَضَاءِ وَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَدِيماً فَحَدِيثُه صَحِيحٌ وَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ بَعْدَ مَاوَلِی الْقَضَاءِ فَفِیْ سِمَاعِه بَعْض الاختلاط.

اورعلامہ عجلی نے شریک کوثقہ قرار دینے کے بعد فرمایا کہ وہ صحیح القضاء تھے اور جنہوں نے اس کے اختلاط سے پہلے سماعت کی ہے تو اس کی حدیث صحیح ہے،اور جنہوں نے ان کے قاضی بننے کے بعد سماعت کی ہے تو اسکی سماع میں بعض اختلاط ہے۔

فائدہ:

ماقبل کی تصریح سے یہ بات خوب واضح ہوچکی ہے کہ شریک مطلقا ضعیف نہیں ہے،اب یہ بات غیر مقلدین کے ذمہ ہے کہ وہ اس روایت کو بعد الاختلاط کے ثابت کرکے دکھائیں پھر اسکا جواب احناف کے ذمہ ہوگا کہ آیا یہ روایت قبل الاختلاط کی ہے یا بعد الاختلاط کی۔؟

علامہ عجلی شریک کوثقات میں ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّخَعِيُّ الْقَاضِيُ، كُوفِيٌّ، ثِقَةٌ: وَكَانَ حَسَنَ الْحَدِيثِ،وَكَانَ أَرْوَى النَّاسِ عَنْهُ إِسْحَاقُ ابْنُ يُوسُفَ

الأَزْرَقُ الْوَاسِطِيُّ، سَمِعَ مِنْهُ تِسْعَةَ آلافِ حَدِيثٍ......الخ(الثقات للعجلی،ج:۱،ص:۴۵۵)]

شریک بن عبداللہ نخعی،قاضی کوفی ثقہ ہے حسن الحدیث تھے اوران سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے اسحاق بن یوسف ازرق واسطی تھے،انہوں نے آپؒ سے نوہزار احادیث کی سماعت کی ہے۔

علامہ ابن عدیؒ شریک کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَلِشَرِيكٍ حَدِيثٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَقْطُوعِ وَالمسندِ وَأَصْنَافٍ وَانَّمَا ذَكَرْتُ مِنْ حَدِيثِه وَأَخْبَارِه طَرَفًا وَفِيْ بَعْضِ مَا لَمْ أَتَكَلَّمْ عَلٰى حَدِيثِه مِمَّا أَمْلَيْتُ بَعْضَ الإِنْكَارِ وَالْغَالِبُ عَلٰى حَدِيثِه الصِّحَّةُ وَالاسْتِوَاءُ وَالَّذِیْ يَقَعُ فِیْ حَدِيثِه مِنَ النُّكْرَةِ إِنَّمَا أُتِیَ فِيهِ مِنْ سُوءِ حِفْظِه لا أَنَّهُ يَتَعَمَّدُ فِی الْحَدِيثِ شَيْئًا مِمَّا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُنْسَبَ فِيهِ إِلٰى شَيْءٍ مِنَ الضُّعْفِ(الکامل،ج:۴،ص:۲۲)

اورشریک کی بہت سی مقطوع،مسنداور اصناف والی حدیثیں ہیں اور میں نے اسکی حدیثوں اور اخبار میں سے کچھ ہی کا ذکر کیا ہے اور اسکی ان بعض احادیث جن پر میں کچھ انکار کرنے کو مائل ہوگیا تھا کلام نہیں کیا ہے کیونکہ اسکی احادیث پر درستگی غالب ہے اور اسکی ان حدیثوں میں جن میں وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی طرف کچھ ضعف کی نسبت کی جائے نکارت صرف اسکی سوء حفظ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے نہ کہ اسکی حدیث بیان کرنے میں عمداً جھوٹ بولنے کی وجہ سے؟۔اھ

اب آپ حضرات انصاف کیساتھ ذرا علامہ ابن عدیؒ کی اس بات پر غور فرمائیں جوانہوں نے فرمائی ہے کہ میں شریک کی ان بعض راوایات پر جن میں نکارت پیدا ہوگئی ہے کچھ انکار کرنے کو مائل ہو گیا تھا لیکن میں نے ان احادیث پر انکار اس لئے نہیں کیا کہ اس کی احادیث پر درستگی غالب ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شریک کی وہ روایات جن میں کچھ نکارت پیدا ہوگئی تھی وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے شریک کی سب حدیثوں کو ہی ضعیف گردانا جائے اگر ایسا ہوتا تو علامہ ابن عدیؒ اس پر ضرور نکیر فرماتے۔اذلیس فلیس !!

اسکے علاوہ دیگر آئمہ جرح وتعدیل نے بھی شریک کی توثیق فرمائی ہے جسکی تفصیل مندرجہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

”وَقَالَ يَزِيدُ بنُ الْهَيْثَمُ الْبَادِيُّ: سَمِعْتُ يَحيىٰ بْنَ مَعِيْنٍ يَقُوْلُ: شَرِيك ثِقَةٌ......وَقَالَ فِيْ مَوْضِعٍ آخر ”وَهوَ ثِقَةٌ ثِقَةٌ“......وَقَالَ عليُّ بْنُ الحَكم الأَزْدِيُّ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُوْلُ لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ أَروىٰ عَنِ الكُوْفِيينَ مِنْ شَرِيك“......وَقَال أَبُوْ تَوبَةَ رَبِيعُ بْنُ نَافِعٍ: سَمِعْتُ عِيسىٰ بْنَ يُوْنُسَ يَقُوْلُ: مَارَأَيْتُ اَحَداً قَطُّ أَوْرَعُ فِي عِلْمِهِ مِنْ شَرِيك......وَقَال يعقوب بن شَيبة شَرِيك صدوق ثِقةٌ سيء الحفظ جداً......وقال النسائي ليس به بأس......وَقَال المزيُّ: اِستَشْهد به البخَاريُّ في ”الجَامع“ وَروىٰ له في ” رَفعِ اليدَيْنِ فِيْ الصَّلاةِ“ وَغيره وَروىٰ له مسلم في ”المتابعات“ واحتج به الباقوْن. (تهذيب الكمال ج:۷،ص:۴۱۱،تهذيب التهذيب ،ج:۲،ص:۵۵۸)

یزید بن ہیثم بادیؒ نے فرمایا کہ میں نے یحیٰ ابن معینؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شریک ثقہ ہے......ایک اور موقع پر فرمایا کہ وہ ثقہ ہے ثقہ ہے......اور علی بن حکم ازدیؒ نے فرمایا کہ میں نے (امام) وکیعؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شریک کے علاوہ کوفیین سے سب سے زیادہ راویت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے......اور ابوتوبہ بن ربیع نافعؒ نے فرمایا کہ: ”میں نے عیسیٰ بن یونس کو فرماتے ہوئے سنا کہ شریک سے علم میں زیادہ متقی میں نے کسی کو نہیں دیکھا......یعقوب بن شیبہ نے فرمایا کہ شریک صدوق ہے، ثقہ ہے حافظہ کا بہت کمزور تھا......امام نسائیؒ نے شریک کے متعلق فرمایا کہ: ”اس میں کوئی حرج نہیں ہے......علامہ مزیؒ نے فرمایا کہ: ”امام بخاریؒ نے شریک کو اپنی ”جامع“ میں بطور استشہاد کے پیش فرمایا ہے، اور ”رفع الیدین فی الصلاۃ“ اور دیگر مواقع میں اس سے راویت لی ہے، اور امام مسلمؒ نے ”متابعات“ میں اسکی راویت لی ہے“ اور باقی آئمہ بھی شریک کو محتج بہ قرار دیتے ہیں۔

”شریک بن عبداللہ کے متعلق امام ذہبیؒ کا فیصلہ“

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”قُلتُ: قَدْ كَانَ شَرِيكٌ مِنْ أَوْعِيَةِ العِلْمِ حَمَلَ عَنْهُ إِسْحاق الأَزرَقُ تِسْعَةَ الاف حديث (ميزان الاعتدال ،ج:۲،،ص:۲۷۰/۲۷۴،دار المعرفه بيروت.

میں کہتا ہوں کہ شریک علم کا منبع تھا (کیونکہ) اسحاق ازرق نے ان سے نو ہزار احادیث کی سماعت کی ہے۔

ماقبل کی تصریحات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ شریک بن عبداللہ ثقہ راوی ہے اور جن محدثین نے اسکی تضعیف کی ہے اسکے اسباب بھی معلوم ہوگئے کہ وہ انکا آخری عمر میں حافظہ کی کمزوری میں مبتلا ہونا ہی ہے پس اس بات سے شریک پر جرح قابل قبول نہیں ہے۔

لہذا یہ معترض صاحب کا دجل ہے کہ اُس نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے چند محدثین کی جرح نقل کرکے شریک بن عبداللہ کو نا قابل احتجاج ٹھہرالیا جبکہ بہت سے محدثین نے اسکی توثیق بھی فرمائی ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، اب ان محدثین کی کی توثیق سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرنا انصاف کی بات نہیں ہے۔

اعتراض: شریک بن عبداللہ مدلس تھا

شریک بن عبداللہ پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ وہ مدلس تھا اسلئے وہ حجت نہیں؟

جواب:

رہی بات شریک بن عبداللہ کے مدلس ہونے کی تو اسکی حقیقت حال کو معلوم کرنے کیلئے طبقات المدلسین کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے شریک کو مدلسین کے کس طبقہ میں شمار فرمایا ہے کیونکہ معترض صاحب کے صرف اس اعتراض سے کہ شریک مدلس ہے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ مدلسین کے بہت سے طبقات ہیں جن میں بعض کی تدلیس کو قبول کیا جاتا ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

”شَرِیْکُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّخعِیُّ الْقَاضِیُّ مَشْهُورٌ“ کَانَ مِنَ الاثْبَاتِ وَلَمَّا وَلِیَ الْقَضَاء تَغَیَّر حِفْظُهُ وَکَانَ یَتَبَرَّأُ مِنَ التَدلِس وَنَسَبَهُ عَبدالحق فی الأحکام، اِلی التدلیس وَسَبَقَهُ اِلی التدلِیس وَسَبَقَهُ اِلی وَصفِهِ بِهِ الدَّارقُطنِیُّ (طبقات المدلیسن، ص: ۳۳، متکبة المنار عمان)

شریک بن عبداللہ نخعی قاضی مشہور اور اثبات رواۃ میں سے تھا لیکن قاضی بننے کے بعد اسکا حافظہ متغیر ہوگیا، اور وہ تدلیس سے برأت کرتا رہتا تھا، عبدالحق نے ”احکام نامی کتاب میں“ اسکو تدلیس کے طرف منسوب کیا، اور دار قطنی نے تدلیس کے وصف کے ساتھ اسکو موصوف کرنے میں سبقت کی۔

طبقات المدلسین میں شریک کا حال جاننے کے بعد اب یہ بات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ شریک کو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے کس طبقہ میں شمار فرمایا ہے اور اس طبقہ کے مدلسین کا کیا مرتبہ ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ مدلسین کے طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”الثانیة“: ((مَنِ احْتَمَلَ الأئِمَّةُ تَدلِیسَهُ وَأخرَجُوا لَهُ فِی الصَّحِیح لامَامتهِ وقِلَّةِ تَدلِیسِهِ فِی جنب مارو کالثوریُّ او کَانَ لایُدَلِّسُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ کَابنِ عُیَینة))

طبقہ ثانیہ وہ ہے کہ آئمہ نے انکی تدلیس کو برداشت کیا ہے، اور انکی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے انکی روایات کی تخریج اپنی اپنی صحیح میں کی ہے، امام ثوریؒ کی طرح، یا ان کی طرح جو صرف ثقات ہی سے

تدلیس کرتے ہیں جیسا کہ ابن عیینہؒ۔

پس جب شریک کا حال معلوم ہو گیا کہ ان کا شمار مدلسین کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے اور اس طبقہ کی تدلیس مضر نہیں ہے نیز ائمہ نے ان کی تدلیس کو قبول کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ تو پھر معترض صاحب کا شریک بن عبداللہ کے متعلق ضعف اور تدلیس کے تمام دعوے باطل ہو گئے جو کہ معترض صاحب کی تعصب اور عناد پر مبنی تھے۔ وللہ الحمد

حدیث کی سند پر دوسری جرح:

دوسری جرح حدیث کی سند پر یہ کی گئی ہے کہ: ”

اس میں ایک راوی حارث بن عبداللہ الاعور ہے جو کہ متروک راوی ہے لہذا اس وجہ سے بھی یہ راویت قابل احتجاج نہیں ہے“۔

جواب:

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی ایک مختلف فیہ راوی ہے بعض محدثین نے اسکو ضعیف ٹھہرایا ہے اور بعض دوسرے محدثین نے اسکی توثیق بھی فرمائی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے وہ متروک راوی ہے اور قابل احتجاج نہیں کیونکہ جب وہ مختلف فیہ ہے تو پھر ملاحظہ فرمائیے کہ:

مختلف فیہ راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے

علامہ ذہبیؒ حدیث حسن کے مراتب کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِکَ أَمْثِلَةٌ کَثِیرَةٌ یَتَنَازَعُ فِیهَا بَعْضُهُمْ یُحَسِّنُونَهَا وآخَرونَ یُضَعِّفُونَهَا، کَحَدِیثِ الحَارِث بْنِ عبداللّٰهِ وعَاصِم بن ضَمرة......الخ (المُوقظة فی علم مصطلح

الحدیث، ص: ۳۳)

پھر (حسن کے اعلی مراتب کے بعد) بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ جن میں تنازع ہے بعض لوگ تو اسکی تحسین کرتے ہیں اور دوسرے بعض اسکو ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ حدیث حارث بن عبداللہ الاعور اور عاصم بن ضمرہ وغیرہ۔

علامہ ذہبیؒ کی تصریح اور صنیع سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ عبارت میں علامہ ذہبیؒ حدیث حسن کے مراتب پر بحث فرمارہے ہیں تو جب علامہ ذہبیؒ نے حارث الاعور اور عاصم بن ضمرہ کے مختلف فیہ ہونے کی تصریح فرمادی تو ان کا ذکر حدیث حسن کے مراتب میں کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ راوی جو مختلف فیہ ہیں انکی حدیث کا درجہ کم از کم حسن کا ہے اگر یہ راوی ضعیف ہوتے تو پھر انکا ذکر ضعیف حدیث پر بحث میں کرتے نہ کہ حدیث حسن پر بحث میں۔ فتدبر

اسکے علاوہ بھی علامہ ذہبیؒ نے حارث الاعور کی تعریف کی ہے وہ فرماتے ہیں:

”کَانَ فَقِیهًا کَثِیرَ العِلمِ علی لَیِّنٍ فِی حدِیثِهِ“

وہ فقیہ اور زیادہ علم والے تھے اور ان کی حدیث میں کچھ کمزوری تھی۔

اب ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ان کی راویت کو کمزور کہا ہے یہ تعریف تو نہیں بلکہ جرح ہے۔؟

تو جواب یہ ہے کہ اصول حدیث کا علم رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ الفاظ ”علی لین فی حدیثہ“ ایسی جرح نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے ان کو بالکلیہ چھوڑ دیا جائے جبکہ دیگر محدثین نے حارث کی توثیق بھی فرمائی ہے جیسا کہ:

حارث کی توثیق کرنے والے آئمہ جرح وتعدیل

ابوبکر بن داود حارث بن عبداللہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"كَانَ حَارِثُ الاعْوَرُ أَفْقَهُ النَّاسِ وَأَفْرَضُ النَّاس، وَأَحْسَبُ النَّـاس، تَـعَـلَّـمَ الـفَـرائـضَ مِـنْ عَـلـىٌّ (ميزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۴۳۷)

حارث بن عبداللہ الاعور سب لوگوں سے زیادہ فقیہ، علم فرائض میں سب سے ماہر اور نسب میں سب سے فائق تھے علم فرائض حضرت علیؓ سے حاصل کیا تھا۔

امام ذہبیؒ حارث اعور کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَحَدِيثُ الْحَارِثِ فِي السُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ وَالنسائى مَعَ تَعَنُّتِه فِي الرِّجَالِ فَقَدْاحْتَجَّ بِه وَقوىٰ أَمْرَهُ وَالْجَمهُورُعلىٰ توهينِ أَمْرِه مَعَ رِوَايَتِهِمْ لِحَدِيثِه فِي الأَبْواب، فَهذا الشَّعْبِىُّ يُكَذِّبُهُ ثُمَّ يَرْوِىْ عَنْهُ. والظَّاهِر أَنَّهُ يُكَذِّبُ فِىْ لهجَته وحَكايته وأمَّافِى الحدِثِ النَبوِىٌّ ﷺ فلا وَكانَ مِنْ أوعيةِ العلمِ......الخ (ميزان الاعتدال، ج: ۱، ص ۴۳۷)

اور حارث بن عبداللہ الاعور کی احادیث (تخریج) سنن اربعہ میں کی گئی ہے، اور امام نسائیؒ نے رجال کے معاملہ میں باوجود متعنت ہونے کے اس سے احتجاج کیا ہے اور اسکی توثیق کی ہے جبکہ جمہور نے اسکی احادیث کو ابواب میں روایت کرنے کے باوجود اسکی اہانت کی ہے اور

امام شعبیؒ ان کو جھٹلانے کے باوجود ان سے راویت کرتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام شعبیؒ نے "حارث" کو ان کی رائے اور حکایات بیان کرنے میں جھٹلایا ہے نہ کہ احادیث نبوی ﷺ بیان کرنے میں امام شعبیؒ نے ان کو جھٹلایا ہے اور حارث علم کا منبع تھے۔

عثمان دارمیؒ حارث کے متعلق فرماتے ہیں:

"سألْتُ يَحىٰ بْنَ مَعِينٍ عَنِ الحارث الأَعْورِ، فقالَ ثِقة" قَال عثمان: لَيْسَ يُتَابَعُ يحىٰ علىٰ هذا (ميزان الاعتدال ،ص: ۴۳۷، الكامل لابن عدى ج: ۲، ص ۱۸۵/۱۸۶)

عثمان دارمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین سے حارث الاعور کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے، عثمان نے کہا کہ حارث کو ثقہ کہنے میں یحیٰ بن معین کی متابعت نہیں کی گئی ہے۔

امام ابن شاہینؒ اپنی کتاب "الثقات" میں فرماتے ہیں:

قَالَ أَحْمَدُبْنُ صَالِحَ الْمصرِىُّ: "الحارث الأَعْور ثِقة" مَاأَحْفَظُهُ وَمَا أَحسَنَ مَاروىٰ عَنْ علىٌّ وَأَثْنىٰ عَلَيْهِ، قِيلَ لَهُ فَقدْ قَالَ الشَّعبِىُّ: كَانَ يكذِبُ قَالَ: لَمْ يُكْذِبْ فِى الْحَدِيثِ إنَّما كَانَ كِذْبُه فِى رأيه (تاريخ أسماء الثقات، ج: ۱، ص: ۷۱، و تهذيب التهذيب، ج: ۱، ص: ۴۳۱)

احمد بن صالح مصریؒ نے فرمایا کہ: "حارث اعور ثقہ ہیں، حضرت علیؓ سے بہت زیادہ اچھی حدیثیں راویت کی ہیں اور احمد نے ان کی تعریف

کی ہے، جب اُن سے کہا گیا کہ امام شعبیؒ نے حارث کی تکذیب کی ہے تو فرمایا کہ شعبیؒ نے حدیث میں ان کی تکذیب نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے رائے میں ان کی تکذیب کی ہے۔

''حارث الاعور کے مجروح ہونے کے اسباب اور اسکی حقیقت''

حارث اعور کے مجروح ہونے کے دو اسباب محدثین نے ذکر کئے ہیں: ایک تو اس پر جھوٹ کی تہمت ہے جو کہ امام شعبیؒ اور دیگر محدثین نے اسکی طرف منسوب کی ہے اور دوسرا حارث کا حب علیؓ میں متشدد ہونا ہے یعنی وہ شیعیت میں غالی تھے۔ اور یہی وہ دو اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے محدثین نے حارث اعور پر جرح کی ہے۔ پہلی جرح جو امام شعبیؒ نے کی ہے کہ حارث حدیث میں جھوٹا تھا وہ چند وجوہ سے محل نظر ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر حارث جھوٹا راوی تھا تو امام شعبیؒ نے اس سے راویت ہی کیوں کی ہے؟ اگر کوئی صاحب یہ جواب دیں کہ امام شعبیؒ جھوٹ اور سچ کو پرکھنے والے ہیں اس لئے اُنہوں نے حارث سے صرف اُن احادیث کو راویت کیا ہوگا جن میں وہ سچا ہو کیونکہ ''جھوٹا بھی کبھی کبھی سچ بولتا ہے'' تو مجیب کی یہ بات محض تخمین ہے اسکے پاس اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے لہذا یہ بات درست نہیں ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں علامہ ذہبیؒ اور احمد بن صالح مصریؒ کے حوالے سے یہ تصریح گزر چکی ہے کہ امام شعبیؒ نے حدیث میں ''حارث اعور'' کو نہیں جھٹلایا ہے بلکہ حکایات میں جھٹلایا ہے۔ نیز علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں فرمایا ہے کہ امام شعبیؒ کا حارث کو کذاب کہنا اس بات پر محمول ہے کہ کذب سے امام شعبیؒ کی مراد خطاء ہے نہ کہ تعمد (قصداً جھوٹ بولنا) اگر ایسا ہوتا تو پھر امام شعبیؒ اُن سے راویت ہی کیوں کرتے حالانکہ اس سے ''تعمد الکذب فی الدین'' کے جواز کا اعتقاد

لازم آتا ہے اور ایسا کہنا امام شعبیؒ جیسے محدث کی شان سے بعید ہے...... پھر امام نسائی اور ارباب سنن نے اسکو محتج بہ قرار دیا ہے اور میرے نزدیک حارث کا شمار ان لوگوں میں ہے جن سے احتجاج کرنا موقوف ہے۔'' اور ایک موقع پر فرمایا کہ: ''میں ان کے بارے میں متحیر ہوں۔ اھ (سیر اعلام النبلاء ج:۴ص:۱۴۴)

یہی بات احمد بن صالح مصریؒ نے بھی فرمائی ہے کہ امام شعبیؒ نے حارث کو رائے میں جھٹلایا ہے نہ کہ حدیث میں اسی وجہ سے احمد بن صالح مصریؒ نے حارث کی توثیق کی ہے اسی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ نے بھی حارث اعور کا حدیث میں جھوٹ بولنے سے انکار کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبرِّ فِیْ کتَاب الْعِلْم لَهُ لمَّاحکی عَنْ اِبْرَاهِیم أَنَّهُ کَذَّبَ الْحَارِثُ :أَظُنُّ الشَّعْبِیَّ عُوْقِبَ بِقَوْلِهِ فِیْ الحارِث کَذَّاب، وَلَمْ یَبِنْ مِنَ الحَارِثِ کِذبُهُ ، وَانَّما نَقُمَ عَلَیهِ اِفرَاطُهُ فِي حُبَّ عليٍّ (تهذیب التهذیب ، ج: ۱ ، ص: ۴۳۱)

اور ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب (جامع بیان العلم وفضلہ) میں جب انہوں نے ابراہیم سے یہ حکایت بیان کی کہ اُس نے حارث کو جھٹلایا ہے فرمایا کہ: میرا گمان ہے کہ حارث کو جھوٹا کہنے پر امام شعبیؒ کو عتاب کیا گیا، حالانکہ حارث سے اسکا کذب ظاہر نہیں ہوا اور ہم جو اس کو مجروح کہتے ہیں وہ اسکا حضرت علیؓ کی محبت میں افراط کی وجہ سے ہے (نہ کہ اسکے جھوٹے ہونے کی وجہ سے۔

پس ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور پر حدیث میں جرح

کذب بے بنیاد ہے۔

رہی بات حارث کے مجروح ہونے کے دوسرے سبب کی یعنی کہ حارث اہل تشیع میں غالی عقیدہ والا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ جرح میں شمار ہی نہیں اگرچہ بعض محدثین نے اس سبب کی بنا پر حارث کو مجروح قرار دیا ہے جیسا کہ امام مسلم نے مقدمہ مسلم میں حارث پر اسی وجہ سے کلام کیا ہے اور اسکو مجروح قرار دیا ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک صرف اس بات سے کہ حارث حب علیؓ میں متشدد تھا مجروح قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ بہت سے غلاۃ روافض جیسا کہ عدی بن ثابت اور ان سے بڑھ کر مرجئہ اور قدریہ جیسے رجال صحاح ستہ اور صحیحین کے راوی ہیں تو شیعہ ہونا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ امام مسلمؒ اہل بدعت کے بارے انتہائی متشدد ہیں اور مقدمہ صحیح مسلم میں اہل بدعت پر سخت نکیریں فرمائی ہیں لیکن اسکے باوجود وہ عدی بن ثابت جیسے غالی رافضی سے راویت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ وہ راوی ان کے ہاں ثقہ اور صدوق ہیں اس لئے یہ بدعات اُن کے ہاں کوئی وقعت نہیں رکھتی اگر یہ بدعات جرح شمار ہوتی تو پھر اتنے سارے رواۃ مجروح کہلاتے ، علامہ سیوطیؒ نے ان سب رجال کے نام تدریب الراوی میں تفصیل کیساتھ بیان کئے ہیں جو کہ اہل بدعات میں سے ہیں اور بخاری و مسلم کے راوی ہیں اُن میں تقریباً ۱۴ رجال مرجئہ ہیں ، ۷ رجال نواصب میں سے ہیں ، اور تقریباً ۱۲۸ اہل تشیع میں سے ہیں ، تقریباً ۲۷ قدریہ میں سے ہیں ایک بشر بن سری جہمی ہے ، اور عکرمہ مولی ابن عباس ، ولید بن کثیر اباضیہ یا حروریہ خوارج میں سے ہیں۔ (تدریب الراوی ، ص:۲۸۸)

اب یہ مذکورہ بالا سب رجال بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے راوی ہیں لیکن ان سب کی راویتوں کو باوجود انکے غالی ہونے کے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے لیا ہے تو پھر حارث الاعور

کے باب میں اسکے تشیع میں متشدد ہونے سے اس پر جرح کیونکر درست ہوسکتی ہے۔؟ فتدبروا

پس ماقبل کی تحقیق کا خلاصہ یہ نکلا کہ حارث الاعور کلی طور پر متروک راوی نہیں ہے کہ اس کو محتج بہ نہ ٹھہرایا جائے جبکہ امام نسائیؒ نے سنن نسائی میں اسکی راویت کو لیا ہے اور اسی طرح اپنی کتاب ”عمل الیوم واللیلة“ میں بھی بطور تائید کے پیش کیا ہے۔ دیکھئے (تہذیب التہذیب ، ج:۱،ص:۴۳۱)

”علامہ ذہبی اور حدیث حارث کی تحسین“

علامہ ذہبیؒ نے حارث الاعور کی حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے اس بات کی تصریح کرتے ہوئے کہ یہ مختلف فیہ راوی ہے باوجود اسکے علامہ ذہبیؒ نے اسکی حدیث کا شمار حسن میں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”ثُمَّ بَعْد ذلک أَمْثِلَةٌ کثِیرةٌ یُتنازَعُ فیْهَا ، بَعْضُهُمْ یُحسِّنُونَها وَ آخرونَ یُضَعِّفُونَها ، کَحَدِیْثُ الْحَارِثُ بْنِ عَبدِ اللّٰهِ وَعَاصِمُ بُن ضمرة......الخ (الموقظة فی علم مصطلح الحدیث ، ص:۳۳)

پھر (حسن کے اعلی مراتب کے بعد) بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ جن میں تنازع ہے بعض لوگ تو اسکی تحسین کرتے ہیں اور دوسرے بعض اسکو ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ حدیث حارث بن عبداللہ الاعور اور عاصم بن ضمرہ وغیرہ۔

علامہ ذہبیؒ کی مذکورہ تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے اگر چہ وہ حسن لغیرہ ہی کیوں نہ ہو جبکہ وہ بھی ہمارے ہاں مقبول ہے۔

''علامہ ظفر احمد عثمانی اور حدیث حارث کی تحسین''

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اس حدیث کے اسناد کی تحسین فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''وَهُوَ حَدِيْثٌ حَسَنُ الْاِسْنَادِ''(اعلاء السنن ج:۷،ص:۱۰۶)

اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن ہے۔

''امام ترمذیؒ اور حارث الاعور کے اسناد کی تحسین''

امام ترمذیؒ نے ''باب فی دعاء المریض''میں ایک راویت بیان کی ہے جسکی سند کچھ اسطرح ہے:

''حدَّثنا سُفیان بْنُ وَکیع حدَّثنا یحیٰ بْنَ آدم عَنْ اِسْرائیل عَنْ أَبِی اِسْحاق عَنِ الحَارث عَنْ علیٍّ قَال......الخ(ترمذی کتاب الدعوات،باب دعاء المریض ج:۲،ص:۱۹۶)

اس سند میں حارث بن عبداللہ الاعور ہے لیکن اسکے باوجود امام ترمذیؒ نے اسکی تحسین فرمائی ہے اور اسکا کوئی دوسرا طریق بیان نہیں کیا جو کہ حسن ہو تو یہ احتمال بھی رفع ہوگیا کہ کسی دوسری حسن سند کی وجہ سے اسکو حسن فرمایا ہوگا۔ پس جب یہ بات نہیں تو پھر اصول حدیث کی رو سے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ حسن اور ضعیف ایک ہی جگہ جمع ہوجائیں۔

دوسری بات یہ کہ امام ترمذیؒ نے ''ابواب الفرائض''میں اسی حارث بن عبداللہ الاعور کے متعلق فرمایا کہ:

''وَقَدْ تَکَلَّمَ بَعْضُ اَھلِ العِلْمِ فِی الحَارث وَالعَمل علی ھذا الحدیث عِنْد عامۃِ اَھلِ العِلْمِ(ترمذی ابواب الفرائض، ج:و ۲،ص:۲۹)

اور حارث پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے اور حدیث پر جمہور اہل علم کا عمل ہے۔

اب امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ بعض اہل علم نے حارث پر کلام کیا ہے یہ حارث کے مختلف فیہ ہونے کی طرف اشارہ تھا باوجود اسکے امام ترمذیؒ نے ماقبل والی حدیث کی تحسین کی ہے اور یہ بات اہل علم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حدیث کی تحسین اُسکے ہر راوی کی تحسین ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حارث کے توثیق کو ترجیح دی ہو کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مسند میں حارث بن عبداللہ الاعور سے ابواسحاق سبیعی کے طریق سے ''فی اللعن علی آکل الربا وموکلہ'' حدیث راویت کی ہے۔

تیسری بات یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب امام نسائیؒ نے حارث کی حدیث کی تخریج سنن نسائی میں کی ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حارث کلی طور پر متروک راوی نہیں ہے کیونکہ امام نسائیؒ کا مذہب سنن نسائی کے رجال کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے:

''ولِھذا کَانَ مَذْھَبُ النَّسائیِّ أَنْ لایَتْرُکَ حَدیْثَ الرَّجُلِ حتیّٰ یَجْتَمِعَ الجمِیْعُ علیٰ ترکہ(قواعد فی علوم الحدیث ،ص:۷۵،تنسیق النظام مع مسند امام اعظم ص:۶۸)

امام نسائیؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کے حدیث کو ترک نہیں فرماتے جب تک تمام محدثین کا اسکے ضعف پر اجماع نہ ہو۔

اب ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ امام نوویؒ نے تو شرح مسلم میں حارث کے ضعف پر اجماع نقل فرمایا ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امام نوویؒ کا حارث کے بارے میں مبالغہ ہے اگر حارث کے ضعف پر اجماع منعقد ہوتا تو پھر امام نسائیؒ اپنی سنن میں حارث سے راویت ہی نہ کرتے جبکہ

ماقبل میں امام نسائیؒ کا مذہب معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسے ضعیف راوی سے کہ جس کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہو روایت نہیں کرتے۔

''امام ابوداودؒ اور حارث الاعور کی تحسین''

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حارث بن عبداللہ الاعور ابوداود کے رجال میں سے ہیں اور یہ بات اصول میں مصرح ہے کہ جب امام ابوداودؒ کسی راوی کی تضعیف نہیں فرماتے بلکہ اس پر خاموشی اختیار فرماتے ہیں تو اس راوی کی احادیث کا شمار حسن احادیث میں ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کو ابوداودؒ کے سکوت سے غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ اُن کی خاموشی کو مطلقا تحسین سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ امام ابوداودؒ کا سکوت اس وقت تحسین شمار ہوگا جبکہ دیگر قرائن بھی راوی کی توثیق کے موجود ہوں بعض محدثین نے امام ابوداودؒ کے سکوت کے ساتھ علامہ منذریؒ کے سکوت کو راوی کی تحسین کیلئے شرط کہا ہے۔ کیونکہ امام ابوداودؒ نے بہت سے ضعیف راویوں پر بھی سکوت فرمایا ہے جیسا کہ صالح موالی التوامہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، موسی بن وردان وغیرہ وغیرہ۔

تو امام ابوداودؒ کا سکوت مطلقا کسی راوی کی تحسین کیلئے کافی نہ ہوگا جب تک دیگر قرائن سے اس راوی کی تحسین ثابت نہ ہو جائے۔ چونکہ حارث کی تحسین پر دیگر قرائن بھی موجود ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، اس لئے یہاں امام ابوداودؒ کا سکوت حارث کی تحسین پر دلالت کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث حارث حسن اور قابل حجت ہے لہذا معترض صاحب کا یہ کہنا کہ: ''یہ حدیث یعنی نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا رسول ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے......الخ'' مردود ہے قابل التفات نہیں ہے جیسا کہ ماقبل کی تفصیل سے خوب معلوم ہو چکا ہے۔ وللہ الحمد

کشف الغرر عن سنة الفجر — سنت فجر عندالاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

احناف کی تیسری حدیث:

''حدثنا عباد بن العوام عن حصين عن القاسم بن أبي أيوب عن سعيد بن جبير أنه جاء إلى المسجد والامام في صلوة الفجر فصلى الركعتين قبل أن يلج المسجد عند باب المسجد. (مصنف ابن أبي شيبة ج:٢، ص:٥٦)

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ وہ مسجد ایسے وقت پہنچے کہ امام فجر کی نماز میں مشغول تھا تو انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھ لیں۔

حدیث پر معترض صاحب کے چند مؤاخذات

معترض صاحب نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ: ''فیہ مواخذات'' پھر پہلا مواخذہ اُس نے یہ کیا ہے کہ:

یہ اثر مصنف ابن شیبہ کے اس اثر کے معارض ہے جسمیں آیا ہے کہ سعید بن جبیر نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر کی اقامت کے وقت نوافل پڑھ رہا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو اس سے خوش ہوگا کہ کوئی یہ کہے کہ فلاں عصر کی نماز چھ رکعت پڑھتا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم سے اسکا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اقامت کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسکے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہ ایسا کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اثر ان احادیث مرفوعہ صریحہ کیخلاف ہے جسمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک

شخص کوایسا کرتے ہوئے ٹوکا ہے۔اھ

جواب: تعارض تسلیم ہی نہیں

یہ معترض صاحب کی نادانی ہوسکتی ہے کہ اُس نے سعید بن جبیرؒ کی اس حدیث کو مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث کے معارض سمجھا اس سے معترض صاحب کی علمی استعداد بھی معلوم ہوگئی کہ وہ اصول تعارض کی شد بد سے بھی واقف نہیں ہے کیونکہ تعارض کا اصول ہے:

"الفعلان لا يَتَعَارَضانِ قط لاختلافِ الزّمان، فَيَكُوْنُ فعلٌ فِيْ وَقْتٍ وَضِدُّهُ فِيْ آخَرَ الَّاأَنْ يُفيد الخبران أَنَّ هذاالفعلَ كَانَ مكرراً......الخ(قواعد في علوم الحديث ۲۹۱)

دوفعل اختلاف زمانے کی وجہ سے کبھی بھی باہم متعارض نہیں ہوتے ،پس ایک فعل ایک وقت میں ہوتا ہے جبکہ دوسرا اسکی ضد دوسرے وقت میں ہوتا ہے سوائے اسکے کہ دونوں حدیثیں اس بات کی خبر دے رہی ہوں کہ یہ فعل مکرر ہوا ہے۔

تعارض کے اصول سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دومختلف فعلوں میں باہم تعارض نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کے زمانے اور وقت جدا جدا ہیں لیکن معترض صاحب ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ کی سنت فجر والی راویت کونماز عصر والی راویت کے معارض بتارہے ہیں حالانکہ یہ دنوں جدا جدا فعل ہیں سنت فجر کا وقت جدا ہے نماز عصر کا وقت جدا ہے تو تعارض کے اصول کے پیش نظر ان دونوں راویتوں میں سرے سے تعارض ہے ہی نہیں تعارض تو جب ہوتا کہ سعید بن جبیرؒ کی راویت ایک ہی فعل یعنی سنت فجر کے متعلق ہوتی یعنی ایک راویت میں عندالاقامت سنت فجر کا جواز ہوتا تو دوسری راویت میں سنت فجر کی ممانعت ہوتی تو تب تعارض ہوتا جب ایسا نہیں ہے تو تعارض کا

دعوی باطل ہے۔

اور رہی بات سعید بن جبیرؒ کی مصنف ابن ابی شیبہ والی راویت کی تو اس کو سنت فجر کے علاوہ دیگر سنتوں پر محمول کیا جائے گا اور یہی مذہب ہمارے احناف کا بھی ہے کہ ہم سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل کو مکروہ سمجھتے ہیں اور خود سعید بن جبیرؒ کا اقامت کے وقت سنت فجر پڑھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ "اذا اُقیمت الصلاۃ......الحدیث" میں نہی کو سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل پر محمول فرماتے تھے پس یہ راویت بھی غیر مقلدین پر حجت ہے نہ کہ اُن کیلئے حجت۔

پھر معترض صاحب کا یہ کہنا کہ:

"یہ اثر اُن احادیث مرفوعہ صریحہ کیخلاف ہے جن میں رسول ﷺ نے عندالاقامت نماز سے منع فرمایا ہے۔"

اسکا جواب یہ ہے کہ جن احادیث کی طرف معترض صاحب نے اشارہ کیا ہے ان احادیث کی توجیہات احقر کتاب ھذا کے شروع میں تفصیل کیساتھ بیان کرچکا ہے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے اس حدیث پر دوسرا مواخذہ یہ کیا ہے کہ:

"احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں آثار صحابہ تمام محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہیں اور نہ ہی سنت فجر عندالاقامت کے جواز میں کوئی ایک حدیث مرفوع صحیح ثابت ہے۔اور یہ بات تو اصول فقہ میں ثابت ہے جیسا کہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے کہ: "آثار موقوفہ متعارضہ اور احادیث مرفوعہ منصوصہ کے تعارض کے وقت ترجیح

احادیث مرفوعہ کو ہوگی......الخ

جواب: معترض کی خام خیالی

یہ معترض صاحب کی خام خیالی ہے کہ ہمارے پاس سنت فجر عندالاقامت کے ثبوت میں حدیث مرفوع نہیں ہے حالانکہ حضرت علیؓ کی راویت جو کہ حارث بن عبداللہ الاعور کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت سنت فجر پڑھ لیتے تھے۔ یہ مرفوع حدیث ہے اور اسکی سند بھی حسن ہے جیسا کہ تفصیل کیساتھ گزر چکا ہے۔

دوسری بات یہ کہ سنت فجر عندالاقامت کی ممانعت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان احادیث کی عمومیت میں ہم ان مرفوع احادیث سے تخصیص کرتے ہیں جو سنت فجر کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ تیسری بات یہ کہ آثار صحابہؓ کو ہم بطور تائید کے پیش کرتے ہیں کہ یہ اثار عندالاقامت سنت فجر کی عمومیت سے تخصیص کا ثبوت ہیں پس معترض صاحب کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ آثار صحابہ موقوفہ کو احادیث مرفوعہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ عینیؒ ان احادیث کو جو سنت فجر کی تاکید میں وارد ہوئی ہیں، دلیل میں پیش کرکے فرماتے ہیں:

"فهذا كناية عن المبالغة وحث عظيم على مواظبتهما وعن هذا أصحابنا ذهبوا فيه الى ماذكرنا على أن فيه الجمع بين الامرين (عمدة القاری، ج:۵، ص:۱۸۵)

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے مبالغہ سے اور اسکی حفاظت پر بے حد ترغیب سے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) اس طرف گئے ہیں جسکا ذکر ہم کرچکے ہیں (یعنی

سنت فجر عندالاقامت پڑھنے کے جواز کی طرف جبکہ دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہوتو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے پیچھے سنت فجر پڑھی جائیں) کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتیں (سنت فجر اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت) جمع ہوجاتی ہیں۔

تیسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ:

"اس حدیث سے ہمارے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور ہمارے ہی دعوی پر صادق آتی ہے، یعنی اقامت کے وقت مسجد کے اندر فجر کی سنتیں نہ پڑھنے پر، پس یہ صریح نص ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے مسجد کے باہر پڑھی"۔ فتدبر

جواب:

کاش کہ معترض صاحب کو اپنے صحیح مذہب کا علم ہوتا تو وہ یہ جرأت ہرگز نہ کرتے کہ سعید بن جبیرؒ کی اس راویت کو وہ اپنی تائید میں پیش کریں یہ معترض صاحب کی علمی بے بضاعتی ہی ہوسکتی ہے کہ انہون نے اس حدیث کو اپنی تائید میں سمجھا ورنہ انکا اصل مذہب تو یہی ہے کہ سنن ونوافل عند الاقامت مطلقاً ممنوع ہیں چاہے مسجد میں ہوں یا خارج از مسجد، چنانچہ غیر مقلدین کے مذہب کے ایک معتبر عالم مولانا وحیدالزمان صاحب اپنی مشہور کتاب نزل الابرار میں لکھتے ہیں:

"ولا يجوز له الشروع في اي صلاة اذا أقيمت الصلاة المكتوبة ولا فرق بين ركعتي الفجر وغيرها في هذاالحكم

وَلاَ بَیْنَ اَنْ یُّؤَدِّیھَا فِی الْمَسْجِدِ ام خارجه عندَ بَابِهٖ......الخ

(نزل الابرار ،باب ادراک الفریضة، ص: ۱۳۳)

فرض نماز کی اقامت کے وقت کسی بھی نماز کو شروع کرنا اسکے لیے جائز نہیں ہے اور اس حکم میں سنت فجر اور دیگر (سنن ونوافل) کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ہی سنت فجر مسجد میں یا مسجد کے باہر اسکے دروازے کے پاس پڑھنے میں کوئی فرق ہے۔

اسی طرح معترض صاحب کے مذہب کے دوسرے دو بڑے علماء ایک علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب نے ابوداود کی شرح عون المعبود میں اور دوسرے علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب نے ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں اپنا مذہب نقل کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"وَ الْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یَجُوْزُ الشُّرُوْعُ فِی النَّافِلَةِ عِند اِقَامَتِ الصَّلَاةِ مِنْ غَیْرِ فَرْقٍ بَیْنَ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ وَغَیْرِهِمَا......الخ (عون المعبود ج: ۴،ص: ۱۴۲،تحفة الاحوذی، ج: ۲،ص: ۳۹۸)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت نماز کے وقت نوافل شروع کرنا جائز نہیں ہے، سنت فجر و دیگر سنن ونوافل میں بغیر کسی فرق کے۔

پس غیر مقلدین کا اصل مذہب معلوم ہونے کے بعد معترض صاحب کی اپنے مذہب سے نادانی بھی معلوم ہوگئی کہ معترض صاحب کو اپنے مذہب کا علم بھی نہیں اور اس کے باوجود وہ احناف پر رد وقدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ رد وقدح کے مستحق تو وہ خود ہیں۔ کہ انہیں اپنے صحیح

مذہب کا علم بھی نہیں ہے کہ ان کے ہاں اقامت نماز کے وقت سنن ونوافل پڑھنا مطلقا ممنوع ہیں۔ پس حدیث سعید بن جبیرؒ احناف کے مسلک کی تائید کر رہی ہے نہ کہ غیر مقلدین کے مذہب کی۔ فتدبروا یا مدعی الاجتہاد والتحقیق

احناف کی پانچویں حدیث:

"عَنْ مَالِکِ بن مِغْوَلٍ قَالَ: "سَمِعْتُ نَافِعًا یَقُوْلُ: اَیْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فصلّٰی رَکْعَتَین

(شرح معانی الاثار ج: ۱،ص: ۳۷۵، کتاب الصلاة)

حضرت مالک بن مغول سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نافعؒ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابن عمرؓ کو نماز فجر کیلئے جگایا اور تحقیق کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی تو وہ کھڑے ہو کر فجر کی سنتیں پڑھنے لگے۔

معترض صاحب کے حدیث پر مواخذات:

معترض صاحب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "فیہ مواخذات" کہ اس حدیث میں چند مواخذات ہیں پھر حسب ذیل تین موخذات کو نمبر وار پیش کیا ہے:

پہلا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

"مدعی نے اس حدیث کی تخریج بیان نہیں کی ہے کہ اس حدیث کو کس نے راویت کیا ہے"

جواب:

اس حدیث کی تخریج امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار (۱/۳۷۵) میں کی ہے اور اس کو محتج بہ قرار دیا ہے پس یہ حدیث قابل حجت ہے۔اب ہوسکتا ہے کہ معترض صاحب یہ اعتراض کر بیٹھیں کہ اس حدیث کی سند میں ''فہد نام کا'' ایک راوی ہے جسکے بارے میں بعض لوگوں نے فرمایا کہ ''لم اقف علیہ'' میں ان کو نہیں جانتا یعنی یہ مجہول راوی ہے؟ اور مجہول راوی کی راویت قابل احتجاج نہیں ہوتی پس یہ راویت قابل احتجاج نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فہد مجہول راوی نہیں ہے بلکہ یہ فہد بن سلیمان ہے علامہ عینیؒ مغانی الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں:

''فهدُ بْنُ سُلَيمَان بن يحييٰ: أحَد مشَايِخ أبِيْ جَعْفر الطَحاوى الـذِّيْنَ روى عنهُم وَكتب وحدَّث. ذكرهُ أبُوْ سعيدُ بْنُ يُونُس فِيْ تَـارِيـخ الغُرباء الذِّيْنَ قدَّموا مصرَ، وَقَال: فهد بْنُ سُلَيمَان بـنُ يـحيـىٰ، يُـكـنـى أبـامـحـمَّـد، كـوُفِـيُّ قَـدَّم مـصـرَ قَـديـمـا.........، تـوُفـىَ بمصُرَ فِىُ صفَر سنَة خمسَ وَّسَبْعِيْنَ وَمأتَيْنِ، وكَانَ ثِقة ثُبْتًا ......الخ

(مـغـانـى الاخيـار فـى شـرح أسـامـى رجـال معـانـى الاثار، ج:۲، ص:۴۶۰)

فہد بن سلیمان بن یحیٰی امام ابو جعفر طحاویؒ کے اُن مشائخ میں سے ہیں کہ جن سے انہوں نے راویت کی، حدیثیں لکھیں اور بیان کی ہیں ابو سعید بن یونس نے اُن لوگوں کی تاریخ میں جو مصر سے آئے تھے یعنی

تاریخ غرباء میں اسکا ذکر کیا ہے، اور فرمایا کہ: ''فہد بن سلیمان بن یحیٰی، کی کنیت ابو محمد تھی کوفی تھے مصر بہت پہلے آئے تھے،..........اُن کی وفات ماہ صفر، ۲۷۵ھ میں مصر میں ہوئی اور وہ ثقہ اور ثبت تھے۔

اسکے علاوہ علامہ ابن ترکمانیؒ نے بھی الجوہر النقی میں فہد بن سلیمان کی توثیق فرمائی ہے اور امام طحاویؒ نے اس سے بہت ہی مقامات پر احتجاج کیا ہے پس فہد بن سلیمان محتج بہ راوی ہے۔(اعلاء السنن، ج:۵، ص:۱۹۷۷)

دوسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

''یہ حدیث خود ابن عمرؓ کی اس حدیث کے معارض ہے جسمیں ہے کہ: ''ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ موذن کی اقامت کے وقت نماز پڑھ رہا ہے تو آپؓ نے اسکو کنکریوں سے مارا۔

اور ابن عمرؓ جب مسجد ایسے وقت داخل ہوتے جب لوگ فرض نماز میں مشغول ہوتے تو انکے ساتھ فرض نماز میں شامل ہوجاتے حالانکہ آپؓ نے سنت فجر نہیں پڑھی ہوتھیں پھر جب سورج خوب روشن ہوتا تو سنت فجر پڑھ لیتے تھے۔پس اے فقہ والو ایسی حالت میں تم لوگ کیا کروگے کہ جب ایک ہی صحابی کے اقوال باہم متعارض ہوں؟۔ میں کہتا ہوں کہ جب آثار صحابہ اور احادیث مرفوعہ باہم متعارض ہوں تو ترجیح احادیث مرفوعہ کو ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم، محدثین اور اُصولیین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔اھ''

جواب:

معترض صاحب نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے تعارض کا جو شبہ پیش کیا ہے اور اس پر حوالہ مصنف عبدالرزاق کا دیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں یہ اثر حضرت عمر بن خطابؓ کا ہے نہ کہ ابن عمرؓ کا چنانچہ راویت یوں ہے:

”عبدُ الرزاقِ عَنِ الثَوریؒ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الحَسنِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنْ سُوَیْدِ بْنِ غَفْلَةَ قَالَ كَانَ عُمرُ بْنُ الخطاب يَضْرِبُ على الصَّلاةِ بعد الاقَامة. (ج: ۲، ص: ۴۳۶)

اسکے علاوہ یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں مروی ہیں:

”حدَّثَنا عَبدُ السَّلام بْنُ حَربٍ عَنْ بن أَبِیْ فَروَة عَن أَبِیْ بكرِبنِ المُنكِدر عَنْ سَعِيد بْنِ المسيَّب أَنَّ عُمرَ رأى رجُلاً يُصلِّيْ رَكْعَتَين وَالموَّذنُ يُقيمُ فَانتَهَرهُ وَقالَ لاصلاة والموَّذِنُ يُقِيمُ الاَّ الصَّلاة التىّ تُقَامُ لهَا الصَّلاةُ(مصنف ابن ابی شيبه ج: ۱، ص: ۴۲۱، باب فی الصلاه اذا اخذ المؤذن فی الاقامة)

اسکے علاوہ امام بیہقیؒ نے یہ اثر سنن کبری (۴۸۳/۲) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور اسمیں بھی حضرت عمرؓ کے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ جب اقامت کے وقت کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو انہیں مارتے تھے۔

اور ماقبل کی یہ تمام راویتیں خود غیر مقلدین کے ہاں ضعیف ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے مذہب کے معتبر عالم ارشادالحق اثری صاحب اعلام اہل العصر پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں:

”اور میں کہتا ہوں کہ اس راویت کی تخریج امام بیہقیؒ نے (۴۸۳/۲) پر بغیر سند کے کی ہے، اور ابن ابی شیبہ نے (۷۷/۲) پر اس حدیث کی تخریج کی ہے .... لیکن اس سند میں ابن ابی فروہ ہے اور وہ اسحاق بن عبداللہ ہے اور وہ متروک ہے جیسا کہ تقریب میں ہے، اور امام عبدالرزاق نے بھی (۴۳۶/۲) پر اور اسی سند سے امام ابن حزم نے المحلّی میں (۱۱۰/۳) پر اس اثر کی تخریج فرمائی ہے .... لیکن استاد شاکر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں کہ: ”رہی بات جابر کی تو راجح یہی ہے کہ وہ ابن یزید جعفی ہیں، اور وہ غیر ثقہ ہیں اور رہی بات حسن بن مسافر کی تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ اور میں نے کسی کتاب میں اسکا ذکر نہیں پایا۔

اس تحقیق سے معترض صاحب کی علمی حیثیت بھی معلوم ہوگئی کہ معترض صاحب بغیر تحقیق کے کیا کچھ لکھ گئے لیکن اس پر سوچا نہیں کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اسکی مثال رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والے کی ہے کہ اُس کو کچھ نہیں نظر نہیں آتا کہ کیا چن رہا ہے اور کیا چھوڑ رہا ہے!

اب میں معترض صاحب پر احسان کر کے بتانا چاہتا ہوں کہ ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث کی تخریج امام بیہقی نے (۴۸۳/۲) پر فرمائی ہے جسکی سند یوں ہے:

”وَأَخْبَرنَا أَبُوالحَسن المُقرِیءُ أَخْبَرنَا الْحَسَن بْنُ مُحمَّد بْنِ اِسْحَاقَ حدَّثَنا يُوْسُفَ بْنُ يَعْقُوبَ حدَّثنا هُدبةُ حدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ أَبْصَرَ رَجُلاً يُصَلِّى الرَّكْعَتَينِ وَالموَّذِنُ يُقيمُ فَحَصَبَهُ، وَقَالَ: أَتُصَلِّیْ

الصُبحَ أَرُبعًا؟موقوف"

اب اگر ہم ابن عمرؓ کی مذکورہ راویت کی وجہ سے تعارض کوتسلیم بھی کرلیں تو پھر بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان راویات کوساقط کرلیں کیونکہ جہاں تک تطبیق کرنا ممکن ہو تطبیق کی راہ اختیار کرینگے تا کہ کسی بھی حدیث کوترک نہ کرنا پڑے اسی وجہ سے ہم احناف ابن عمرؓ کی راویات میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے حضرت حفصہؓ کے گھر میں اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا بھی ثابت ہیں اور مذکورہ اثر سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ اقامت نماز کے وقت سنن ونوافل پر ناراض ہوکر لوگوں کو مارا کرتے تھے ان دونوں باتوں کے ثبوت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"صَحَّ عَنُ اِبُنِ عمرَ أَنَّهُ كَانَ يَحُصبُ مَنُ يَتَنفَّلُ فِيُ الُمَسُجِدِ بَعُدَ الشُّروعِ فِيُ الاقَامةِ،وصَحَّ عَنُهُ أَنَّهُ قَصَد الُمَسُجِدَ فَسَمِعَ الاقَامةَ فَصلَّىٰ رَكُعَتي الُفَجُرِ فِيُ بَيت حَفصةَ ثُمَّ دَخلَ الُمَسجِدَ فَصلَّىٰ مَعَ الاِمَامِ(فتح الباری ،اعلاء السنن ،ج:۵،ص:۱۹۸۲)

ابن عمرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس شخص کو کنکریوں سے مارتے جو اقامت کے وقت مسجد میں نوافل پڑھتا،اوراُن سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مسجد کی طرف آنے کا رادہ فرمایا توانہوں نے اقامت کی آواز سنی پس آپؓ نے سنت فجر حضرت حفصہؓ کے گھر میں ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہوکر امام کیساتھ نماز میں شامل ہوگئے۔

پس جب ابن عمرؓ سے دونوں عمل ثابت ہیں تو پھر ان راویات میں حتی الامکان تطبیق کی راہ اختیار

کرنی ہوگی اور معترض صاحب نے شاید اس قاعدے "اذا تعارضا تساقطا" کی بنیاد پر کہا ہے کہ ابن عمرؓ کا عمل تعارض کیوجہ سے ساقط ہے حجت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جب دوحدیثیں باہم متعارض ہوں تو اُس پر عمل کرنا ساقط ہوجاتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس میں تطبیق ممکن نہ ہوجبکہ ابن عمرؓ کے عمل میں تطبیق ممکن ہے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"فَهُوَ مَحُمُولٌ عَلىٰ أَنَّهُ كَانَ يَحُصَبُ مَن يُصَلِّيهمَا فِيُ الُمَسُجِدِ متَّصِلاً لِصُفُوفِ الُقومِ ،لاَ مَنُ كَانَ يُصَليِّهمَا مُنُفَصِلاً عَنُها(اعلاء السنن، ج:۵،ص:۱۹۸۲)

ابن عمرؓ کا کنکریوں سے مارنا اس بات پر محمول ہے کہ وہ اس شخص کو مارتے جومسجد میں جماعت کی صفوں کے متصل نوافل وغیرہ پڑھتا نہ کہ مسجد میں صفوں سے الگ نوافل پڑھنے پر۔

احقر کہتا ہے کہ اس راویت میں یہ تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ ابن عمرؓ سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن ونوافل پر مارا کرتے کیونکہ اس راویت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ فجر کی سنتیں پڑھنے پر ہی مارا کرتے تھے۔

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ابن عمرؓ کو ایک رکعت ملنے کی امید نہ ہو اس وجہ سے وہ امام کیساتھ نماز میں شریک ہوگئے اور فجر کی سنتیں اشراق کے وقت پڑھیں اور یہی مذہب احناف کا بھی ہے کہ جب امام کیساتھ دوسری رکعت ملنے کی امید نہ ہوتو سنتیں چھوڑ کر امام کیساتھ شامل ہوجائے اور اشراق کے بعد سنتوں کو چاہے تو پڑھ لے مستحب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مالک بن مغول کی یہ راویت قابل حجت ہے جو کہ سنت فجر عند الاقامت کے جواز

کا ثبوت ہے۔

تیسرا مواخذہ:

معترض صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

''اس اثر میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن عمرؓ نے فجر کی سنتیں مسجد میں پڑھیں یا گھر میں اور غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے سنتیں گھر میں ہی پڑھی ہوگی کیونکہ اس وقت آدمی گھر میں سوتا ہے۔اھ''

جواب:

یہ معترض صاحب کی علمی بے بضاعتی ہی کا نتیجہ ہے کہ اس حدیث میں ابن عمرؓ کا سنت فجر گھر میں یا مسجد میں پڑھنے کا ذکر ہی نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہاں ذکر نہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری حدیث میں بھی ذکر نہ ہو، لیجئے ہم معترض صاحب کا یہ اعتراض بھی دفع کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے سنت فجر مسجد میں پڑھی ہیں یا گھر میں؟

امام طحاویؒ نے شرح معانی الاثار میں حضرت زید بن اسلم کی یہ راویت بیان کی ہے:

''وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ جَاءَ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَلَمْ يُصَلِّ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَصَلَّاهُمَا فِي حُجْرَةِ حَفْصَةَ ثُمَّ صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ''(شرح معانی الاثار، ج: ا ص: ۳۷۵)

حضرت زید بن اسلمؒ سے راویت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد کو تشریف لائے کہ امام صبح کی فرض نماز میں مشغول تھا اور ابن عمرؓ نے ابھی سنت فجر ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ

کشف الغرر عن سنة الفجر　سنت فجر عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

میں سنتیں اداء کیں پھر امام کے ساتھ فرض نماز میں شامل ہوگئے۔

اس راویت میں حضرت ابن عمرؓ کا اقامت نماز کے وقت حضرت حفصہؓ کے مکان میں سنتیں پڑھنا ثابت ہوگیا تو مسجد میں ہی پڑھنا ثابت ہوگیا کیونکہ حضرت حفصہؓ کا حجرہ اس وقت مسجد میں داخل تھا جیسا کہ علامہ سمہودیؒ نے ''خلاصة الوفاء'' میں اسکی تصریح فرمادی ہے۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اعلاء السنن (۱۹۸۲/۵)۔

احناف کی چھٹی حدیث:

''وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَعُوهُمَا وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ.''(ابوداود، ج: ا، ص: ۱۸۶، التطوع، باب تخفيف ركعتي الفجر، رقم الحديث (۱۲۵۸).

حضرت ابو ہریرۃؓ سے راویت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

معترض صاحب کی حدیث پر جرحیں:

پہلی جرح معترض صاحب نے یہ کی ہے کہ:

''میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیھا کیساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ (اسکا تعلق سنت فجر کی فضیلت کیساتھ ہے)اور اختلاف سنت فجر عند الاقامت میں ہے۔

جواب:

معترض صاحب کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازعہ کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یا تو معترض

صاحب کی جہالت ہے یا پھر تجاہل ہے یعنی یہ بات معترض صاحب کے تجاہل پر مبنی ہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیھا کیساتھ بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کی وجہ سے ابو ہریرہؓ کی راویت ”اذا اقیمت الصلاۃ......الحدیث میں تخصیص فرمائی ہے چنانچہ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَخُصَّت سُنَّۃُ الْفَجرِ بِقَولِہ ﷺ لاتدعوا ھما......الخ(عمدۃ القاری، ج:۵،ص:۱۸۴)

اور سنت فجر رسول ﷺ کے اس قول سے کہ: ”فجر کی سنتیں نہ چھوڑ اگرچہ گھوڑے تمہیں روندڈالیں“ سے مخصوص ہیں۔

اسی طرح ملاعلی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَقَالَ اِبنُ المَلک: ”سُنَّۃُ الْفَجرِ مَخصُوصَۃٌ مِن ھذا بِقَولِہ ﷺ صَلُّوھَا وَاِن طَرَدَتکُم الْخَیلُ“ فَقُلنَا یُصَلّیٰ سُنَّۃُ الْفَجرِ مَالَم یَخشَ فَوتَ الرَّکعَۃِ الثَّانِیَۃِ وَیَترُکَھَا حِینَ خشی عملاً بالدلِیلَین.(مرقاۃ المفاتیح، ج:۳،ص:۱۳۳)

ابن ملکؒ نے فرمایا کہ: ”سنت فجر اس حدیث ”اذا اقیمت الصلاۃ ......الخ“ سے نبی کریم ﷺ کے اس قول: ”فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روندڈالیں“ سے مخصوص ہیں۔ پس (اس وجہ سے) ہم (احناف) کہتے ہیں کہ سنت فجر اس وقت تک ادا کیں جائیں گی جب تک فرض نماز کی دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو، اور اگر دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ ہوتو پھر سنتیں چھوڑ دیں دنوں دلیلوں پرعمل کرتے ہوئے۔

نیز علامہ عینیؒ نے سنت فجر کی فضیلت والی احادیث کو اپنے مذہب کی دلیل میں پیش فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”وَرَوَی اَبُودَاوُد مِن حَدِیث اَبِی ھُرَیرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالی عَنہُ قَالَ رَسُولُ ﷺ لاتَدعُوھُما وَاِن طَرَدَتکُم الْخَیلُ......فھذا کِنَایَۃٌ عَنِ الْمُبَالغَۃِ وَحثٌ عظِیمٌ عَلیٰ مَواظِبَتِھا وَعَن ھذااَصحابُنا ذَھبوا فِیہِ اِلیٰ مَاذکرنا عَلیٰ اَنَّ فِیہِ الْجَمعُ بَینَ الاَمَرَینِ فَافھَم.(عمدۃ القاری، ج:۵،ص:۱۸۵

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے مبالغہ اور انکی حفاظت پر بے حد ترغیب سے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) کا اس میں وہی مذہب ہے جسکا ذکر ہم کرچکے ہیں (یعنی نماز فجر کی اقامت کے وقت مسجد سے باہر یا مسجد کے دروازے کے پاس اور اگر وہاں بھی جگہ نہ ہو تو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے پیچھے سنت فجر پڑھنا اس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتوں (یعنی سنت فجر اور فرض نماز میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے) پرعمل ہوجاتا ہے۔

اب آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ اکابر محدثین تو اس حدیث کا تعلق مسئلہ متنازع فیھا سے قائم کرتے ہیں لیکن معترض صاحب ہیں کہ وہ احناف کے ساتھ تعصب کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مسئلہ متنازع فیھا کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے!

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا معترض صاحب کے اعتراض کا ان اکابر محدثین کے مقابلہ میں کوئی وزن ہے؟ حاشا وکلا کیونکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اور سورج کو چراغ دکھانے والے کو اگر احمق کہہ دیا جائے تو میرے خیال میں اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔

احناف کی حدیث پر دوسری جرح:

دوسری جرح معترض صاحب نے اس حدیث کی سند پر یہ کی ہے کہ:

> یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن سیلان ہے جو کہ لین الحدیث ہے اور اس حدیث کے تمام طرق واہی ہیں جو مجموعی اعتبار سے بھی درجہ حسن تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو تب بھی اس میں سنت فجر کے انتہائی اہتمام کا حکم ہے کہ جہاد کے موقع پر بھی انہیں ترک نہ کرنا چاہئے، جبکہ ہم انہیں ترک نہیں کرتے بلکہ ہم ان کو فرض نماز کے بعد تک مؤخر کر دیتے ہیں احادیث کی اتباع کرتے ہوئے، اور جو لوگ اس حدیث سے سنت فجر عندالاقامت کے جواز کی دلیل پکڑتے ہیں وہ فقہ وتدبر سے کوسوں دور ہیں۔ اھ

جواب:

معترض صاحب نے جس راوی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف ٹھہرایا ہے اس نام کے تین راوی ہیں ایک کا نام عبدربہ بن سیلان ہے، دوسرے راوی کا نام جابر بن سیلان ہے اور تیسرے راوی کا نام عیسیٰ بن سیلان ہے۔

لیکن ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے میں عبدربہ بن سیلان مشہور ومعروف ہیں، پس ابوداود کی سند

میں ابن سیلان سے مراد یہی عبدربہ بن سیلان ہی ہیں جیسا کہ مسند احمد کے بعض طرق میں عبدربہ بن سیلان کی تصریح بھی موجود ہے۔ اور رہی بات جابر بن سیلان کی تو وہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرنے میں معروف ومشہور ہیں تو اس سند میں وہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ وہ جابر بن سیلان کے حالات میں فرماتے ہیں:

> "وَظَهَرَ هٰذا أَنَّ ابْنَ سِيلانَ ثَلاثةٌ جابِرُ بْنُ سِيلان وَهُوَ الرَّاوِى عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ، وعَبْدُ رَبِّهٖ بْن سِيْلان وَهُوَ الَّذِىْ يَروِى عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ يَرْوِى عَنْهُ اِبْنُ قُنْفُذ اما عَيسىٰ فَاِنَّهُ وَاِنْ كَانَ يَرْوِىْ عَنْ أَبِىْ هُرَيرة فَلَمْ يَذكُروا أَنَّ ابنَ قُنْفُذ روى عَنهُ فَتَعَيَّنَ أَنَّ الَّذِىْ أَخْرَجَ لَهُ أَبُوداود هُوَ عَبدُ رَبِّهٖ ......الخ (تهذيب التهذيب، ج: ١، ص: ٣٦٣)
>
> اور اس سے ظاہر ہوا ابن سیلان تین ہیں: جابر بن سیلان اور وہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے وایت کرتا ہے، اور عبدربہ بن سیلان وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اُس سے ابن قنفذ روایت کرتا ہے اور رہی بات عیسیٰ بن سیلان کی تو اگرچہ وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے لیکن محدثین نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ ابن قنفذ اس سے روایت کرتا ہے (پس جب ایسا نہیں)، تو یہ بات متعین ہوگئی کہ امام ابوداودؒ نے جس کی حدیث کی تخریج کی ہے وہ عبدربہ بن سیلان ہے

پس جب یہ بات متعین ہوگئی کہ امام ابوداودؒ نے جس راوی کی تخریج اپنی سنن میں فرمائی ہے وہ

عبدربہ بن سیلان ہے تو اب آئندہ ہمارا کلام عبدربہ بن سیلان کے متعلق ثقہ وغیر ثقہ ہونے کی تحقیق میں ہوگا کہ محدثین اور آئمہ جرح وتعدیل عبدربہ بن سیلان کے متعلق کیا فرماتے ہیں چنانچہ آئمہ جرح وتعدیل کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱)......علامہ ابن حبانؒ نے عبدربہ بن سیلان کو ثقات میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

"عَبْدُ رَبِّهٖ بْنِ سِيْلَان يَرْوِيْ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَة عِداده فِيْ أَهْلِ الْمَدِيْنَة هُوَ الَّذِىْ يُقَالُ لَهٗ عَبْدُرَبِّهِ الدُّوسِيُّ روى عَنْهُ محمد بْنُ الْمُهَاجِرُ (الثقات لابن حبان، ج: ۵، ص: ۱۳۲)

"عبدربہ بن سیلان ابو ہریرہؓ سے راویت کرتا ہے ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جن کو عبدربہ دوسی کہا جاتا ہے محمد بن مہاجر نے اُس سے راویت کی ہے۔

(۲)......امام نسائیؒ اور امام ابن خزیمہؒ ابن سیلان کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَقَالَ النَسائِىُّ وَابْنُ خُزَيْمةُ: لَيْسَ به بأس. (اعلام اهل العصر، ص: ۲۲)

ابن سیلان (سے راویت کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳)......علامہ عراقیؒ نے عبدربہ بن سیلان کی اس حدیث کو صالح قرار دیا ہے چنانچہ علامہ شوکانیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الْعِراقِىُّ: اَنَّ هذا حَدِيْثٌ صَالِح" (نيل الاوطار، ابواب مايبطل الصلاة وما يكروه فيها، بات تاكيد ركعتى الفجر، ج: ۳، ص: ۱۱۹)

اور عراقیؒ نے فرمایا ہے کہ: یہ حدیث اچھی ہے۔

تنبیہ:

علامہ شوکانیؒ جو غیر مقلدین کے مذہب کا اصل ماخذ ہیں وہ اس حدیث کے متعلق آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"والحديثُ يَقْتَضِىْ وُجُوبَ رَكْعَتِي الْفَجْرِ......الخ (نيل الاوطار، ابواب مايبطل الصلاة ومايكره فيها باب تاكيد ركعتى الفجر)

اور حدیث سنت فجر کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے۔

معترض صاحب کو اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے کہ انکے بڑے تو اس حدیث سے وجوب ثابت کرتے ہیں لیکن معترض صاحب اس حدیث کے تمام طرق کو واہی بتا کر جان چھڑا لیتے ہیں کیا ایسی حدیث جو تمام سندوں کے اعتبار سے بالکل ضعیف ہو اس سے وجوب ثابت ہوسکتا ہے؟ معترض صاحب یقیناً جواب نفی میں دینگے وجوب کی بات تو بہت ہی دور کی بات ہے ایسی حدیث جسکی تمام سندیں واہی ہو اس کو فضائل میں بیان کرنا جائز نہیں چہ جائیکہ اس سے وجوب ثابت کیا جائے۔

(۴)......علامہ سیوطیؒ نے یہ حدیث جامع صغیر میں نقل فرما کر اس پر حسن کی علامت ثبت فرمائی ہے چنانچہ علامہ مناویؒ فیض القدیر میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وَرَمَزَ لِحُسْنِهٖ قَالَ عَبْدُ الحقُّ اِسْنادهُ لَيسَ بقوىٌّ" (فيض القدير، ج۶، ص: ۳۹۳، مكتبه تجارية مصر)

اور (علامہ سیوطیؒ) نے اس پر حسن کی علامت ثبت فرمائی ہے اور

عبدالحقؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

"عبدالحقؒ کے اسناد حدیث کو قوی نہ کہنے کہ وجہ"

عبدالحقؒ نے اس حدیث کی سند کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ اسکی سند قوی نہیں ہے تو اسکی وجہ ابن سیلان کی حالت سے عدم واقفیت ہے کہ اُن کو ابن سیلان کا حال معلوم نہیں تھا اس وجہ سے انہوں نے اس کے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی سند قوی نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن قطانؒ اسکی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَعِلَّتُهُ الْجَهْلُ بِحالِ ابْنِ سِيلان وَلايَدْرِىْ أهُو عبدربّه بن سيلان أو جَابِر بُنْ سِيلان (نصب الراية، ج: ۲، ص: ۱۶۰)

اور عبدالحقؒ کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ اسکی سند قوی نہیں ہے اسکی وجہ انکا ابن سیلان کی حالت سے بے خبری ہے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ عبدربہ بن سیلان ہے یا جابر بن سیلان۔

پس ماقبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابن سیلان سے مراد اس حدیث میں عبدربہ بن سیلان ہی ہیں تو علامہ عبدالحقؒ کا اس حدیث کی سند کو قوی نہ کہنا قابل قبول نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین فرمالیجئے کہ ابن سیلان اگرچہ مختلف فیہ راوی ہے کہ بعض آئمہ جرح وتعدیل نے اسکی تضعیف بھی کی ہے لیکن مختلف فیہ راوی کا درجہ کم از کم حسن کا ہوتا ہے جیسا کہ ماقبل میں اسکی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ پھر جب علامہ عراقیؒ نے اس حدیث کو صالح للاحتجاج قرار دے دیا تو یہ بھی حدیث کے ہر ہر راوی کے قابل احتجاج ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ حدیث کی تحسین اسکے ہر راوی کی تحسین ہوتی ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

ان مباحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ معترض صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ: "یہ حدیث ضعیف ہے

اور اسکے تمام طرق نا قابل اعتماد ہیں" محض معترض صاحب کے تعصب کی کرشمہ سازی ہے کہ حق کو جانتے ہوئے بھی اس سے چشم پوشی فرمائی اور حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کر بیٹھے!۔

دوسری بات معترض صاحب نے یہ کہی تھی کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو پھر بھی زیادہ سے زیادہ اسکا تعلق سنت فجر کی تاکید سے ہے اور اسکے ہم بھی قائل ہیں کہ ہم سنت فجر کو نماز فجر تک مؤخر کرتے ہیں اور نماز فجر کے بعد پڑھتے ہیں احادیث کی اتباع کرتے ہوئے۔

ہم معترض صاحب سے پوچھتے ہیں؟ کہ نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کی ممانعت تو احادیث سے ثابت ہے تو آپ ان احادیث پر عمل کیوں نہیں کرتے کہ سنت فجر کو وقت سے مؤخر کر دیتے ہیں؟

اور معترض صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نماز فجر کے بعد پڑھتے ہیں تو ہم معترض صاحب سے پوچھتے ہیں؟ کہ نماز فجر کے بعد سنن ونوافل پڑھنے کی ممانعت تو متواتر احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے تو پھر ان متواتر احادیث کو چھوڑ کر ایک مرسل اور منقطع راویت کو کیوں ترجیح دیتے ہو؟ اور کیا صحیح اور قوی احادیث کو چھوڑ کر ایک کمزور حدیث پر عمل کرنے کا نام عمل بالاحادیث ہے؟

ممانعت والی احادیث زیادہ ہیں اور جواز کی صرف ایک حدیث اور وہ بھی اپنے تمام طرق کے اعتبار سے مرسل ہی ہے۔ یہ اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ اپنے مطلب نکالنے کیلئے صحیح حدیث کو چھوڑ کر اس کے مقابلے میں ایک کمزور حدیث کو ترجیح دی جاتی ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

اب آپ حضرات انصاف کیساتھ فیصلہ فرمائیں کہ جو لوگ متواتر اور صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں وہ زیادہ فقہ وتدبر والے ہیں یا جو لوگ کمزور اور ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں وہ فقہ وہ فقہ

وتدبر والے ہیں؟ یقینا اول الذکر زیادہ فقہ وتدبر والے ہیں اور ثانی الذکر فقہ وتدبر سے کوسوں دور ہیں جو متواتر احادیث کے مقابلہ میں تعصب کی وجہ سے کمزور احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے ایک دوسری بات پیش کرنا چاہتا ہوں آپ اس پر غور کر کے فیصلہ فرمائیں کہ احناف احادیث پر زیادہ عمل کرنے والے ہیں یا غیر مقلدین حضرات؟

سنت فجر کی تاکید میں جتنی راویات وارد ہوئیں ہیں ان احادیث سے سنت فجر کی انتہائی اہمیت معلوم ہوتی ہے اس اہمیت کے پیش نظر احناف ان پر حتی الامکان عمل کرنے کا کہتے ہیں ایک طرف سنت فجر کی اہمیت ہے اور دوسری طرف جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت ہے تو احناف ان دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کیلئے دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا کہتے ہیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور اس نے ابھی سنتیں نہیں پڑھی ہوں تو اگر دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو وہ مسجد کے باہر یا اگر باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی آڑ میں سنتیں پڑھ کر فرض نماز میں امام کیساتھ شامل ہو جائے تو ایسی صورت میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی اور سنت فجر کی فضیلت بھی۔

اور نماز فجر کے بعد سنت فجر کی ممانعت میں بھی احناف عاملین بالا حادیث ہیں کہ نماز فجر کے بعد سنت فجر کا وقت نہیں ہے کیونکہ اس وقت میں نماز پڑھنے پر ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ آپ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ جو لوگ فجر کے قیام کے وقت مطلقا سنتیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا کہتے ہیں وہ حق کے زیادہ قریب ہیں یا جو لوگ نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ حق کے زیادہ قریب ہیں۔؟ تدبر

تمت بالخیر ۲۷ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ بمطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء

کل عام وانتم بخیر

''حصہ سوم''

''کشف التلبیسات''

عمانی کتاب

''التحقیات فی ردالہفوات''

''سنت فجر عندالاقامت پر''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا تحقیقی جائزہ''

تمہید

''کشف الغررعن سنۃ الفجر'' کے دوسرے حصہ کی تکمیل کے بعد اتفاق سے غیر مقلدین کی ایک کتاب جسکا نام ''التحقیقات فی ردالہفوات'' ہے نظر سے گزری جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں دیگر اختلافی مسائل کیساتھ ''سنت فجر'' کے موضوع پر کی گئی بحث بھی نظر سے گزری چونکہ یہ بحث اس کتاب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے اس وجہ سے احقر نے اپنی کتاب کا تیسرا حصہ انہی مباحث کے جواب کیلئے مختص کیا پھران مباحث میں بھی احقر نے صرف اورصرف ''سنت فجر عندالاقامت'' پرصاحب التحقیقات کے کلام کا جائزہ لیا ہے۔

سنت فجر عندالاقامت کے مسئلہ میں احناف کے استدلالات پر جوکلام ''صاحب التحقیقات'' نے کیا ہے اُس کے متعلق راقم الحروف نے ماقبل کے دوحصوں میں چیدہ چیدہ کلام کیا ہے لیکن جو آثار صحابہ ہم پیش کرتے ہیں اُن کے اسناد پر ماقبل کے دوحصوں میں کچھ خاص کلام نہیں ہوا۔ اس وجہ سے ممکن تھا کہ احناف وہ آثار صحابہؓ ''سنت فجر عندالاقامت'' کی دلیل میں پیش کرتے تو ادھر سے غیر مقلدین اُن کوفوراً ہی یہ کہہ کررد کردیتے جیسا کہ یہ اُن کی پرانی عادت ہے کہ یہ

راویات ضعیف ہیں اور قابل استدلال نہیں ہیں۔ چونکہ اس بات سے پھر بھی لوگوں کے دلوں میں احناف کے متعلق بدظنی پیدا ہونے کا احتمال تھا تو اس وجہ سے ان مباحث پر کلام کرنا ضروری ہوا تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے۔ اور لوگوں کے دلوں میں احناف کے مذہب کے متعلق ذرا برابر بھی شبہ نہ رہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد انشاء اللہ ہر آدمی جان لے گا کہ احناف کا مسلک الحمد للہ ثم الحمد للہ احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ کے بالکل موافق ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی غیر مقلدین حضرات کے بے بنیاد دعوے بھی انشاء اللہ کافور ہوجائیں گے۔

راقم الحروف اس حصہ میں کتاب ''التحقیات فی ردالہفوات'' کے مصنف کو''صاحب تحقیقات'' سے مخاطب کریگا اور اس کے نام کی تصریح نہیں کریگا۔

جس ترتیب سے ''صاحب تحقیقات'' نے احناف کے دلائل اپنے کتاب میں لکھے ہیں اور پھر اس پر کلام کیا ہے راقم الحروف بھی اسی ترتیب کیساتھ ان دلائل کو ذکر کریگا پھر ان پر''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا ذکر کریگا پھر ''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ لے گا۔ پھر نتیجہ قارئین حضرات خود نکالیں گے کہ احناف پر الزامات لگانے والے عدل وانصاف سے کتنے دور ہیں۔

پہلی حدیث:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "رَكعَتَا الْفَجْرِ خَيرٌ" مِنَ الدُّنيا وَمَا فِيهَا. وَفِي رِوَايةٍ لِمُسلِمٍ: وَلَهُمَا أَحبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنيا جَمِيعاً. (أخرجهُ مسلم في المسافرين حديث ۹۶، والترمذي في الصلاة، باب ۱۹۰، الترغيب والترهيب، ج: ۱، ص: ۲۲۳)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے راویت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی (دوسنتیں) دنیا وفیہا سے بہتر ہیں اور مسلم شریف کی راویت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ دورکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔

"احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قول:

"صاحب تحقیقات" اس حدیث کے متعلق کہتا ہے کہ:

"اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ سنتوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اسکے ہم بھی قائل ہیں اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ (احناف) کیوں اس قدر تنگ وقت میں پڑھتے ہو اور اُس کے مرتبہ کو گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو خوب آرام سے پڑھنا چاہیئے جب فجر کی جماعت ہوجائے تو پھر آرام سے پڑھ لو اور یہ حدیث ہمارے لئے

حجت ہے اور تم (احناف) پر حجت ہے............اور اس حدیث میں یہ کہا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو سنت پڑھنا جائز ہے، تیسری بات یہ کہ امت میں تمہارے مجتہد کے علاوہ اور کون سے مجتہد نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی بھی ہو تو سنت فجر پڑھنا چاہیئے، تمہارے احناف کی کتابوں میں بھی نہیں ہے۔ (التحقیات فی ردالھفوات، ۳۸۸)

""صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" نے اپنے چھوٹے منہ سے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے کہ احناف کی کتابوں میں بھی یہ بات نہیں پائی جاتی کہ مذکورہ حدیث سنت فجر عندالاقامت کی دلیل ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اور اسی طرح وہ تمام احادیث جو سنت فجر کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں سنت فجر عندالاقامت کی تخصیص کی دلیل ہیں۔ اس وجہ سے اسکے متعلق علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

"فَهذا كِنَايَةٌ عَنِ الْمُبَالَغَةِ وَحَثٌّ عَظِيمٌ علىٰ مُواظَبَتِهِمَا وَعَنْ هٰذا أَصْحابُنا ذَهَبُوا فِيهِ اِلىٰ ماذَكَرناعلىٰ أَنَّ فِيهِ الْجَمْعُ بَيْنَ الامْرَين (عُمدة القَارى، ج:۵، ص: ۱۸۵)

احادیث میں سنت فجر کی اس قدر تاکید بیان کرنا کنایہ ہے مبالغہ سے اور اسکی حفاظت پر بے حد ترغیب سے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) اس طرف گئے ہیں جسکا ذکر ہم کر چکے ہیں (یعنی

سنت فجر عندالاقامت پڑھنے کے جواز کی طرف جبکہ دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خدشہ نہ ہوتو پھر مسجد کے صحن میں یا کسی ستون کے پیچھے سنت فجر پڑھی جائیں) کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں فضیلتیں (سنت فجر اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت) جمع ہوجاتیں ہیں۔

علامہ عینیؒ کی اس تصریح کوملاحظہ کرنے کے بعد شاید ''صاحب تحقیقات'' نے ہوش کے ناخن لئے ہوں اوراسکی آنکھیں چندھیا گئی ہوں کہ احناف کی کتابوں میں یہ بات موجود ہےلیکن جب کسی کی آنکھوں پرتعصب کے پردے پڑے ہوں اوراس کواگرنظر نہ آئے تو اسے ہم معذور سمجھتے ہیں!

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ''صاحب تحقیقات'' اپنی آنکھوں اور دماغ کے علاج کی طرف متوجہ ہوں ہوسکتا ہے کہ اسکے بعد انہیں علامہ حلبیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی احناف کی کتابوں میں نظر آجائے علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں:

''وَانّما خَالَفْنا فِیْ سُنَۃِ الفَجْرِ لِشِدَّۃِ تَاکُّدِھاعلیٰ مَامرَّعلیٰ اَنّھا لاتَقْضِیْ......الخ (کبیری ،فصل فی النوافل ،ص:۳۴۳)

اورہم نے سنت فجر کی انتہائی تاکید کی وجہ سے (حدیث اِذااقیمت الصلاۃ......الخ) کے عموم کی اس لئے مخالفت کی ہے جیسا کہ پہلے گزرچکا ہے کہ ہمارے نزدیک نماز فجر کے بعد اسکی قضاء درست نہیں۔

علامہ حلبیؒ نے بھی حدیث ابوہریرۃؓ کے عموم سے سنت فجر کے استثناء کی طرف اس بات سے اشارہ

فرمادیا کہ ''لشدۃ تاکدہا'' کہ سنت فجر کی فضیلت کے متعلق جتنی بھی راویات وارد ہوئی ہیں ان میں سنت فجر کی انتہائی تاکید کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ سنت فجر اس حدیث ابوہرۃؓ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیجئے ایک نہیں دوحوالے ہوگئے اب تو ''صاحب تحقیقات'' کو یقینا ہوش آیا ہوگا کہ احناف کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے۔ لہذا ''صاحب تحقیقات'' کو اپنی بات سے رجوع کرنا چاہئے کہ انہوں نے احناف کی طرف غلط بات کی نسبت کی ہے اوراس بات پر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

قولہ

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

تیسری بات یہ کہ امت میں تمہارے مجتہد کے علاوہ اورکون سے مجتہد نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی بھی ہوتو سنت فجر پڑھنا چاہئے۔

اقول

میں کہتا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' کی یہ بات اجتہاد کی حقیقت سے نری نادانی ہے کیونکہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرتا ہے وہ کسی دوسرے مجتہد کے اصولوں کا پابند نہیں ہوتا اور مجتہد کیلئے یہ ضروری تو نہیں کہ وہ حدیث سے وہی استدلال کریں جو دوسرے مجتہد نے کیا ہے اگر وہ دوسرے مجتہد کے اصولوں کا پابند ہوگیا تو وہ پھر مجتہد نہیں رہتا بلکہ مقلد بن جاتا ہے۔ ''صاحب تحقیقات'' کی خواہش غالبًا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ یا اُن کے شاگردان کے جیسے نام نہاد مجتہدین کے مقلد بن جائیں اور وہ حدیث سے وہی استدلال کریں جو دوسرے مجتہدین نے کیا ہے۔ وااسفاعلی مدعی الاجتہاد

قولہ:

’اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ سنتوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اسکے ہم بھی قائل ہیں اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ (احناف) کیوں اس قدر تنگ وقت میں پڑھتے ہو اور اُس کے مرتبہ کو گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو خوب آرام سے پڑھنا چاہئے جب فجر کی جماعت ہوجائے تو پھر آرام سے پڑھ لو اور یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے اور تم (احناف) پر حجت ہے

اقول

میں کہتا ہوں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ سنت فجر تمام سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں جیسا کہ ’’صاحب تحقیقات‘‘ بھی ان سنتوں کی فضیلت کا قائل ہے تو اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ ان سنتوں کا معاملہ دیگر سنتوں جیسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان سنتوں کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے اور ان سنتوں کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے تو ان دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کا طریقہ احناف نے آثار صحابہؓ کی روشنی میں یہ تجویز کیا ہے کہ اگر امام کیساتھ دوسری رکعت پانے کی اُمید ہو تو پھر ان سنتوں کو مسجد سے باہر یا کسی ستون کے پیچھے پڑھنا چاہئے تاکہ دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہوجائے ،ایک رکعت پانے کی قید کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ"‘‘(صحيح البخاری ،رقم ۵۵۵، كتاب مواقيت الصلاة ،ج: ۱،ص: ۲۱۱، دار ابن

کثیر)

’’حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے نماز میں سے ایک رکعت پالی تحقیق کہ اُس نے پوری نماز پالی‘‘

اب رہی ’’صاحب تحقیقات‘‘ کی یہ بات کہ:

اس قدر فضیلت والی سنتوں کو تم لوگ (احناف) کیوں اس قدر تنگ وقت میں پڑھتے ہو اور اُس کے مرتبہ کو گھٹاتے ہو بلکہ ان سنتوں کو خوب آرام سے پڑھنا چاہئے جب فجر کی جماعت ہوجائے تو پھر آرام سے پڑھ لو اور یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے اور تم (احناف) پر حجت ہے۔اھ

اسکا جواب یہ ہے کہ ہم ان سنتوں کو بقول آپ کے اس تنگ وقت میں اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر جہاد کے میدان میں گھوڑے تمہیں روند ڈالیں تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو تو ہم نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں سنت فجر کو حدیث ابوہریرہ سے مخصوص کرتے ہیں انہی احادیث کی وجہ سے ۔اور یہ آپ کی نادانی ہے جو آپ یہ کہتے ہیں کہ تنگ وقت میں پڑھتے ہو، حدیث ابوہریرہؓ میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت وقت کی وجہ سے نہیں بلکہ فعل صلاۃ اور جماعت کی فضیلت کی وجہ سے ہے وقت کی تنگی کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں ۔اور پھر کسی نماز کے افضل ہونے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ آدمی تمام وقت اسی میں ہی مشغول رہے یعنی اس کو لمبا کرکے پڑھا جائے حالانکہ سنت فجر کے بارے میں تخفیف خود آپ ﷺ سے ثابت ہے:

"عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَانُوْدِيَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ اِلَى الصَّلَاةِ. (سنن ابن ماجه، رقم، ۱۱۴۵، ج: ۱ ص: ۳۶۲)

حضرت حفصہؓ سے راویت ہے کہ جب صبح کی نماز کیلئے اذان دی جاتی تو رسول اللہ ﷺ فرض نماز کیلئے تشریف لیجانے سے پہلے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

پھر اس حدیث کو آپ کے علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ کسی چیز کے افضل ہونے کیلئے اس میں تطویل ضروری نہیں ہے تو ہم احناف اگر سنتوں کو عندالاقامت ہلکی پڑھنے کا کہیں اور وہ بھی تعدیل ارکان کیساتھ تو اس صورت میں دونوں فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ فتدبر

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے لہذا جب یہ صورتحال ہے تو پھر سنت فجر عندالاقامت ہی میں دونوں فضیلتوں پر عمل کرنا ممکن ہے جسکے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ لہذا "صاحب تحقیقات" کا یہ شبہ بے بنیاد ہے۔ اور اُسکا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہمارے لئے حجت ہے محض "صاحب تحقیقات" کی خوش فہمی ہے!

دوسری حدیث:

وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: " لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ خُزَيْمَةَ قَالَتْ: مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى شَيْءٍ

مِنَ الْخَيْرِ أَسْرَعَ مِنْهُ اِلَى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ، وَلَا اِلٰى غَنِيْمَةٍ. (رواه البخاری ومسلم وأبوداود والنسائی، وابن خزيمه فی صحيحه، الترغيب والترهيب، ج: ۱، ص: ۲۲۳.)

ترجمہ:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: "نبی کریم ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ سنت فجر کا، اور ابن خزیمہ کی راویت میں ہے انہی نے فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھلائی کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ سنت فجر کی طرف۔

"احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

اس حدیث کے متعلق بھی "صاحب تحقیقات" نے تقریبا وہی کلام کیا ہے جو ماقبل حدیث کے متعلق گزر چکا ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے:

قولہ:

"اب کوئی ایسی دلیل دکھاؤ کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے اس وقت سنتیں پڑھی ہوں یعنی کہ جماعت کھڑی ہو اور انہوں نے سنتیں پڑھی ہو"

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ سے نماز فجر کی اقامت کے وقت فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت ہے

چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ رَكْعَتَى الْفَجْرِ عِنْدَ الْاِقَامَةِ" (سنن ابن ماجه، كتاب اِقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فى الركعتين قبل الفجر، ج: ١، ص: ٣٦٣، رقم ١١٤٧)

یعنی کہ رسول ﷺ نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث پر تفصیلی کلام ماقبل میں (گزر چکا ہے) تفصیل کیلئے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس "صاحب تحقیقات" کا یہ شبہ بھی کافور ہو گیا ہوگا۔ اب رہی بات صحابہ کرامؓ کی تو اُن میں بھی عبداللہ ابن مسعودؓ، ابودرداءؓ، حضرت ابن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ حضرات سے نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنا ثابت ہے جسکی پوری تفصیل "باب دوم" میں گزر چکی اور مزید تفصیل "صاحب تحقیقات" کے شبہات کے ازالہ میں ہوگی انشاءاللہ۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہم جب ان آثار کو پیش کرتے ہیں تو اُن میں یہ لوگ کیڑے نکالنے لگ جاتے ہیں اور بے بنیاد اعتراضات کر دیتے ہیں یہ صرف ان کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت کرو ورنہ بعد ثبوت وتوثیق کے بھی یہ لوگ مانتے نہیں۔

تیسری حدیث:

" وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُول اللّٰهِ ﷺ" لَا تَدْعُوْا رَكْعَتَىْ الْفَجْرِ، وَلَوْ طَرَدَتْكُم الْخَيْلُ) (رواه ابوداود فى التطوع باب٧، والنسائى فى قيام الليل باب٥٦و٦٨، الترغيب والترهيب، ج: ١، ص: ٢٢٤.

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) دھکیل رہا ہو۔

" احناف کے استدلال پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قولہ:

اس حدیث کے متعلق بھی صاحب تحقیقات کہتا ہے:

"سنت فجر عند الاقامت پڑھنے سے نہ پڑھنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں صرف چھوڑنا لازم آتا ہے جبکہ تمہاری طرح پڑھنے میں جبکہ امام جماعت کی نماز پڑھ رہا ہو اور تم لوگ سنتیں پڑھتے ہو ان سنتوں کی بے عزتی ہے اور یہ رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اھ"

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

"صاحب تحقیقات" نے تو یہاں سنتوں کو چھوڑنے کا کہا ہے لیکن اس سے پہلے وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ سنتوں کو نماز فجر کے بعد آرام سے پڑھ لے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نماز فجر کے بعد نوافل وسنتیں پڑھنے کی ممانعت متواتر احادیث میں وارد ہوئی ہے تو "صاحب تحقیقات" کو نماز فجر کے بعد جس میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے فجر کی سنتیں پڑھنے میں سنتوں کی بے عزتی معلوم نہیں ہوتی لیکن عند الاقامت جو کہ مکروہ وقت بھی نہیں اس میں سنتیں پڑھنا ان کے نزدیک سنتوں کی

بے عزتی ہے۔ جس طرح حدیث ابوہریرہؓ کے عموم سے دیگر فرائض وواجبات کی تخصیص ہوچکی ہے تو اسی طرح دیگر احادیث کی وجہ سے احناف بھی اس حدیث میں تخصیص کرتے ہیں جسکی پوری تفصیلی گزر چکی ہے لہذا ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ سنت فجر عند الاقامت نبی کریم ﷺ کی اُن احادیث کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہیں محض ان کی ناواقفیت ہے اور کچھ بھی نہیں۔

قولہ پھر ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

''انکے دلائل صحیحین اور سنن اربعہ میں بالکل نہیں ہیں سوائے طحاوی کے کہ وہ بھی انکے گھر کا آدمی ہے'' (التحقیات فی رد الھفوات، ص:۳۷۹ پشتو)

اقول:

''صاحب تحقیقات'' جھوٹ پہ جھوٹ بولے جا رہے ہیں آپ حضرات ماقبل میں حضرت علیؓ کی راویت ملاحظہ فرما چکے ہیں جو کہ سنن ابن ماجہ کی راویت ہے اور حسن حدیث ہے جسمیں حضرت علیؓ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ عند الاقامت سنتیں پڑھتے تھے۔

دوسری حدیث ابوہریرہؓ کی ابوداود شریف میں ہے جو کہ سنت فجر کی تخصیص کی دلیل ہے اور اسی طرح بخاری ومسلم شریف کی وہ احادیث جو سنت فجر کی فضیلت میں گزر چکی ہیں وہ بھی سنت فجر کی تخصیص کی دلیل ہیں لیکن اسکے باوجود ''صاحب تحقیقات'' احناف کیساتھ تعصب میں اتنے آگے جاچکے ہیں کہ وہ صحیحین اور سنن اربعہ کی مذکورہ احادیث کو دلیل ہی نہیں سمجھتے۔

قولہ باقی ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

''سوائے طحاوی کے کہ وہ بھی انکے گھر کا آدمی ہے''

اقول:

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ''صاحب تحقیقات'' کی احناف کیساتھ دشمنی کا نتیجہ ہے کہ احناف کے دلائل سوائے طحاوی کے اور کسی کتاب میں نہیں ہیں حالانکہ جن احادیث سے احناف حدیث ابوہریرہؓ میں تخصیص کرتے ہیں وہ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور جن آثار صحابہؓ کو احناف سنت فجر کی استثناء کی دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ بھی صرف طحاوی شریف میں نہیں بلکہ، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۵۱)، مصنف عبدالرزاق (۲/۴۴۴)، طبرانی معجم کبیر، (۹/۲۷۷) مجمع الزوائد، (۲/۲۲۳) وغیرہ میں موجود ہیں۔

''صاحب تحقیقات'' کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا امام طحاویؒ احادیث اپنی طرف سے بناتے ہیں اور پھر ان احادیث کو احناف کی دلیل بنالیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اما طحاویؒ یقینا احناف کے گھر کا آدمی ہے لیکن وہ اپنے وقت کا جلیل القدر محدث امام جرح والتعدیل ہے وہ ''صاحب تحقیقات'' جیسا بے انصاف نہیں کہ جھوٹ پہ جھوٹ بولتا جائے اور اپنے آپ کو اہل حدیث بھی کہتا جائے۔

چوتھی حدیث:

''عَنْ أَبِیْ مُوسیٰ قَالَ: أُقِیمَتِ الصَّلَاۃُ فَتَقَدَّمَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدُ اِلیٰ أُسْطُوَانَۃٍ فِی الْمَسْجِد فَصَلَّی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ یَعْنِی فِی الصَّلَاۃ.'' (المعجم الکبیر، باب العین، عبداللہ ابن مسعود ج:۹، ص:۲۷۷، رقم ۹۳۸۵، مکتبۃ العلوم والحکم الموصل الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۴، ۱۹۸۳). مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۲۲۳، مصنف

عبدالرزاق، ج:۲ ص:۴۴۴، رقم الحدیث ۴۰۲۱، المکتب الاسلامی بیروت، طبع ۱۴۰۳، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی)

حضرت ابوموسیٰؓ سے راویت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔

''سند حدیث ''صاحب تحقیقات'' کا کلام''

قولہ

''صاحب تحقیقات'' نے اس راویت پر طحاوی کی سند سے کلام کیا ہے طحاوی کی سند میں ایک راوی سلیمان بن شعیب کسائی ہے اس پر کلام کرتے ہوئے ''صاحب تحقیقات'' نے سلیمان بن شعیب بن لیث بن سعد مصری کا تذکرہ چھیڑ دیا اور اسکی تضعیف کو ثابت کرنے کیلئے کلام کو طول دیا تا کہ لوگوں کو وہ یہ باور کرا سکے وہ ایک محقق عالم ہے علم رجال پر بہت مہارت رکھتا ہے حالانکہ اس راوی کے تذکرہ کی چنداں حاجت نہیں تھی کیونکہ اس پر کلام کرنے سے نہ ان کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی قارئین حضرات کو کیونکہ وہ سرے سے اس حدیث کا راوی ہی نہیں ہے تو اسکو ضعیف ثابت کرنا لایعنی میں مشغول ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

پھر وہ اپنی اس لایعنی کے بعد اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہتا ہے:

''لیکن یہ سلیمان بن شعیب دوسرا ہے، اور امام طحاویؒ جس سے راویت کرتے ہیں اسکے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے صرف اتنا فرمایا ہے کہ:

''اَمَّا سُلَیْمَانَ بْنَ شُعَیْبِ الْکِسَائِی المصری ایضا فَوْثَقَهُ الْعُقَیْلِی وَ اَصْلُهُ مِنْ نِیْسَابُوْر یَرْوِیْ عَنْ اَسَدِ ابْنِ مُوْسیٰ وَخَالِدِ بْنِ نِزَارٍ وَوَهَبِ بْنِ جَرِیْرٍ وَعِدَّة. رویٰ عَنْهُ الطَّحَاوِیُّ والْخَضَائِرِیُّ وَآخَرُوْنَ مَاتَ سَنَةَ ثَمَانِ وسَبْعِیْنَ ومأتَیْن. (لسان المیزان ج:۳، ص:۱۰۹)

(ترجمہ از راقم الحروف) اور رہی بات سلیمان بن شعیب کسائی مصری کی پس اُسکی توثیق علامہ عقیلیؒ نے کی ہے وہ اصلا نیشاپوری ہے وہ اسد بن موسیٰ، خالد بن نزار، اور وہب بن جریر اور دیگر حضرات سے راویت کرتا ہے، اس سے طحاوی، خضائری، اور دیگر لوگوں نے راویت کیا ہے وہ ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔

لیکن یہ صرف علامہ عقیلی کی توثیق ہے اور امام عقیلی کی تنہاء توثیق راوی کی حدیث کی صحت نہیں لا سکتی۔'' انتہی بلفظہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' امام جرح وتعدیل کب سے بن گئے ہیں کہ اس کو علامہ عقیلی کی سلیمان بن شعیب کی توثیق راس نہ آئی اگر تنہاء علامہ عقیلی کی توثیق صحت حدیث کیلئے کافی نہیں ہے تو صرف اس بات سے ''صاحب تحقیقات'' کی گلوخلاصی کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ ''صاحب تحقیقات'' کو کسی جرح وتعدیل کے امام کی کوئی تصریح پیش کرنی چاہئے تھی کہ سلیمان بن شعیب ضعیف راوی ہے وہ بچارے یہ نہ کر سکے تو جان چھڑانے کیلئے خود جرح وتعدیل کے امام بن گئے اور علامہ عقیلیؒ کی توثیق کو دیوار پر مار دیا چنانچہ ''صاحب تحقیقات'' کی اس نادانی کو ہم بھی دیوار

پر مارتے ہیں۔اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سلیمان بن شعیب کی توثیق ثابت ہوگئی جیسا کہ خود''صاحب تحقیقات'' نے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب لسان المیزان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ علامہ عقیلی نے اس کی توثیق فرمائی ہے پس جب تک سلیمان بن شعیب کی تضعیف کسی معتبر امام جرح وتعدیل سے مفسرا ثابت نہیں ہوگی تو اس وقت تک ہم یہی کہیں گے کہ سلیمان بن شعیب ثقہ راوی ہے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' نے لکھا ہے کہ:

دوسرا راوی اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد الرصاصی ہے امام ابن حاتم کہتا ہے کہ میں نے اپنے والد سے اسکے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ صدوق سچا ہے، اور میں نے ابوزرعہ سے پوچھا تو فرمایا کہ لاباس بہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اھ

اقول:

''صاحب تحقیقات'' کی وضاحت سے عبدالرحمٰن بن زیادی الرصاصی کی توثیق ثابت ہوگئی جسمیں مزید کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی لہذا اس حدیث کے دوراویوں کی توثیق معلوم ہوگئی۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کہتے ہیں کہ:

تیسراروی اس حدیث میں زہیر بن معاویہ ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''وَقَالَ صَالِحُ بْنُ أَحْمَدَعَن أَبِيهِ زُهَيْرُ فِيمَا روٰى عَنِ الْمَشَائخ ثَبْت' بَخٍ بَخٍ وَفِی حَدِيْثِهٖ عَنْ أَبِیْ اِسْحَاق لَين' سَمِعَ مِنْهُ

بِاٰخِرِہٖ، وَقَالَ اَبُوْزُرْعَةُ ثِقَةٌ اِلَّا اَنَّهٗ سَمِعَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاق بَعْدَ الاِخْتِلَاطِ. وَقَالَ اَبُوْحَاتِمْ زُهَيْر أَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ اِسْرائیل فِیْ كُلِّ شَیْءٍ اِلَّا فِیْ حَدِيْثِ اَبِیْ اِسْحَاق (تهذيب التهذيب، ج: ۲،ص: ۲۱۱)

تذنیب: تو معلوم ہوگیا کہ زہیر بن معاویہ ثقہ ہے لیکن ابواسحاق سے جو حدیث راویت کرتا ہے تو وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ ابواسحاق مختلطین میں سے ہے اور اس حدیث کا حکم جو مختلطین سے بعد الاختلاط راویت کی گئی ہو قابل حجت نہیں ہوتی۔

علامہ برہان الدین العجمی الحلبی المتوفی ۸۴۱ھ اپنی کتاب الاغتباط بمن رمی بالاختلاط میں فرماتے ہیں:

''ثم الحُكْمُ فِیْ حَدِيْثِ مَنْ اخْتلط مِنَ الثِقَاتِ التَفْصِيْلُ، فَمَا حَدَّث بِه قَبْلَ الاِخْتِلاط فَاِنَّهٗ يُقْبَلُ وَاِنْ حدَّث بِه فِيْه او اشْكَلَ اَمرُہٗ فَلَمْ يَدرِ أَاَخذ عَنْهُ قَبْلَ الاِخْتِلاط اَوْبَعْدَهٗ فَاِنَّهٗ لايُقْبَلُ.

پس معلوم ہوگیا کہ یہ اثر غیر مقبول ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبدالحق بن سیف الدین سعد اللہ البخاری الدھلویؒ مختلط حدیث کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَاِنْ وُجِدَ لِهٰذا الْقِسْمِ مُتابِعَات' وَشَوَاهِد' تَرقی مِنْ مَرتَبَةِ الرَّدِّ اِلَى القُبُولِ وَالرُّجحَانِ وَهٰذا حُكمُ أَحَادِيثِ الْمَسْتُوْرِ، وَالْمُدَلِّسِ وَ الْمُرْسَل. (مقدمة فی اصول الحديث

(ص: ۷۳)

اور اگر اس قسم (مختلط) کے متابعات وشواہد پائی جائیں تو یہ رد سے قبول اور رجحان کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں اور یہی حکم مستور، مدلّس اور مرسل حدیثوں کا بھی ہے۔

پس علامہ عبدالحقؒ کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس مختلط حدیث کے متابع اور شواہد موجود ہوں تو اس حدیث کو قبول کیا جائے گا اب چونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ عمل ہم تک دیگر واسطوں سے بھی پہنچا ہے جو کہ صحیح یا حسن درجہ کی ہیں لہذا اس حدیث کی مذکورہ سند کی وجہ سے اگر چہ اس کی سند میں قدرے کمزوری ہے لیکن دیگر طرق کی وجہ سے اس کا مضمون ومعنی صحیح واسطوں سے ثابت ہے جس پر تفصیلی کلام آئندہ بیان کیا جائیگا انشاءاللہ۔

پس ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ یہ اثر غیر مقبول ہے محض ان کا وہم ہے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

''اب آئیں گے ابواسحاق کے حال کی طرف۔ علامہ برہان الدین العجمی فرماتے ہیں

''عَمرِو بنِ عَبدِ اللّٰہِ اَبُو اسحَاق السَّبِیعی: کَانَ قَدْ اختَلَط

(الاغتباط ص: ۲۷۳ رقم ۸۰)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''عَمَرو بن عبداللہ ابواسحاق مَشْھُورٌ بِالتَّدلِیس (اسماء المدلیسن، ص: ۱۰۱).

امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''عمرو بن عبداللہ السبیعی الکُوفی مَشْھُورٌ بالتَّدلِیس وَھُوَ تَابِعیٌ ثِقَةٌ وَصَفَهُ النَّسائیُ وَغیرهُ بِذالکَ (طبقات المدلیسن، ص: ٦٧)

خلاصہ: یہ اثر ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابو یزید صاحب نے ''الاغتباط'' کی عبارت پوری نقل نہیں کی کیونکہ علامہ ذہبیؒ نے ابواسحٰق السبیعیؒ کے اختلاط سے انکار کیا ہے اصل عبارت یہ ہے:

''وَقَدْ ذَکَرَہ أیضًا فِیھِمْ ابن الصَّلاح قَالَ الذَّھَبِیُّ فِی مِیزانه فِی تَرجَمَتِه مِن أئمَّةِ التَّابِعِینَ بِالکُوفَةِ وَأثبَاتِھِمْ اِلَّا أنَّهُ شَاخَ وَنَسِیَ وَلَمْ یَختَلِطْ ....الخ (الاغتباط ج: ۱ ص: ۲۷۳)

ذہبیؒ نے اپنی میزان میں اسکے حالات میں کہا ہے کہ وہ کوفہ کے تابعین آئمہ واثبات میں سے تھا مگر وہ بوڑھا ہوگیا اور بھول گیا اور اس پر اختلاط نہیں آیا۔

اسی طرح علامہ صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی العلائی المتوفی ۷۶۱ھ اپنی کتاب المختلطین میں ابواسحٰق سبیعیؒ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''أحَدُ أئمةِ التَابعِینَ المُتَّفَقُ علی الاحتِجَاجِ بِه. (المختلطین: ص: ۹۳، رقم ۳۵)

ابواسحاق السبیعیؒ اُن آئمہ تابعین میں سے ہے کہ جس کے محتج بہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

پھر علامہ علائیؒ نے اُن حضرات کے اقوال ذکر کئے ہیں جنہوں نے ابواسحاق کے اختلاط کا ذکر

فرمایا ہے اسکے بعد فرماتے ہیں:

"قُلْتُ :وَمِثْلُهُمْ أَيْضًا إِسْرَائِيْلُ بْنُ يُوْنُسَ وَأَقْرَانُهُ وَلَمْ يُعْتَبَر أَحَدٌ مِنَ الأَئِمَّةِ مَاذَكَرَ مِنْ اِخْتلاط أَبِيْ إِسْحَاق احتجوا بِهٖ مُطْلَقًا وَذٰلِکَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ لَمْ يَخْتَلِط فِيْ شَيْءٍ مِنْ حَدِيْثِهٖ كَمَا تَقَدَّمَ فِيْ عَبْدِ الْمَلِک بْنِ عُمَيْر فَهُوَ أَيْضًا مِنَ الْقِسْمِ الأَوَّلِ. (المختلطين : ج: ۱، ص: ۹۴)

میں کہتا ہوں کہ اُس کی طرح اسرائیل بن یونس اور اسکے دیگر ساتھی بھی ہیں اور آئمہ میں سے کسی ایک نے بھی ابواسحق کے اختلاط کو معتبر نہ سمجھا اور اس کو مطلقاً محتج بہ قرار دے دیا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابواسحق کو اپنی حدیثوں میں کچھ بھی اختلاط نہیں ہوا جیسا کہ عبدالملک بن عمیر کے ترجمہ میں گزر چکا ہے پس ابواسحق بھی قسم اول میں سے ہے۔

علامہ علائیؒ عبدالملک بن عمیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"وَذَكَرَ بَعْضُ الْحُفَّاظ: إِنَّ اِخْتِلاطَهٗ أُحْتُمِلَ لأَنَّهٗ لَمْ يَأْتِ فِيْهِ بِحَدِيْثٍ مُنْكَرٍ فَهُوَ مِنَ الْقِسْمِ الأَوَّلِ.

اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ اسکے اختلاط کو گوارا کیا گیا ہے کیونکہ اُس نے اس میں کوئی منکر حدیث راویت نہیں کی ہے پس وہ قسم اول میں سے ہے۔

علامہ علائیؒ کی مذکورہ عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابواسحق سبیعیؒ بھی اُن مختلطین میں سے ہے کہ جن کے اختلاط کو گوارا کیا گیا ہے جیسا کہ وہ یہ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ قسم اول میں ہے اب قسم اول سے کیا مراد ہے؟ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ علامہ علائیؒ نے مختلطین کی تین قسمیں

بیان فرمائیں ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"أَمَّا الرُّوَاةُ الَّذِيْنَ حَصَلَ لَهُمُ الاِخْتِلاطُ فِيْ آخِرِ عُمْرِهِمْ فَهُمْ عَلٰى ثَلاثَةِ أَقْسَامٍ: أَحَدُهَا مَنْ لَمْ يُوْجِبْ ذٰلِکَ لَهٗ ضُعْفًا أَصْلاً وَلَمْ يَحُطَّ مِنْ مَرْتَبَتِهٖ إِمَّا لِقَصْرِ مُدَّةِ الاِخْتِلاطِ وَقِلَّتِهٖ كَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَإِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ رَاهُوْيَه وَهُمَا مِنْ أَئِمَّةِ الإِسْلامِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِمْ وَإِمَّا لأَنَّهٗ لَمْ يَرْوِ شَيْئًا حَالَ اِخْتِلاطِهٖ فَسَلِمَ حَدِيْثُهٗ مِنَ الْوَهْمِ كَجَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ وَعَفَّانَ بْنِ مُسْلِمٍ وَنَحْوِهِمَا. (المختلطين : ج: ۱ ص: ۳)

اور رہی بات اُن راویوں کی کہ جن کو آخری عمر میں اختلاط لاحق ہوا تو وہ تین قسم کے ہیں: ایک قسم اُن میں وہ ہے کہ جس کے لئے اختلاط موجب ضعف بالکل ہی نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے اُسکا مرتبہ کم ہوا ہے یا تو کچھ ہی عرصہ کی اختلاط اور اس کی کمی کے باعث جیسا کہ سفیان بن عیینہؒ اور اسحق بن ابراہیم بن راھویہؒ کی طرح کہ وہ اسلام کے متفق آئمہ ہیں کہ جنکی امامت پر سب کا اتفاق ہے، اور یا اس لئے کہ اُس نے اختلاط کی حالت میں کوئی راویت بیان نہیں کی ہے، تو اسکی حدیثیں وہم سے محفوظ رہیں جیسا کہ جریر بن حازمؒ اور عفان بن مسلمؒ اور ان دونوں کی طرح (دیگر حضرات)۔

پس علامہ علائیؒ کی تصریح سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مختلطین کا پہلا طبقہ وہ ہے کہ جنکا اختلاط کچھ بھی مضر نہیں ہے اور اسی طبقہ میں ابواسحق سبیعیؒ بھی ہیں کہ اختلاط کے باوجود آئمہ نے اُن کو محتج بہ قرار دیا ہے۔

بات نکلی ہے تو اب دور تلک جائے گی

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الایمان، باب الصلاۃ من الایمان (۱/۲۳) میں زہیر سے ابواسحٰق سبیعیؒ کے طریق سے حدیث راویت کی ہے، اسی طرح کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارۃ (۱/۰۷) میں بھی زہیر عن ابی اسحٰق کے طریق سے حدیث راویت کی ہے۔ پہلی راویت پرکلام کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

(حدثنا أَبُوْ اسحاق) هو السَّبِيْعِيُّ وَسَمَاعُ زُهَيْرٍ مِنْهُ فِيْمَا قَالَ أَحْمَدُ بَعْدَ أَنْ بَدَأَ تَغَيُّرُهُ لٰكِنْ تَابَعَهُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ إِسْرَائِيْلُ ابْنُ يُوْنُسَ حَفِيْدُهُ وَغَيْرُهُ (ج: ۱ ص: ۹۶، دار المعرفة.)

ابواسحاق وہ سبیعیؒ ہے اور زہیر کا ابواسحاق سے سماع کی ابتداء امام احمدؒ کے قول کے مطابق ابواسحاق کے تغیر کے بعد ہوا ہے لیکن مصنف (بخاری) میں ابواسحاق کا متابع اسرئیل بن یونس اسحاق کا نواسہ اور اسکے علاوہ موجود ہے۔

پس علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارت سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ بخاری شریف کی اس حدیث میں ابواسحاق کی متابعت اسرائیل بن یونس اور دیگر نے بھی کی ہے۔ پس اس وجہ سے حدیث کی کمزوری ختم ہوگئی تو جس طرح بخاری شریف کی حدیث میں اُسکی متابعت کی وجہ سے اسکا ضعف ختم ہوگیا تو اسی طرح عبداللہ بن مسعود کے اس اثر کے شواہد بھی موجود ہیں جسکی وجہ سے اس اثر کی کمزوری ختم ہوجاتی ہے۔

لیکن ''صاحب تحقیقات'' حقائق کو چھپانے کیلئے صرف سرسری باتوں کو بیان کرکے لوگوں کو

اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اگر ہم ان کی بیان کردہ باتوں کو صحیح سمجھیں جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ زہیر بن معاویہ کا سماع ابواسحٰق سے بعد اختلاط ہوا ہے لہذا یہ اثر اس وجہ سے ضعیف ہوگیا تو پھر ''صاحب تحقیقات'' بخاری شریف کی مذکورہ حدیثوں کے متعلق کیا کہیں گے کیونکہ اُس میں بھی زہیر بن معاویہ نے ابواسحاق سے ہی راویت کی ہے پھر بخاری شریف کی یہ حدیث کیوں ضعیف نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ اسکا متابع موجود ہے تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ ہمارے اس اثر کے بھی شواہد موجود ہیں تو پھر بخاری شریف کی حدیث صحیح اور طحاوی شریف کا اثر ضعیف؟ یہ منطق ''صاحب تحقیقات'' کی طرف سے لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے ہی استعمال کی جارہی ہے۔

اب رہی ''صاحب تحقیقات'' کی یہ بات کہ ابواسحاق مدلس تھا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس اثر میں ابواسحاق کی تدلیس کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ اس اثر میں ابواسحاق نے ''حدثنی'' کی تصریح کی ہے اور مدلس کی تدلیس اُس وقت قبول نہیں ہوتی کہ وہ ''عن'' سے راویت کرے۔

جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابواسحاق سبیعیؒ کا شمار مدلسین کے تیسرے طبقہ میں کیا ہے اور تیسرے طبقہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

''الثالثة: مَنْ أَكْثَرَ مِنَ التَّدْلِيْسِ فَلَمْ يُحْتَجَّ الأَئِمَّةُ مِنْ أَحَادِيْثِهِمْ إِلَّا بِمَا صَرَّحُوا فِيْهِ بِالسَّمَاعِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَدَّ حَدِيْثَهُمْ مُطْلَقًا وَمِنْهُمْ قَبِلَهُمْ كَأَبِيْ الزُّبَيْرِ الْمَكِّي. (طبقات المدلسين: ص: ۱۳)

اور جن لوگوں نے تدلیس میں کثرت کی ہے تو ائمہ انکی احادیث کو صرف اس وقت محتج بہ قرار دیتے ہیں جبکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور بعض اس طبقہ میں وہ ہیں جنکی احادیث کو مطلقا رد کردیا جاتا ہے اور

بعض اُن میں سے وہ ہیں کہ جنکی حدیثوں کو قبول کیا جاتا ہے جیسا کہ
ابوزبیر مکی کی حدیثوں کو۔

پس معلوم ہوا کہ تیسرے طبقہ کا مدلس جب سماع کی تصریح کرے تو محدثین اس کو محتج بہ قرار دیتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری شریف کی حدیث جو زہیر بن معاویہ نے ابواسحاق سے راویت کی ہے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَلِلْمُصَنِّفِ فِيْ التَّفْسِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ "سَمِعْتُ الْبَرَاءَ" فَأَمِنَ مَا يَخْشَى مِنْ تَدْلِيْسِ أَبِيْ إِسْحَاقَ. (فتح الباری، كتاب الايمان، باب الصلاة من الايمان، ج: ا ص: ٩٦ دار المعرفة)

اور مصنف (امام بخاریؒ) نے تفسیر میں ثوری کے طریق سے ابواسحاق کی حدیث کی تخریج کی ہے جسمیں ابواسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے کہ "میں نے براءؓ سے سنا" پس ابواسحاق کے تدلیس کے خوف سے (راویت کمزوری سے) محفوظ ہوگئی۔

پس معلوم ہوا کہ جب مدلس سماع کی تصریح کردے تو پھر اسکی راویت کمزوری سے محفوظ ہوجاتی ہے لہذا ابواسحاق کا یہ اثر بھی کمزوری سے محفوظ ہوگیا دیگر وجوہات سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

دوسری بات یہ کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے بھی راویت کیا ہے اور اسی طرح طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند سے راویت کیا ہے اور یہ بات ماقبل میں واضح ہوچکی ہے کہ مدلس اور مختلط کے جب متابعات وشواہد مل جائیں تو وہ درجہ رد سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتے ہیں۔ مزید تفصیل آئندہ ذکر ہوگی انشاءاللہ

خلاصہ یہ کہ حدیث مجموعی اعتبار سے قابل استدلال ہے۔

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

"تیسری بات یہ کہ یہ ضعیف اثر مسلم کی صحیح احادیث یعنی حدیث ابوہریرہ، حدیث ابن بحینہ اور عبداللہ بن سرجسؓ کی حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی مسلم کی احادیث دیگر احادیث پر مقدم ہیں اور یہ بھی اس وقت کہ جب ہم اس اثر کو صحیح مرفوع تسلیم کرلیں ورنہ ان احادیث کے مقابلہ میں اس ضعیف اثر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اقول:

احقر کہتا ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو کس نادان نے بتایا ہے کہ ہم اس اثر کو حدیث ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع کے مقابل سمجھتے ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہؓ معارض ہے ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث "لاتدعوهما وان طردتكم الخيل" کیساتھ سنت فجر کے حق میں جو کہ ابوداود کی راویت ہے اور اسکی سند حسن ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرچکا ہے تو جب یہ حدیث اتنی شدید حالت میں بھی کہ اس حالت میں بہت سے واجبات کو چھوڑنے کی اجازت مل جاتی ہے یعنی جہاد کے میدان میں دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ میں بہت سے واجبات کا چھوڑنا مباح ہوجاتا ہے تو جب اس حالت میں بھی سنت فجر پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے تو پھر اقامت مکتوبہ کے وقت تو بدرجہ اولیٰ اسکا چھوڑنا ممنوع ہوگا، کیونکہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنا جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ جو قریب الی الواجب کے ہیں، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس سے معمولی عذروں کی وجہ سے معاف ہوجاتا ہے جیسا کہ بارش کی وجہ سے اور سخت اندھیرے کی وجہ سے جب ان وجوہات سے

جماعت کی نماز معاف ہوجاتی ہے تو پھر جہاد کے میدان میں دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت تو بدرجہ اولی جماعت کیساتھ نماز نہ پڑھنا مباح ہوجائے گا تو جب اس حالت میں بھی فجر کی سنتیں ترک کرنے سے منع کیا گیا ہے تو پھر جماعت کے ادراک کے وقت سنتوں کے نہ پڑھنے کو کیوں نہ منع کیا جائے کہ اس سے کم تر عذر کیلئے جماعت کیساتھ نماز نہ پڑھنے کو مباح قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ماقبل ذکر ہو چکا ہے۔

اور یہ نہ کہا جائے کہ حدیث ''اذا اقیمت الصلاۃ'' حدیث ''لاتدعوھما وان طردتکم الخیل'' سے سنداً قوی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اول الذکر حدیث اگرچہ سنداً قوی ہے لیکن اسکے مرفوع اور موقوف ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے جبکہ دوسری حدیث میں یہ بات نہیں ہے پس دونوں راویتیں برابر ہوگئیں اور جب دو راویتوں میں تعارض پیدا ہوجاتا ہے تو جہاں تک ممکن ہوسکے دونوں میں تطبیق کرنی چاہئے تاکہ دونوں پر عمل ہوسکے اسی وجہ سے ہم تمام سنتوں کے عندالاقامت پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں جبکہ جماعت کی ایک رکعت فوت ہونے کا خوف بھی ہو سوائے فجر کی سنتیں پڑھنے کے کہ جب ایک رکعت جماعت کیساتھ ملنے کی امید ہو تو پھر سنتوں کو ادا کیا جائے گا تاکہ دنوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض پیدا ہوجائے تو پھر صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے پس جب ہم نے اس صورت حال میں صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال کی طرف رجوع کیا تو ہم نے کچھ اجلہ صحابہ کرامؓ کو نماز فجر کی اقامت کے وقت مسجد میں کسی ستون کے پیچھے سنتیں پڑھتے ہوئے پایا اور سنتیں پڑھنے کے بعد وہ جماعت کی نماز میں شامل ہوجاتے تھے تو ان صحابہ کرامؓ کے عمل سے دونوں حدیثوں پر عمل کرنا معلوم ہوگیا جبکہ بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے اسکے خلاف بھی کیا ہے لیکن ہم نے اجازت دینے والے صحابہ کرامؓ کے عمل کو

اس وجہ سے ترجیح دی کہ اُن کے عمل سے دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل ہوجاتا ہے جبکہ ثانی الذکر کے عمل کے مطابق صرف ایک قسم کی احادیث معمول بہا بن جاتی ہیں اور دیگر پر عمل ممکن نہیں ہوتا اس وجہ سے اول الذکر صحابہ کرامؓ کا عمل راجح ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ہم اثار صحابہؓ سے حدیث ابوہریرہ میں تخصیص یا حدیث کے معنی مرادی میں مناسب تاویل کرتے ہیں اور اسی طرح وہ دوسری احادیث جن کا ذکر ''صاحب تحقیقات'' نے کیا ہے اُس پر تفصیلی کلام ماقبل میں ہوچکا ہے۔تو احقر کہتا ہے کہ یہ ''صاحب تحقیقات'' کا وہم ہے کہ ہم مسلم شریف کی مرفوع احادیث کے مقابلہ میں اثار صحابہ پیش کرتے ہیں۔

قول:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

> ''تیسری بات یہ کہ اگر ہم اس اثر کو قوی بھی تسلیم کرلیں تو پھر بھی یہ فعل صحابی ہے اور صحابی کا فعل رسول اکرم (ﷺ) کی قولی صحیح حدیث کے مقابلہ میں مردود ہوتا ہے جیسے کہ یہ بات محدثین نے مصطلح الحدیث میں بیان کی ہے تو فعل صحابی سے کیوں صحیح حدیث کا مقابلہ کیا جائے۔

اقول:

میں کہتا ہوں:

کہ اس سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کرچکا ہوں کہ ہم فعل صحابیؓ کو صحیح حدیث کے مقابل نہیں سمجھتے بلکہ ہم احادیث کے تعارض کے وقت فعل صحابی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور حدیث کے عموم کو دیگر مرفوع احادیث کیساتھ فعل صحابیؓ سے خاص کرتے ہیں اور کسی صحیح حدیث میں صحابی کے قول یا عمل سے تخصیص کرنے کو مقابلہ نہیں کہتے افسوس کہ ''صاحب تحقیقات'' کو مقابلہ کی

تعریف بھی معلوم نہیں کہ مقابلہ کس کو کہتے ہیں وہ بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ صحیح حدیث کیساتھ مقابلہ
مقابلہ! بچارے کو مقابلہ کا مطلب ہی معلوم نہیں ہے!

ہاں محدثین نے یہ ضرور کہا ہے کہ قولی صحیح حدیث کے مابل قول یا فعل صحابی حجت نہیں ہوتا لیکن یہ
بات اس وقت ہے کہ جب قولی مرفوع صحیح صریح حدیث کا قول یا فعل صحابی سے مقابلہ ہو یعنی
انکے مقابل قول صحابی یا فعل صحابی کو حجت بنایا جائے لیکن یہاں پر تو سرے سے مقابلہ ہے ہی
نہیں محدثین نے یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ قول یا فعل صحابیؓ کسی بھی کام کا نہیں ہے اسکو ردی کی ٹوکری
میں پھینک دیا جائے بلکہ فعل صحابیؓ یا قول صحابیؓ احادیث میں تعارض کے وقت یا حدیث کے معنی
مرادی میں اختلاف کے وقت حجت ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ''صاحب تحقیقات'' کو ان
باتوں کی تمیز ہی نہیں وہ فعل صحابیؓ یا قول صحابیؓ کو مطلقا مردود سمجھتا ہے جو انکی صحابہ کرامؓ کی دشمنی کی
علامت ہے اور یہ باتیں انکی کتابوں میں موجود ہیں کہ صحابہ کرام معیار حق نہیں ہیں۔

''معجم کبیر طبرانی اور طحاوی کی سند پر ''صاحب تحقیقات'' کا کلام''

''صاحب تحقیقات'' نے اثر عبداللہ ابن مسعودؓ جو کہ طبرانی، اور امام طحاوی نے اپنی اپنی سند سے
بیان کی ہے اس پر بھی کلام کیا ہے کہتا ہے طبرانی کی سند یوں ہے:

''حَدَّثَنا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْراهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّزاقِ عَنِ الثَوْرِيِّ عَنْ
أَبِيْ إِسْحَاقَ جاء نا ابن مسعود الحديث: انظر المعجم الكبير
رقم ٩٣٨٥)

اور یہ اثر امام طحاوی نے یوں روایت کی ہے:

''حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ ثَنا
سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُوسىٰ عَنْ عَبْدِ

اللّٰهِ اَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالاِمَامُ فِي الصَّلاةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَي
الْفَجْرِ (١/٢٥٧)

الکلام علی سند الاثر عند الطبرانی: اول اسحاق بن ابراہیم

(سند پر کلام والی عبارت تطویل کے خوف سے چھوڑ دی گئی ہے اور صرف ''صاحب تحقیقات''
کے خلاصہ پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مقصود پورا ہو جاتا ہے)

قولہ:

خلاصہ: اسحاق بذات خود ثقہ ہے لیکن عبدالرزاق کی منکر روایات
لاتا ہے اور یہاں یہ اثر اس نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔

''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

''صاحب تحقیقات'' کی صرف اس بات سے کہ اسحاق بن ابراہیم نے عبدالرزاق سے روایت
کیا ہے اور وہ عبدالرزاق کی منکر روایات لاتا ہے اس اثر کو کلی طور پر متروک قرار نہیں دیا
جا سکتا ''صاحب تحقیقات'' کو اس بات کی تصریح کرنی چاہئے کہ واقعی یہ روایت انہی روایات
میں سے ہے اور کسی معتبر امام جرح وتعدیل کی تصریح پیش کرنی چاہئے اسکے اس مجمل کلام سے
دھوکہ میں نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ اس نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالہ سے جو عبارت نقل فرمائی
ہے اس میں خیانت کی ہے اور جو قول امام دارقطنیؒ نے اسحاق بن ابراہیم کے متعلق فرمایا تھا وہ
پوری عبارت نقل نہیں فرمائی پوری عبارت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''قُلْتُ وَيَدْخُلُ فِيْ الصَّحِيحِ! قَالَ اي واللّٰهِ. (میزان

الاعتدال، ج:۱،ص:۳۳۲،(سوالات الحاکم النیسابوری
للدارقطنی ،مکتبة المعارف .الریاض،الطبعة الالی
،۱۴۰۴، ۱۹۸۴،تحقیق موفق بن عبدالله بن عبدالقادر
،علی بن أبوالحسن الدارقطنی البغدادی. ج۱،ص:۱۰۵))
میں کہتاہوں وہ (اسحاق بن ابراہیم) کا شمار صحیح (حدیث راویت
کرنے والوں)میں ہے کہا کہ اللہ کی قسم۔

یہ مذکورہ کلام امام دارقطنیؒ نے اسحاق بن ابراہیم کے متعلق فرمایا ہے باجوداسکے کہ اسحاق بن ابراہیم عبدالرزاق سے منکر راویات لاتا ہے ان کو دارقطنیؒ نے صحیح راویات لانے والوں میں داخل فرمایاہے پس''صاحب تحقیقات'' کابیان اسحاق بن ابراہیم کے متعلق بالکل مجمل ہے لہذا اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ محدثین جب کسی راوی کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ''یروی المناکیر،یروی احادیث منکرۃ''تو اسکا کیا مطلب ہوتا ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ظفراحمدعثمانیؒ فرماتے ہیں:

''وفَرقٌ أیضًا بَینَ قَولِهِم :مُنکَرالحَدِیثِ،وَبَینَ قَولِهِم رَوی المَنَاکِیر،أو یَروِیْ أَحَادِیْثُ مُنکرةٌ.قَال السخاویُّ فِیْ''فَتحِ المُغِیثِ''قَالَ ابنُ دَقِیقِ العِیدِ:قَولُهُم رَوی مناکِیر،لایَقتَضِیْ بِمُجَردِهٖ تَرکَ رِوایَتِهٖ حتیٰ تکثُر المَنَاکِیر فِیْ راویتہ،وَیَنتَهِیْ اِلی أنْ یُقَالَ فِیهِ:مُنکرُ الحدیثُ لانَّ مُنکر الحَدِیْثُ وَصْفُ فِی الرَّجُلِ یَستَحِقُّ بِهٖ التَرکَ لِحَدِیثِهٖ والعِبارةُ الأُخری لاتقتَضِیُ الدِیمُومَةَ کیف وَقَدْ قَالَ أَحمَدُ بْنُ حَنبل فی(محمد بن ابراهیم التیمی)یَرُوی أحَادِیْثُ مُنکرةٌ ،وَهُوَ

مِمنِ اتّفقَ عَلَیهِ الشَّیخَان ،والَیهِ المَرجعُ فِی حَدِیثُ''اِنَّما الاعمال بِالنِّیات''

اورمحدثین کے اس قول:منکر حدیث اورروی مناکیر یا یروی مناکیر کے درمیان بھی فرق ہے امام سخاویؒ نے''فتح المغیث''میں فرمایا ہے ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا کہ:محدثین کاکسی کے متعلق صرف''روی مناکیر''کہنااس کے راویات کوچھوڑنے کا تقاضانہیں کرتا یہاں تک وہ کثرت سے منکرراویتیں بیان کریں اوراس حدتک پہنچ جائے کہ اسکے بارے میں یہ کہہ دیاجائے کہ وہ مُنکَر حدِیث ہے کیونکہ''منکرالحدیث''یہ وصف آدمی میں ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اس لائق ہوجاتا ہے کہ اسکی حدیثیں چھوڑدی جائیں۔جبکہ دوسری عبارت (روی مناکیروغیرہ)وہ ہمیشگی کا تقاضانہیں کرتی کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے محمد بن ابراہیم تیمی کے متعلق فرمایاہے کہ وہ منکرراویت لاتا ہے اور باوجود اسکے وہ اُن راویوں میں سے کہ جس پر شیخین (امام بخاریؒ اورامام مسلمؒ) کا اتفاق ہے اوروہی حدیث''انماالاعمال بالنیات''کامرجع ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ محدثین کے اس کلام سے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں یروی مناکیرتو اس سے مراداس راوی کی تمام راویات کی تضعیف نہیں ہوتی اورنہ ہی اسکی ساری راویتوں کوچھوڑنا لازم آتا ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے اب یہی بات اسحاق بن ابراہیم کے متعلق بھی محدثین نے بیان فرمائی ہے کہ اسحاق بن ابراہیم عبدالرزاق کی منکر راویتیں لاتا ہے لیکن علامہ ابن عدیؒ نے الکامل میں اسحاق بن ابراہیم کی صرف دومنکرراویتیں

ذکر کی ہیں جن میں سے یہ اثر بالکل نہیں ہے۔لہذا یہ اثر اسحاق بن ابراہیم کی منکر راویات میں سے نہیں ہے۔اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ راویت منکر ہے تو پھر بھی یہ بات اس اثر کیلئے مضر نہیں ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق میں (۴۴۴/۲) اپنی سند کیساتھ اس اثر کو راویت کیا ہے اور اسحاق بن ابراہیم کی راویات کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عبدالرزاق سے منکر راویات لاتا ہے تو یہ بات اُن راویتوں کے بارے میں ہے جو راویتیں امام عبدالرزاق کی تصانیف میں موجود نہ ہو چنانچہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

" وَ اِنَّمَا الكَلامُ فِيْ الأَحَادِيْثُ الَّتِى عِندهُ فِى غَيرِ التّصانِيفِ فَهِىَ الّتى فِيْهَا المَنَاكِير وَذَلِكَ لأَجل سِمَاعِهِ مِنْهُ فِى حَالة الاختلاط،(لسان الميزان ج: ا ص: ۳۱۹)

اور کلام تو اس کی صرف اُن احادیث میں ہے جو غیر تصانیف میں ہے پس وہی روایتیں ہیں جن میں مناکیر ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ اسحاق بن ابراہیم نے اُس سے اختلاط کی حالت میں سماع کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی اس بات سے یہ معلوم ہوگیا کہ جو راویتیں امام عبدالرزاق کی تصانیف میں موجود ہیں ان راویتوں کو اگر اسحاق بن ابراہیم اپنی سند سے تصحیف یا تحریف کیساتھ راویت کریں تو اُن میں اسحاق بن ابراہیم کی حیثیت منکر راویات لانے کی ہوگی اور نکارت کی وجہ اسحاق بن ابراہیمؒ کا عبدالرزاق سے اختلاط کے بعد سماع کرنا ہے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اسحاق بن ابراہیم کی حدیث عبدالرزاق میں نکارت کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اُس نے اختلاط کی حالت میں اس سے سماع کیا ہے بس اسکے سوا اس میں کوئی ضعف نہیں ہے لہذا صر

ف اس وجہ سے اس اثر کو بالکل ضعیف قرار دینا انتہائی ظلم ہوگا جبکہ یہ اثر ہمیں دیگر طرق سے بھی پہنچا ہے اور تعدد طرق کی وجہ سے اس اثر کا ضعف ختم ہوجاتا ہے چنانچہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں:

"وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنْ كَانَ الضَعِيْفُ مِنْ جهة سُوء حفظٍ أَوْ اِختلاط أو تَدْلِيس مَع وُجود الصّدق و الدِّيَانةِ يُنْجَبر بِتعدُدِ الطُرق.(مقدّمَةُ فِىْ أُصول الحديْث،ص: ۸۴)

اور بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ اگر حدیث میں کمزوری کا سبب سچائی اور دیانت کیساتھ حافظہ کی خرابی، یا اختلاط یا تدلیس ہو تو تعدد طرق کی وجہ سے اسکی کمی پوری ہوجائے گی۔

پس معلوم ہوگیا کہ یہ اثر تعدد طرق کی وجہ سے ضعف اور کمزوری سے نکل کر اس قابل بن جاتا ہے کہ اس سے ابوہریرہؓ کی حدیث کی تخصیص یا دیگر احادیث میں تاویل کی جائے۔

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

تیسرا: اس میں سفیان ثوری ہے اور یہ بھی مدلس ہے حافظ ابن حجرؒ طبقات المدلسین (ص:۵۰) پر فرماتے ہیں:

"سُفْيَانُ بْنُ سَعِيد الثورى الامام المشهُوْر وصفَهُ النَسائى وغيره بالتدليس وَقال البخارى ماأقل تدليسه.

اور مدلس جب "عن" کیساتھ راویت کرتا ہے تو وہ بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوتا۔(التحقیقات،ص:۹۲)

اقول:

احقر کہتا ہے کہ:

''صاحب تحقیقات'' نے سفیان ثوری کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارت تو نقل کردی کہ اُس نے سفیان ثوری کو مدلسین میں ذکر کیا ہے لیکن آپ ذرا ''صاحب تحقیقات'' سے یہ پوچھ لیں کہ کیا مدلسین کے ہر طبقہ کے مدلس کا حکم ایک جیسا ہے کہ ہر طبقہ کا مدلس جب ''عن'' کیساتھ راویت کرتا ہے تو اسکی راویت بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوگی؟ ''صاحب تحقیقات'' لوگوں کو چکر دینے کیلئے گول مول باتیں کرتا رہتا ہے کیونکہ اسکے پاس کچھ ہے ہی نہیں آیئے میں آپ حضرات کو بتا دیتا ہوں کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مدلسین کے پانچ طبقات ذکر کئے ہیں اور سب کا حکم ایک جیسا نہیں ہے اور سفیان ثوریؒ کا ذکر انہوں نے مدلسین کے دوسرے طبقہ میں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''الثَّانِيَةُ :مَنُ احۡتَمَلَ الأئمَّةُ تَدۡلِيۡسَهُ وَأَخۡرَجُوا لَهُ فِيُ الصَّحِيۡحِ لِامَامَتِهِ وَقِلَّةِ تَدۡلِيۡسِهِ فِيۡ جَنۡبِ مَاروی کالثوری أو كَانَ لايُدلِّسُ الَّاعَنُ ثِقَةٍ كَابنِ عُيينَةَ''(طبقات المدلسین ص:۱۳)

اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جن کی تدلیس کو ائمہ نے گوارا کیا ہے اور انکی احادیث کی تخریج انکی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے اپنی صحیح میں کی ہے قلت تدلیس میں راویت کرنے والوں میں سے سفیان ثوریؒ کی طرح یا جو صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے جیسا کہ ابن عیینہؒ۔

پس اس عبارت سے یہ بات خوب معلوم ہوگئی کہ مدلسین کا دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جنکے مدلس ہونے کے باوجود ائمہ حدیث جیسا کہ امام بخاریؒ ومسلمؒ وغیرہ نے انکی احادیث کی تخریج کی ہے چاہے

وہ ''عن'' کیساتھ راویت کریں یا سماع کی تصریح کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہذا ''صاحب تحقیقات'' کا یہ دعویٰ کرنا کہ جب مدلس ''عن'' سے راویت کرتا ہے تو وہ بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوتا مردود ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ سفیان ثوریؒ بہت ہی کم تدلیس کرنے والوں میں سے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اُن کے متعلق فرمایا ہے کہ ''ما اقل تدلیسہ'' نیز علامہ ذہبیؒ نے اُن لوگوں کے قول کو رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سفیان تدلیس کرتا ہے اور جھوٹوں سے راویتیں لکھتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''وَلاعِبۡرَۃَ لِقَوۡلِ مَنۡ قَالَ :يُدلِّسُ وَيَكۡتُبُ عَنِ الكذَّابين''(میزان الاعتدال، ج:۳ص:۲۴۵)

اور اس شخص کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو یہ کہتا ہے کہ سفیان تدلیس کرتا ہے اور جھوٹوں کی حدیثیں لکھتا ہے۔

پس ان تصریحات سے یہ باب بخوبی معلوم ہوگئی کہ سفیان ثوریؒ کی تدلیس مضر نہیں ہے لہذا ''صاحب تحقیقات'' کے اس اثر کے متعلق تمام اعتراضات مردود ہیں قابل التفات نہیں ہیں۔اور یہ اثر اس قابل ہے کہ اس کو سنت فجر عند الاقامت کے استثناء کی حجت میں پیش کیا جائے۔

''طحاوی شریف کی سند پر کلام''

''صاحب تحقیقات'' طحاوی شریف کی سند پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اب طحاوی کی سند میں صرف سلیمان بن شعیب جسکے حالات پہلے گزر چکے ہیں کہ وہ ثقہ ہے لیکن اس کا استاد جو کہ خالد بن عبدالرحمٰن

ہے وہ ضعیف ہے ....دوسرا اس میں ابو اسحاق سبیعی ہے جس پر
اختلاط آیا ہے اور مدلس بھی ہے اور یہاں اس نے عنعنہ کیا ہے
والمدلس اذا عنعن لا تحج بالاتفاق ....اور اس (سند) میں سفیان
ثوری ہے یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ مشہور بالتدلیس
ہے اور یہاں مدلس مختلط مدلس سے راویت کرتا ہے تو کس طرح یہ
راویت صحیح ہوجائے گی۔ خلاصہ کہ یہ اثر دونوں طریقوں سے جو کہ
طبرانی اور طحاوی کی ہے ضعیف ہے اور یہ بات کہ امام ہیثمیؒ مشہور
بالتساہل ہیں بالکل صحیح ہے کہ اس اثر کو انہوں نے کہا ہے: رجالہ
موثوقون، بلکہ میں کہتا ہوں: رجالہ مضعفون ہے اور اسی طرح نیموی
کی اثار السنن (۲۲۹) میں یہ بات کہ:" رواہ الطبرانی والطحاوی
واسنادہ حسن" بالکل غلط اور کھلی ہوئی تعصب ہے، ایک اثر جسکی سند کا یہ
حال ہو آیا وہ حسن ہوسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ تم کوئی جرح
وتعدیل کے امام تو نہیں ہو کہ تم اسے حسن کہتے ہو تو یہ حسن یا صحیح ہوگا
۔لہذا اثر نہایت ضعیف ہے۔(التحقیقات فی رد
الھفوت: (۳۹۲/۳۹۳)

"صاحب تحقیقات کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" جتنا آگے بڑھ رہا ہے اتنی ہی اسکی نادانی اور تعصب واضح
ہوتی چلی جارہی ہے اس نے خالد بن عبدالرحمٰن الخراسانیؒ پر ضعف کا جو حکم لگایا ہے وہ محض اپنی

نادانی اور تعصب کی وجہ سے ہے ورنہ خالد بن عبدالرحمٰن ضعیف راوی نہیں ہے کسی راوی کے متکلم
فیہ ہونے سے اس پر کلی طور پر ضعف کا حکم لگانا جہالت یا تجاہل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے علامہ عینیؒ
نے مغانی الاخیار، اور علامہ مزیؒ نے تہذیب الکمال میں اسی خالد بن عبدالرحمٰن کے متعلق فرمایا
ہے:

"یحییٰ (بن معینؒ) نے اسکو ثقہ کہا ہے، ابوزرعہ اور ابوحاتمؒ نے اسکو
:لا باس بہ کہا ہے، اور عقیلیؒ نے فرمایا ہے کہ فی حفظہ شیء اسکی احادیث کو
ابوداودؒ، نسائیؒ اور طحاویؒ نے راویت کیا ہے۔(مغانی الاخیار
،ج:۱،ص:۲۷۷، تہذیب الکمال، ج:۵،ص:۵۵)

اسکے علاوہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ عقیلیؒ نے خالد بن عبدالرحمٰن کی معلل راویت ذکر کی
ہے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ :"ہوسکتا ہے کہ یہ دوسروں کی خطاء ہو"(میزان
الاعتدال، ج:۲،ص:۴۱۶)

یعنی کہ علامہ عقیلیؒ نے جن راویات میں خالد بن عبدالرحمٰن کی غلطی کی نشاندہی کی ہے اسکے متعلق
علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ غلطی خالد بن عبدالرحمٰن سے نہیں بلکہ دیگر رواۃ سے ہوئی
ہو تو ایسی صورت میں خالد بن عبدالرحمٰن اس غلطی سے بری ہوگا۔

بہر حال خالد بن عبدالرحمٰن حسن درجہ کا راوی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اسکو ضعیف کہنا اسکی
نادانی ہے۔

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کا یہ کہنا کہ:

دوسرا اس میں ابو اسحاق سبیعی ہے جس پر اختلاط آیا ہے اور مدلس بھی

ہے اور یہاں اس نے عنعنہ کیا ہے والمدلس اذا عنعن لا یحتج بالاتفاق۔

اقول:

میں کہتا ہوں: کہ اس بات کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے کہ ابو اسحاق کو ائمہ نے مطلقاً محتج بہ قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ علائیؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے لہذا اسکا اختلاط یہاں پر بالکل مضر نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری کا شمار محدثین نے اُن لوگوں میں نہیں کیا ہے جنہوں نے ابو اسحاق سے بعد الاختلاط راویت کیا ہو تو سفیان ثوری کا اسحاق سے راویت کرنے میں اختلاط کا فلسفہ چلانا ''صاحب تحقیقات'' کا دھوکہ ہے۔

قولہ:

اور ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

> ''اور اس (سند) میں سفیان ثوری ہے یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ مشہور بالتدلیس ہے اور یہاں مدلس، مختلط مدلس سے راویت کرتا ہے تو کس طرح یہ راویت صحیح ہو جائے گی۔''

اقول:

اور رہی بات سفیان ثوریؒ کی تدلیس کی تو وہ بھی سفیان ثوریؒ کے متعلق کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے ان کا شمار مدلسین کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے اور ان کی تدلیس کو ائمہ نے گوارا کیا ہے۔ تو ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

''یہاں مدلس مختلط مدلس سے راویت کرتا ہے تو یہ راویت کیسے صحیح ہوگی''

یہ ''صاحب تحقیقات'' کے چالاکی کے گُر ہیں کہ بات کو گھما پھرا کے کدھر سے کدھر لے جاتا ہے اب بھلا سفیان ثوریؒ کا ابو اسحاقؒ کے مختلط ہونے سے کیا واسطہ ہے؟ میں ''صاحب تحقیقات''

سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ابو اسحاق کا اختلاط مطلقاً اسکے ضعف کا سبب ہے کہ سفیان ثوریؒ کی اُس سے راویت اسکے اختلاط کی وجہ سے کمزور ہو جائے گی؟ ''صاحب تحقیقات'' کچھ تو اللہ کا خوف کرو اس ہیرا پھیری سے باز آجاؤ!

پھر رہی بات ابو اسحاق سبیعیؒ کی تدلیس کی تو طحاوی شریف کی حدیث جو گزر چکی ہے اس میں ابو اسحاق نے ''حدثنی'' کی تصریح کی ہے۔ لہذا یہاں تک ''صاحب تحقیقات'' کے اس اثر کے ضعیف ہونے کے تمام دعوے باطل ہو گئے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا:

> ''خلاصہ: یہ اثر دونوں طریقوں سے جو کہ طبرانی اور طحاوی کی ہے ضعیف ہے اور یہ بات کہ امام ہیثمیؒ مشہور بالتساہل ہے بالکل صحیح ہے کہ اس اثر کو اس نے کہا ہے: رجالہ موثوقون، بلکہ میں کہتا ہوں: رجالہ مضعفون ہے اور اسی طرح نیموی کی آثار السنن (۳۲۹) میں یہ بات کہ: ''رواہ الطبرانی والطحاوی واسنادہ حسن'' بالکل غلط اور کھلا ہوا تعصب ہے، ایک اثر جسکی سند کا یہ حال ہو آیا وہ حسن ہوسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ تم کوئی جرح وتعدیل کے امام تو نہیں ہو کہ تم اسے حسن کہتے ہو تو یہ حسن یا صحیح ہوگا۔ لہذا اثر نہایت ضعیف ہے۔ (التحقیقات فی رد الھفوت: (۳۹۲/۳۹۳)

اقول: میں کہتا ہوں:

کہ یہ اثر دونوں طریقوں طبرانی اور طحاوی سے بالکل صحیح ہے اور علامہ ہیثمیؒ کا اس کے متعلق یہ کہنا

کہ رجالہ موثوقون بالکل درست ہے اور ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ رجالہ مضعفون بالکل غلط ہے اور یہ اسکا تعصب ہے اور اسی طرح علامہ نیمویؒ کا آثار السنن میں یہ کہنا کہ اسنادہ حسن بالکل صحیح ہے اور ''صاحب تحقیقات'' کا اسکو بالکل غلط کہنا اسکا وہم ہے۔ جسکی دیانت داری کا یہ حال ہو کہ وہ ہیرا پھیری کرتا ہو، عبارتیں نقل کرنے میں خیانت کرتا ہو، لوگوں کو دھوکہ دیتا ہو کیا اسکی ہیرا پھری کرنے سے یہ اثر ضعیف ہوسکتا ہے؟ اور آپ کا یہ کہنا کہ علامہ نیمویؒ کوئی جرح وتعدیل کا امام تو نہیں ہے کہ وہ اس اثر کو حسن کہتا ہے تو وہ حسن یا صحیح ہوجائے گا۔ تو میں کہتا ہوں کہ آپ بھی تو کوئی جرح وتعدیل کے امام نہیں ہو کہ آپ اس اثر کہ متعلق یہ کہتے ہیں کہ: ''رجالہ مضعفون'' آپ کو اپنا عیب نظر نہیں آتا اور دوسروں کی خوبی راس نہیں آتی۔ لہذا یہ اثر سند کے لحاظ سے بالکل حسن ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ وللہ الحمد

احناف کی پانچویں حدیث:

''حَدَّثَنَا ابْنُ اِدْرِیْسَ عَنْ مُطَرِّف عَنْ اَبِی اِسْحَاق عَنْ حَارِثَةَ بْنَ مُضَرب اَنَّ اِبْنَ مَسْعُوْد وَاَبَامُوْسیٰ خَرجَا مِنْ عِنْدَ سَعِیْدِ بْنِ الْعَاص فَأُقِیْمَتِ الصَّلاة فَرَکَعَ بْنَ مَسْعُوْد رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلَاةِ وَامَّا اَبُوْمُوْسیٰ فَدَخَلَ فِی الصَّف. (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲، ص:۵۷)

''مصنف ابن ابی شیبہ کی سند پر ''صاحب تحقیقات'' کا کلام''

مصنف ابن ابی شیبہ کی مندرجہ بالا اثر کی سند پر ''صاحب تحقیقات'' نے کلام کیا ہے۔ ''صاحب تحقیقات'' کہتا ہے:

''مطرب کا حال ہمیں، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تقریب

التہذیب خلاصہ تہذیب الکمال، لسان المیزان اور الجرح والتعدیل میں نہیں ملا۔

''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ''

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' نے پتہ نہیں کہ یہ اثر کہاں سے نقل کی ہے کیونکہ اس سند میں ''مطرب'' نام کا کوئی راوی ہے ہی نہیں جب اس نام کا راوی ہے ہی نہیں تو ''صاحب تحقیقات'' کو کیا خاک اس راوی کا ترجمہ ملے گا ایسا لگتا ہے کہ ''صاحب تحقیقات'' کو خود تحقیق کرنے کی فرصت نہیں ملی اور شاید کہ اس نے حدیث کی سند کو بقول ''صاحب تحقیقات'' ''ہفواتی صاحب'' کی کتاب سے نقل کردیا ہو یا کسی اور کتاب سے اور اس پر جرح کرنے بیٹھ گئے تبھی تو اس کو ''مطرف'' کے بجائے ''مطرب'' کا ترجمہ نہیں ملا۔ اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''ہفواتی صاحب کی کتاب'' میں ''مطرب'' کاتب کی غلطی ہو لیکن ''صاحب تحقیقات'' کو تو شاید محقق ہونے کا دعویٰ ہوگا تو پھر انہوں نے اتنے تساہل سے کیوں کام لیا؟۔ فیا عجب لمدعی الاجتہاد والتحقیق

مصنف ابن ابی شیبہ جو مکتبہ الرشد نے ۱۴۰۹ھ میں چھاپی ہے اُس کی دوسرے جلد ص:۵۷ کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر'' میں یہ حدیث موجود ہے لیکن اس میں ''مطرب'' نام کا کوئی راوی نہیں ہے بلکہ ''مُطَرِّف بن طریف'' ہے اور یہ ثقہ راوی ہے امام احمد اور ابوحاتمؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے علی بن المدینی نے انکو ثقہ کہا ہے علامہ عجلیؒ نے انکے متعلق فرمایا کہ، صالح الکتاب، ثقہ، ثبت فی الحدیث، ابن شاہینؒ نے فرمایا کہ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ وہ ثقہ، صدوق ولیس بثبت، یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ثقہ ثبت ہے۔ یہ پوری تفصیل

تهذيب التهذيب (۵/۵۴۹) تهذيب الكمال (۱۷/۲۷۸)

وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لہذا ''صاحب تحقیقات'' کو اگر اپنے محقق ہونے کا دعویٰ ہے تو وہ اتنے تساہل سے کام نہ لیں اور بات کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں لیکن بات کی تہہ تک جانے میں تو انکا نقصان ہے کہ بات انکے خلاف نکل آتی ہے!

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

''ابو اسحاق بھی وہی عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے جو کہ مدلس بھی ہے اور اس پر اختلاط بھی آیا تھا اور یہاں پر اس نے ''عن'' کیساتھ حارثہ بن مضرب سے یہ اثر روایت کی ہے اور مدلس کا ''معنعن'' اثر یا حدیث علماء کے اتفاق سے حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابو اسحاق سبیعیؒ ثقہ راوی ہے آئمہ نے مطلقا اس کو محتج بہ قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ علائیؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے یہ ''صاحب تحقیقات'' کی ناواقفیت ہے کہ وہ ہر جگہ پر اختلاط کا فلسفہ چلا رہا ہے مختلط راوی کی وہ روایت کمزور ہوتی ہے جو اس سے بعد الاختلاط کے روایت کی گئی ہو ابو اسحاق سبیعیؒ سے بعد الاختلاط روایت کرنے والوں میں سے آئمہ نے جن حضرات کے نام گنوائے ہیں اُن میں مطرف کا نام نہیں گنوایا تو جب مطرف نے ابو اسحاق سے بعد الاختلاط روایت ہی نہیں کیا ہے تو پھر ابو اسحاق کا اختلاط مطرف کے حق میں کیوں مضر ہوگا؟

اب رہی بات ابو اسحاق کے عنعنعہ کی تو وہ بھی مضر نہیں ہے کیونکہ حارثہ بن مُضرّب سے ابو اسحاق

کا روایت کرنا معروف ومشہور ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ امام حاکمؒ نے صحیح حدیث کی دس اقسام ذکر کئے ہیں جن میں پانچ متفق علیہا ہیں اور پانچ مختلف فیہا ہیں اور ان پانچ مختلف فیہا میں سے مراسیل اور اُن مدلسین کی احادیث جن میں وہ سماع کی تصریح نہیں کرتے ہیں وہ بھی صحیح حدیث کے اقسام میں ہیں لہذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کے بفرض محال اگر ابو اسحاق کا سماع حارثہ سے ثابت نہ ہو پھر بھی یہ روایت صحیح ہے کیونکہ اسکے تمام راوی ثقہ وعادل ہیں اور تدلیس اسکی صحت کیلئے مضر نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

''وممن حكاه الحاكمُ فذكرَ في كتابِ المدخل فإنَّهُ قسمُ الصحيحَ إلى عشرة أقسام خمسةَ مُتفقٌ عليها وخمسةٌ مُختلفٌ فيها فذكرَ مِنَ الخمسةِ المُختلف فيها المراسيل وأحاديث المدلّسين إذا لَمْ يذكروا سماعاتهم إلى آخر كلامه. ((التقيد والايضاح، ج: ۱ ص: ۹۹، دار الفكر)

اور اُن محدثین میں سے جنہوں نے امام حاکم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مدخل میں صحیح حدیث کو دس قسموں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں پانچ متفق علیہا ہیں اور پانچ مختلف فیہا ہیں اور ان پانچ مختلف فیہا میں سے انہوں نے مراسیل، اور مدلسین کی وہ احادیث کہ جن میں انہوں نے اپنے سماع کی تصریح نہ کی ہو......اھ

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا:

اور مدلس کا ''معنعن'' اثر یا حدیث علماء کے اتفاق سے حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ شاید ''صاحب تحقیقات'' نے اتفاق کے دعوے میں امام نوویؒ کی تقلید کی ہے کیونکہ اتفاق کا یہ دعویٰ امام نوویؒ نے کیا ہے چنانچہ حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں:

''بَلْ زَادَ النووی علیٰ هذا فَحکی فِیْ شَرحِ المُهَذَّب الاتِّفَاق علیٰ أَنَّ المُدلِّس لایُحتَجُّ بِخَبَرِهِ إذا عَنْعَن.'' (التقید والایضاح، ج: ا ص: ۹۹، دار الفکر)

(اصل میں خطیب بغدادی نے یہ فرمایا تھا: ''کہ جمہور محدثین جو مرسل کو حجت سمجھتے ہیں وہ مدلس کی حدیث کو قبول کرتے ہیں) لیکن اس پر امام نوویؒ نے یہ اضافہ کیا جیسا کہ اُس نے شرح مہذب میں جمہور کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ جب مدلس عنعنہ کرے تو اسکی حدیث محتج بہ نہیں ہوگی۔

لیکن ''صاحب تحقیقات'' کو خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ علامہ عراقیؒ نے امام نوویؒ کے اس افراط کو قبول نہیں کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں

وَهـذا مِـنْـهُ إِفْـراط......الخ'' (التقید والایضاح، ج: ا ص: ۹۹، دار الفکر)

اور یہ کہنا امام نوویؒ کی طرف سے زیادتی ہے۔

پھر آگے جا کر فرماتے ہیں:

''وَمَاذُکِرَ مِنَ الاتِّفَاق لَعَلَّهُ مَحْمُوْلٌ علی اتِّفَاق مَنْ لا یَحْتَجُّ بِالْمُرسَلِ خُصُوْصًا......الخ (التقید

کشف الغرر عن سنة الفجر — سنت فجر عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

والایضاح، ج: ا ص: ۹۹، دار الفکر)

اور جس اتفاق کا ذکر کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ اُن لوگوں کے اتفاق پر محمول ہو جو مرسل کو خاص کر حجت نہیں سمجھتے۔

پھر اس سے آگے جا کر خطیب بغدادی کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وحکی الخلاف أیْضًا الحَافِظ أَبُوبکر الخطِیب فِی کِتاب الکِفَایةِ فَحَکیٰ خَلْقٌ کَثِیر مِن أَهلِ العِلْمِ أَنَّ خبر المُدلّس مَقْبُولٌ قَال وَزَعَموا أَنَّ نِهَایَةَ أَمْرِهِ أَنْ یَکُوْنَ مُرسلاً والله أعلم. (التقید والایضاح، ج: ا، ص: ۱۰۰)

کہ اس اختلاف کا ذکر حافظ ابو بکر خطیب (بغدادی) نے (اپنی) کتاب الکفایہ میں کیا ہے اور اُس نے بہت سے اہل علم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مدلس کی خبر مقبول ہوتی ہے فرمایا کہ اُنکا خیال ہے (مدلس) کی خبر کی انتہاء یہ ہے کہ وہ مرسل بن جائے۔ (اور یہ بھی حجت ہے)

پس ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ ''صاحب تحقیقات'' نے جو یہ کہا تھا کہ مدلس جب عنعنہ کرے تو اسکی خبر بالاتفاق قابل احتجاج نہیں ہوتی غلط ہے بلکہ اس میں محدثین وفقہاء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ مرسل راویت حجت ہے کہ نہیں تو اس میں تفصیل ہے جسکا یہ موقع نہیں ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک مرسل تابعی جبکہ وہ ثقہ ہو حجت ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ''صاحب تحقیقات'' کے تمام دعوے بے بنیاد ہیں۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کہتا ہے:

حارثہ بن مضرب حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:'' حارثۃ بن مضرب عن علی وعمر وسلمان وعنہ ابو اسحاق قا ابن المدینی متروک وقا احمد حسن الحدیث۔

خلاصہ: یہ اثر بھی ضعیف ہے نیموی کا آثار السنن میں یہ کہنا کہ اسنادہ صحیح غیر صحیح ہے کیونکہ اس اثر میں ابواسحاق سبیعی ہے، اور مطرب مجھول الحال ہے اور حارثہ بن مضرب مختلف فیہ راوی ہے تو کیسے اسناد صحیح ہوجائے گا.........الخ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ حارثہ بن مضرب ثقہ راوی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے انکو حسن الحدیث فرمایا ہے یحیٰ بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے عثمان دارمیؒ نے انکے متعلق فرمایا ہے:'' حارثہ خیر، ابن حبان نے انکو ثقات التابعین میں ذکر کیا ہے۔ اور اسکو ضعیف کہنے میں امام ابن جوزیؒ نے ازدی اور اس نے علی المدینیؒ کے حوالہ اُن کو متروک کہا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اسکے ضعف کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ:''ینبغی أنْ یُحرَّرَ ھذا'' کہ اسکی تحقیق کرنی چاہئے یعنی کہ علی بن المدینی کا قول بغیر تحقیق کے معتبر نہیں ہے پھر تقریب التہذیب میں اسکے ضعف کو غلط قرار دیا ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اسی وجہ سے علامہ مزیؒ نے حارثہ بن مضرب کے حوالہ سے علی بن المدینیؒ کا قول نقل نہیں کیا ہو دوسری بات یہ ہے کہ جرح مبہم ہے اور مبہم جرح سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوسکتا جب تک اسباب جرح بیان نہ کئے جائیں لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حجر

عسقلانیؒ نے اُن لوگوں کی بات کو غلط قرار دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ علی ابن المدینیؒ نے اُن (حارثہ بن مضرب) کو چھوڑ دیا تھا چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''حارثۃُ بْنُ مُضرِّبٍ بتشدِید الراءِ المَکْسُورۃِ قَبلَھا معجمۃٌ العَبدِیُّ الکُوفی، ثِقۃٌ مِنَ الثانیۃِ، غَلط مَنْ نقَل عن ابنِ المدِیْنی أنّہُ ترکہُ. (تقْرِیبُ التّھذِیْب، ص:١٨٧)

حارثہ بن مضرب...... عبدی کوفی، ثقہ ہے دوسرے طبقہ میں سے ہے اور اُس شخص نے غلطی کی جس نے ابن مدینی سے یہ نقل کیا ہے کہ اُس نے اس سے راویت کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حارثہ بن مضرب کی جو توثیق میں نے نقل کی ہے وہ ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(تھذیب الکمال ج:٣، ص:٢٥٦، تھذیب التھذیب ج:١، ص:٤٤٥، الجرح و التعدیل، ج:٣، ص:٢٥٥، مغانی الاخیار ج:١، ص:١٦٥، تقریب التھذیب، ص:١٨٧).

خلاصہ یہ نکلا کہ اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں نیز علامہ نیمویؒ کا آثار السنن میں اس اثر کو صحیح کہنا بالکل بجا ہے اور ''صاحب تحقیقات'' کا اس اثر کو ضعیف کہنا اسکی جہالت اور تعصب ہے جو آپ حضرات کو معلوم ہوچکی ہے اس اثر میں ''مطرب'' نام کا کوئی راوی نہیں ہے بلکہ ''مطرف'' ہے جو ثقہ ہے، نیز ابواسحاق سبیعیؒ مختلط ہیں لیکن مطرف کا سماع اس سے بعد الاختلاط ثابت نہیں ہوا لہذا اختلاط بھی کچھ مضر نہیں ہوئی نیز حارثہ بن مضرب مختلف فیہ راوی نہیں ہے بلکہ وہ ثقہ راوی ہے اور جن لوگوں نے اُس کو ضعیف کہا ہے انکا قول غلط ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے پس اس اثر کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس بنا پر یہ اثر صحیح الاسناد ہے۔

چھٹی حدیث:

"حَدَّثَنا فَهد، قَالَ ثَنا أَبُو نُعَيمٍ قَالَ ثنا مَالِكُ بنُ مِغْوَلَ قَالَ.....الخ (شرح معانی الآثار: ۱، ص: ۳۷۵، رقم ۲۰۴۲)

پوری حدیث مع ترجمہ باب دوم (میں) گزر چکی ہے۔

مالک بن مغولؒ نے فرمایا کہ میں نے ابن عمرؓ کو نماز فجر کیلئے جگایا اور حال یہ ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی پس ابن عمرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فجر کی سنتیں پڑھ لیں۔

"سند حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کہتا ہے:

"فہد امام طحاوی کا استاد ہے اسکا ترجمہ ہمیں نہیں ملا حافظ ذہبیؒ نے فہد نام کے دو راوی ذکر کئے ہیں پہلا فہد بن حیان البصری ہے..........اور دوسرا فہد بن عوق کا ذکر کیا ہے اور اسکا نام زید ہے......اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ (طحاوی کی سند میں) فہد ان دونوں میں کونسا ہے۔ جرح والتعدیل میں امام ابن ابی حاتم نے دو وہی (مذکورہ) نام اور دو انکے علاوہ ذکر کئے ہیں ایک فہد بن سلام ابوہمام المنقری البصری ہے..........اور دوسرا فہد بن المبارک ہے لیکن اس پر سکوت کیا ہے اسکو نہ مجروح قرار دیا ہے اور نہ ہی اسکی

تعدیل کی ہے۔ دوسرا جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح مرفوع قولی حدیث کے مقابلہ میں صحابی کا فعل مردود ہوتا ہے جیسا کہ یہ مصطلح الحدیث کا قاعدہ ہے۔ نبی کی احادیث کیوں مقدم نہ ہوں گی حال یہ ہے کہ وہ مسلم کی مرویات ہیں اور اسکے مقابل ابن عمر کا ضعیف اثر طحاوی کی شرح معانی الآثار میں ہے اب انصاب، ہم ہفواتی پر چھوڑتے ہیں کہ کس کو مقدم کرتا ہے ایک رسول اللہ ﷺ کی قولی حدیث ہے اور دوسرا ابن عمرؓ کا اثر ہے یعنی صحابی کا فعل (اور وہ بھی مجہول الحال ہے)۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

میں کہتا ہوں کہ "صاحب تحقیقات" نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں "فہد" کا ترجمہ نہیں ملا۔ اور ملتا بھی کیوں اول تو اس وجہ سے کہ "فہد" صحاح ستہ کا راوی نہیں ہے کہ اسکا حال تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب وغیرہ میں مل جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ "صاحب تحقیقات" کو احناف سے دشمنی ہے جسکی وجہ سے یہ انکی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتا حالانکہ اسکو چاہیئے تھا کہ طحاوی کے رجال پر جو کتابیں لکھیں گئی ہیں وہ ان میں دیکھ لیتا تو اس کو "فہد" کا حال معلوم ہو جاتا اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے نہ اپنا وقت ضائع کرتا اور نہ ہی ہمارا۔ اگر "صاحب تحقیقات" علامہ عینیؒ کی کتاب مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ملاحظہ فرمالیتے تو وہ ضرور فہد کا حال معلوم کر لیتے چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"فَهدُ بنُ سُلَيمَانَ بنِ يَحيىٰ: أَحدُ مَشَايِخِ أَبِي جَعفَرِ الطَّحَاوِي الَّذِينَ رَوىٰ عَنهُم وَكَتَبَ وَحَدَّثَ. الى ان قال

تُوفِّيَ بِمِصر فِي صَفَر سَنَةَ خَمس وَسَبعِينَ ومائتين وَكَانَ
ثِقةً.........الخ (ج: ۲، ص: ۲۵، رقم ۲۱۱۰)

فہد بن سلیمان بن یحیٰ ابو جعفر طحاویؒ کے اُن مشائخ میں سے ہے کہ
جس سے اُنہوں نے احادیث راویت کی ہیں اور لکھیں اور بیان کی
ہیں۔ وہ مصر میں ماہ صفر ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے اور وہ ثقہ تھے۔

اسکے علاوہ علامہ ماردینیؒ نے الجوہر النقی میں بھی یہی فرمایا ہے کہ فہد بن سلیمان بن یحیٰ ثقہ راوی ہے جسکی تفصیلی پہلے بھی گزر چکی ہے لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' احناف کا دشمن ہے وہ بھلا ان باتوں کیلئے انکی کتابوں کو کیوں دیکھیں الجوہر النقی علامہ ماردینیؒ کی وہ کتاب ہے کہ جسکا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ ''صاحب تحقیقات'' کا اس راوی کو مجہول سمجھنا اسکی ناواقفیت ہے جو کہ واضح ہو چکی ہے پس یہ اثر بالکل صحیح ہے۔ ''صاحب تحقیقات'' نے پھر مقابلہ کی بات کی ہے میں پھر یہی کہتا ہوں کہ ہم مقابلہ نہیں کرتے ہم ان آثار کو تخصیص کی دلیل سمجھتے ہیں جسکو صاحب تحقیقات مقابلہ کہتا ہے اسکو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ''مجہول'' راوی کی صفت ہوتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ: ''اور دوسرا ابن عمرؓ کا اثر ہے یعنی صحابی کا فعل (اور وہ بھی مجہول الحال ہے)'' صحابی کے فعل کو مجہول الحال بنا دیا حالانکہ ''مجہول الحال'' راوی ہوتا ہے فعل مجہول الحال نہیں ہوتا!

قارئین کرام اگر آپ ''صاحب تحقیقات'' جیسے نام نہاد محقق و مجتہد کی باتوں میں آ گئے تو پھر اندازہ لگائیں کہ آپ کے مذہب کا کیا حشر ہوگا جو شخص موصوف وصفت کو نہ پہچانے وہ کیا خاک آپ کو صحیح مذہب کی تعلیم دے سکے گا موصوف ذات ہوتی ہے اور فعل ذات نہیں ہوتا بلکہ عرض ہوتا ہے جو ذات کیساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور فعل میں جو مجہول ہوتا ہے وہ الگ چیز ہے اسکا ہمارے

بحث سے کوئی تعلق نہیں یہاں بحث رجال کی ہے اور رجال کی بحث میں مجہول راوی ہوتا ہے ذات کے اعتبار سے یا حال کے اعتبار جیسا کہ اُصولیین نے ذکر کیا ہے۔

ساتویں حدیث:

''حَدَّثَنا مُحمَّدُ بْنُ خُزَيْمةَ وفَهْدٌ قَالا ثَنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ صَالِحَ
قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ بْنُ الهَادِيْ عَنْ مُحَمَّد بن
كعب قال.........الخ

یہ پوری حدیث بھی باب دوم میں مع ترجمہ گزر چکی ہے

''سند حدیث پر ''صاحب تحقیقات'' کا کلام''

قولہ

''صاحب تحقیقات'' کہتا ہے:

اول یہ فعل صحابی ہے اور مرفوع قولی حدیث کے مقابلہ میں مردود ہے۔

دوم سند میں عبداللہ بن صالح ہے جسکا ذکر امام ذہبیؒ نے المغنی فی الضعفاء (۱/۳۴۴) پر کیا ہے (عربی عبارت کا ترجمہ) عبداللہ بن صالح لیث کا کاتب ہے منکر (حدیث) صالح الحدیث ہے اسکی (راویتوں میں) مناکیر ہیں ابن عدی نے کہا ہے: وہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث ہے اور اسکی غلطیاں ہیں اور حافظ جزرہ نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا، نسائی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور دیگر محدثین نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ انتہی حافظ ابن حجر کہتا ہے کہ وہ صدوق ہے کثیر الغلط ہے کتابت میں قوی ہے اور اس میں غفلت تھی۔

''سند پر''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ''

اقول:

میں کہتا ہوں کہ: فعل صحابی مرفوع قولی حدیث میں تعارض کے وقت حجت ہوتا ہے اور اس مرفوع قولی حدیث کیلئے مخصص بھی بن سکتا ہے جیسا کہ یہاں پر ابن عمرؓ نے باوجود نماز فجر کے قیام کے وقت سنتیں پڑھیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت اذا اقیمت الصلاۃ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ پھر تو ابن عمرؓ پر رسول ﷺ کی قولی حدیث کے خلاف کرنے کا حکم عائد ہوگا! اور یہ ''صاحب تحقیقات'' جیسا کم فہم ہی کرسکتا ہے صحابہ کرامؓ کی شان میں اس سے بڑھ کر اور گستاخی کیا ہوگی!

اور اگر وہ یہ کہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ نہی کی احادیث ان کو نہ پہنچی ہو تو یہ بات بالکل بعید ہے۔ اور جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں اُن واقعات کی ہمارے پاس مناسب توجیہات موجود ہیں جسکے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

قولہ:

''اور''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا:

''لہذا عبداللہ بن صالح متکلم فیہ آدمی ہے تو کس طرح یہ اثر صحیح ہوجائے گا''

اقول:

میں کہتا ہوں کہ: کسی راوی کے متکلم فیہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اسکو بالکل ہی ضعیف گردانا جائے، متکلم فیہ تو امام بخاریؒ بھی ہے، متکلم فیہ احمد بن صالح مصری بھی ہے اور ان سے

بڑھ کر ثقہ رواۃ جن پر معمولی قسم کلام بھی ہوا ہے ان کو علامہ ابن عدیؒ نے الکامل میں ذکر کیا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ضعیف ہوگئے بلکہ اس قسم کے رواۃ یعنی جن کی امامت پر اتفاق ہو کے معاملہ میں جرح کو قبول ہی نہیں کیا گیا ہے۔ ''صاحب تحقیقات'' اپنی منطق چلا رہا ہے اور متکلم فیہ کو غیر صحیح کہہ رہا ہے اگر چہ عبداللہ بن صالح مختلف فیہ راوی ہے اگر چہ اسکی حدیث کا درجہ صحیح کے اعلی مرتبہ کا نہیں ہوسکتا لیکن اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ حسن الحدیث بھی نہ ہو حالانکہ مختلف فیہ راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے جیسا کہ علامہ ذہبیؒ کی کتاب ''الموقظہ'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے صالح بن عبداللہ کے متعلق ابن قطانؒ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

''قَالَ ابنُ القَطَّانِ: هُوَ صَدُوقٌ، وَلَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ مَا يُسْقِطُ لَهُ حَدِيْثَهُ اِلَّا أَنَّهُ مُخْتَلَفٌ فِيْهِ، فَحَدِيْثُهُ حَسَنٌ''. (تهذيب التهذيب، ج:۳، ص: ۲۲۳، مؤسسة تاريخ العربى)

ابن قطانؒ نے فرمایا کہ وہ صدوق ہے، اور اس کے خلاف کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہوئی کہ جس کی وجہ سے اسکی احادیث کو ساقط کر دیا جائے سوائے اسکے کہ وہ مختلف فیہ راوی ہے، پس اُسکی حدیث حسن ہے۔

اور میں نے جو یہ کہا تھا کہ متکلم فیہ ہونے سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوتا اور اسکی ثقاہت ختم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اسکی تصریح بھی مل گئی چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے اُن راویوں پر جو متکلم فیہ ہیں لیکن باوجود اس کے اُنکی ثقاہت میں فرق نہیں آیا اور وہ ثقہ ہی رہے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے عبداللہ بن صالح کا ذکر بھی کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''عَبۡدُ اللّٰہِ بۡنِ صَالِحِ الجُھۡنِیُّ کَاتِبُ اللَّیۡث (خ دت ق): صَالح الحَدِیۡث لَہٗ مَنَاکِیۡر رویٰ عنہُ ابۡنُ معین و البُخَارِیُّ وَقَالَ أَبُو زُرۡعَۃَ حَسَنُ الحَدِیۡث وَقَال ابۡنُ عِدِّی ھوَ عِنۡدِی مُستقیمُ الحَدِیۡث وَلَہٗ أَغَالِیط قُلۡتُ فَتَجۡتَنِب مَنَاکِیۡرَہٗ. (من تکلم فیه وھو موثوق، ج: ۱، ص: ۱۰۹)

عبداللہ بن صالح الجھنی لیث کا کاتب ہے، صالح الحدیث ہے، اور اسکی منکر راویتیں ہیں، اس سے ابن معینؒ اور امام بخاریؒ نے احادیث راویت کی ہیں، اور ابوزرعہ نے فرمایا ہے کہ وہ حسن الحدیث ہے، اور ابن عدی نے فرمایا ہے وہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث ہے، اور اُس کی کئی غلطیاں ہیں، میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اُس کی منکر راویات سے اجتناب کیا جائے (باقی راویات میں وہ حسن الحدیث ہے)

پس ماقبل کی تصریح سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ متکلم فیہ اور ثقہ میں تباین نہیں ہے بلکہ یہاں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے کہ بعض متکلم فیہ ثقہ ہوسکتے ہیں اور بعض ثقہ متکلم فیہ ہوسکتے ہیں۔ پس معلوم ہوگیا کہ نہ تو ہر متکلم فیہ ضعیف ہوتا ہے اور نہ ہی ہر ثقہ متکلم فیہ ہوتا ہے لہذا یہ دونوں ایک دوسرے کے بعض افراد پر صادق آسکتے ہیں۔

لہذا ''صاحب تحقیقات'' کا متکلم فیہ راوی کو ضعیف کہنا اسکی نادانی ہے جو روز روشن کی طرح واضح ہوچکی ہے۔

نیز یہی علامہ ذہبیؒ اپنی مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''أَمَّا بَعۡد: فَھٰذا فصلٌ نَافِعٌ فِیۡ مَعۡرِفَۃ ثِقَات الرُّواۃ الَّذِیۡن تَکَلَّم فِیۡھِم بَعۡض الأئمَّۃ بِمَا لَا یَرُدُّ أخبارَھُم وَفِیۡھِمۡ بَعۡض

اللین وغیرھم أتقن منھُم وأحفظ فھؤلاء حَدِیۡثُھُم اِنۡ لَم یَکُن فِی أَعلٰی مَراتِبِ الصَّحیح فلا ینزل عَن رُتۡبَۃِ الحَسَن اللّٰھُمَّ اِلَّا أَنۡ یَکُونَ لِلرَّجُل مِنۡھُم أحادِیۡث تستنکر عَلَیۡہ وھی التی تکلم فیه من أجلِھَا فَیَنۡبَغِی التَّوقف فِی ھذہ للأحادیث. (من تکلم فیه وھو موثوق. ص: ۲۷)

یہ فائدہ دینے والی فصل اُن ثقات کو پہچاننے کے بیان میں ہے جن کی ثقاہت میں بعض آئمہ نے معمولی قسم کا کلام کیا ہے کہ جس کی وجہ سے انکی احادیث کو رد نہیں کیا جائے گا، اور اُن میں ادنیٰ سی کمزوری ہو اور ان کے مدمقابل اُن سے زیادہ ثقہ اور زیادہ حافظ ہوں تو اُن لوگوں کی حدیثیں اگرچہ صحیح حدیثوں کے اعلیٰ مرتبہ میں شمار نہ ہو لیکن وہ حسن کے مرتبہ سے نہیں اُترتی سوائے اسکے اُس آدمی کی کچھ ایسی حدیثیں ہوں جن کی وجہ سے اس پر نکارت کا داغ لگا ہو اور یہ وہی احادیث ہوں جن کی وجہ سے وہ متکلم فیہ بنا ہے تو پھر ان احادیث میں توقف کرنا چاہیئے۔

قارئین کرام علامہ ذہبیؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے مسئلہ بالکل واضح ہوگیا کہ جن لوگوں کو اُنہوں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے انکی احادیث کم ازکم حسن کے درجہ کی ضرور ہوتی ہیں لہذا ہم اس راوی کے متعلق یہی کہیں گے کہ یہ راوی حسن الحدیث ہے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کہتا ہے:

اس وجہ سے ہفواتی صاحب کے ایک متعصب پیشوا جو کہ نیموی ہے
اُس نے آثار السنن میں اس اثر پر سکوت کیا ہے باوجود اسکے کہ وہ
موضوعات کو بھی صحیح کہتا ہے جو اسکے مذہب کے موافق ہوں اور صحیح کو
ضعیف کہتا ہے جو اسکے مذہب کے مخالف ہو۔

اقول:

علامہ نیمویؒ متعصب نہیں بلکہ متعصب تو ''صاحب تحقیقات'' ہیں کہ باوجود عبداللہ بن صالح کے حسن الحدیث ہونے کہ اسکے اثر کو چھوڑ دیا کیونکہ یہ اثر انکے مسلک کے خلاف ہے تو اگر چہ یہ حسن ہے لیکن وہ اسے قبول نہیں کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ''وہ موضاعات کو بھی صحیح کہتا ہے جبکہ وہ اسکے مذہب کے موافق۔ میں کہتا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' کوئی ایک راویت بیان تو کرتے کہ اُس نے اس موضوع راویت کو بھی صحیح کہہ دیا ہو؟ ''صاحب تحقیقات'' یوں ہی زبانی جمع خرچ کرتے نہیں تھکتے اپنا کیچڑ دوسروں پر اُچھالنا تو ''صاحب تحقیقات'' اور انکے بڑوں کے رگ وپے میں رچ بس چکا ہے جسکا ذکر میں شمس الحق عظیم آبادی صاحب کے متعلق کر چکا ہوں۔
نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے میں ''صاحب تحقیقات'' کے پاس کونسی صحیح حدیث ہے وہ مرسل راویت جو اپنے تمام طرق کیساتھ مرسل ہے جبکہ ان کے نزدیک مرسل حجت ہی نہیں تو پھر نماز فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کی منع میں جو متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں اس مرسل راویت کو اسکے مقابلہ میں کیوں پیش کرتے ہو اس وقت جب خود تمہارے مسلک کی موافقت میں ضعیف حدیث آتی ہے تو وہ تمہارے نزدیک حجت ہوتی ہے لیکن جب مدمقابل کوئی حسن راویت پیش کرتا ہے تو اسکو ضعیف ثابت کرنے کیلئے کیا کیا منطق چلاتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ نیمویؒ متعصب ہے متعصب وہ نہیں بلکہ متعصب ''صاحب تحقیقات'' ہے۔

اس کا علامہ نیمویؒ کے سکوت کو اسکے ضعف کی دلیل سمجھنا بھی اسکی نادانی ہے کیا اُسکے پاس اس کی دلیل ہے کہ علامہ نیمویؒ نے یہ بتایا ہو یا مقدمہ میں یا تعلیق الحسن میں اس بات کی تصریح کی ہو کہ جس حدیث پر میں سکوت کروں وہ ضعیف ہوگی؟ جناب خیالی گھوڑے دوڑا رہا ہے بغیر کسی دلیل وقرینہ کے کسی چیز پر حکم لگانا کیا شریعت اس بات کی اجازات دیتی ہے؟

قولہ:

دوسرا اس میں محمد بن خزیمہ طحاوی کا شیخ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :(ترجمہ) طحاوی کا شیخ ہے ثقہ مشہور ہے اور یہ معروف شخصیت والا آدمی ہے ابن عساکر نے اسکا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے اور کہا ہے محمد بن خزیمہ بن مخلد بن محمد نے اپنے باپ اور ہشام بن عمار سے راویت کیا ہے۔ اور اس سے محمد بن اسحاق اللخمی نے راویت کیا ہے ابن عساکر نے کہا ہے اسکی احادیث اسکے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔ (التحقیات فی رد الہفوات، ص:۳۹۵)

اقول:

میں کہتا ہوں کہ محمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے ابن عساکر کی مبہم جرح سے وہ ضعیف نہیں ہوسکتا علامہ ذہبیؒ محمد بن خزیمہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

''محمد بن خُزَیمَةَ ،شِیخ الطَّحَاوِیُ فَمَشْهُورٌ ثِقَةٌ'' (میزان الاعتدال، ج:۳، ص:۵۳۷)

محمد بن خزیمہ طحاویؒ کا شیخ ہے مشہور اور ثقہ ہے۔

اسکے علاوہ محمد ایوب مظاہریؒ علامہ ذہبیؒ کی مذکورہ عبارت نقل کرنے

بعد فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الْعَيْنِيُّ فِي النُّخَبِ وَثَّقَهُ ابنُ يُوْنُسَ وَقَالَ تُوُفِّيَ سنة٢٧٦ھ (رجال الطحاوي على هامش شرح معاني الاثار ج: ١، ص: ١٠، رقم حاشية: ١)

پس علامہ ذہبیؒ علامہ ایوب مظاہریؒ کی عبارت سے معلوم ہوگیا کہ محمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے اور محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو اُس وقت تک جرح قبول نہیں کرتے بلکہ تعدیل کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ محدث کبیر علامہ عبدالحئی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وامّا الْجرحُ فلا يُقْبَلُ الاَّ مُفَسَّرا مبيّن سبب الجرح لأَنَّ الجَرحَ يَحصل بأمْرٍ واحد فَلايشقُّ ذكرُهُ ...... الخ (الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل، ص: ٨٠)

اور رہی بات جرح کی تو اُس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک وہ مفسر نہ ہو کہ سبب جرح بیان ہوئی ہو کیونکہ جرح ایک ہی بات سے بھی حاصل ہوجاتی ہے تو اسکا ذکر کرنا مشکل نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ابن عساکرؒ کی یہ جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ انکا یہ کہنا کہ اُسکی حدیثیں اسکی کمزوری پر دلالت کرتی ہیں انتہائی مجمل سی بات ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ اُس کی راویت کردہ حدیثوں میں کیا اور کس قسم کی کمزوری ہے جسکی وجہ سے ہم اس پر ضعف کا حکم لگائیں۔ لہذا محمد بن خزیمہ ثقہ راوی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اس پر ضعف کا حکم لگانا مردود ہے جو اصول حدیث کے بنیادی قواعد کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جب اس اثر کے متکلم فیہ راویوں کی توثیق ثابت ہوگئی تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ

اثر حسن درجہ کی ہے اور "صاحب تحقیقات" کا اسکو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش اسکی غباوت تھی۔ پس یہ اثر حدیث ابو ہریرہؓ کی حدیث کیلئے مخصص بن سکتا ہے۔

آٹھویں حدیث:

"حدَّثنا على بْنُ شَيْبَةَ قَال ثَنا الحَسَنُ بْنُ مُوْسىٰ قَال ثَنا شَيْبَان بن عَبْدِ الرَّحْمنِ عَنْ يحيىٰ بْنِ أَبِيْ كَثِير عَنْ زيد بنِ أَسْلَمَ...... الخ (شرح معانى الاثار ج: ١، ص: ٣٧٥)

تنبیہ......: پوری حدیث مع ترجمہ باب دوم پر ملاحظہ فرمالیں یہاں صرف سند پر کلام ہوگا۔

"سند حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قولہ:

"صاحب تحقیقات" کہاہے:

یہ اثر بھی ضعیف ہے، (اس میں ایک راوی) یحیٰی بن ابی کثیر یمانی مدلس ہے اور یہ اقرار نیموی نے بھی اثار السنن (۲۲۸) میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں (ترجمہ) یحیٰی بن ابی کثیر یمانی کا شمار صغار تابعین میں سے ہے، وہ حافظ ہے مشہور ہے کثیر الارسال ہے نسائی نے اسے تدلیس کیساتھ موصوف کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے اسماء المدلسین (ص: ۱۰۷) میں اسکا شمار مدلسین میں کیا ہے، اور یہاں اس نے یہ اثر "عن" کیساتھ راویت کیا ہے اور مدلس جب "عن" کیساتھ حدیث راویت کریں وہ بالاتفاق محتج بہ نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر فرماتے

ہیں:(ترجمہ) معنعن متصل شمار ہوتا ہے جب اس میں دوشرطیں متحقق ہوجائیں: کہ بعض کی ملاقات بعض کیساتھ ثابت ہوجائے۔اور یہ کہ جس نے ''عنعنہ کیا ہے وہ مدلس نہ ہو۔اور یہاں پر دنوں شرطیں مفقود ہیں زید بن اسلم کی ملاقات یحیٰ کیساتھ ثابت نہیں اور ''عنعنہ'' کرنے والا یحیٰ ابن ابی کثیر مدلس ہے۔لہذا یہ اثر ضعیف ہے۔

''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ

اقول:

میں کہتا ہوں کہ:

''صاحب تحقیقات'' یہاں بھی لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اُس نے ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارت تو نقل کردی لیکن اس بات کی وضاحت نہ کی کہ یحیٰ ابن ابی کثیر کا شمار مدلسین کے کس طبقہ میں ہوتا ہے جیسا کہ میں پہلے سفیان ثوریؒ کے متعلق بتا چکا ہوں کہ مدلسین کو ابن حجر عسقلانیؒ نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے اور یحیٰ ابن ابی کثیر کا شمار انہوں نے دوسرے طبقہ میں فرمایا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جنکی تدلیس کو آئمہ نے قبول کیا ہے اور باوجود مدلس ہونے کے ان کی احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جیسا کہ اسکی تفصیل سفیان ثوریؒ کے متعلق بیان ہو چکی ہے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لہذا ''صاحب تحقیقات'' کی یہ کاروائی یہود کے خصال کی مشابہ ہے کہ بعض باتوں کو تو نقل کرتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے۔

کسی راوی کے مدلس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکی حدیث ضعیف ہو بلکہ اس بات کی تحقیق کرنی چاہئے کہ اسکا تعلق کس طبقہ سے ہے اسکے بعد کوئی فیصلہ کیا جائیگا جیسا کہ میں اس بات کی

وضاحت کرچکا ہوں کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے پہلے اور دوسرے طبقہ کے مدلسین کو صحیح یہ لوگوں میں شمار کیا ہے چاہے وہ ''عن'' کیساتھ روایت کریں یا ''سماع'' کی تصریح کریں ان دونوں طبقوں کے متعلق یہ اصول نہیں چلے گا جو ''صاحب تحقیقات'' نے ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیث کے اتصال کیلئے دو شرطیں ہیں۔کہ ایک راوی کی دوسرے سے ملاقات ،اور دوسری یہ کہ وہ راوی مدلس نہ ہو۔یہ اصول پہلے دو طبقوں کے علاوہ کیلئے ہے کہ ان کی حدیث میں جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں اُس وقت تک حدیث متصل شمار نہ ہوگی لیکن ''صاحب تحقیقات'' کی منطق کو تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمالیا کہ اُس نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بیان کردہ اصول کو بغیر کسی فرق کے سب مدلسین پر فٹ کردیا اگر ہم ''صاحب تحقیقات'' کی اس منطق کو تھوڑی دیر صحیح مان لیں تو پھر اس اصول کے مطابق ،امام بخاریؒ بھی تو مدلس ہے،امام مالکؒ بھی مدلس ہے،امام مسلمؒ بھی مدلس ہے اسی طرح بہت سے ثقہ ائمہ مدلس ہیں تو کیا ''صاحب تحقیقات'' کے یہاں پر بیان کردہ اس اصول سے یہ سب لوگ ضعیف ہوجائیں گے ؟جو حدیث امام بخاریؒ،یا امام مالکؒ،یا امام مسلمؒ ''عن'' کیساتھ روایت کریں کیا وہ سب حدیثیں ضعیف ہوجائیں گی؟اگر ایسا ہے تو پھر بخاری،مسلم،موطا امام مالک کی بہت سی حدیثیں ضیف ہوجائیگی؟''صاحب تحقیقات'' اسکے متعلق کیا جواب دیں گے؟۔

لہذا میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا اصول مسلم ہے لیکن ''صاحب تحقیقات'' نے اس اصول کو ''کلمة الحق أرید بها الباطل'' کی طرح استعمال کیا ہے کہ سب کو ایک درجہ میں رکھ دیا اور میں نے جو امام بخاریؒ،امام مالکؒ،اور امام مسلمؒ کا نام لیا ہے ان حضرات کو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ہی طبقات المدلسین میں ذکر کیا ہے لیکن ان کا شمار مدلسین کے طبقہ اول میں کیا ہے اور انکے متعلق فرماتے ہیں:

المرتبة الاولیٰ: مَنْ لَمْ يُوصَفُ بِهِ الأنادار كيحيىٰ بن سعيد الانصاری"

پہلا طبقہ وہ ہے کہ جن کو تدلیس کیساتھ بہت کم ہی موصوف کیا گیا ہے جیسا کہ یحیٰ بن سعید انصاریؒ۔

پھر اس طبقہ میں تینتیس آئمہ کے نام گنوائے ہیں جن کو تدلیس کیساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ان میں مندرجہ بالا ائمہ کا نام بھی ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے لیکن تدلیس کیساتھ موصوف ہونا نہ ان کی شان میں کمی کا باعث ہے اور نہ ہی انکی امامت وثقاہت میں نقص کا۔ اسی طرح انہوں دوسرے طبقہ کے متعلق بھی فرمایا ہے جسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لہذا اگر ہم "صاحب تحقیقات" کی اُلٹی سیدھی باتوں (اُلٹی سیدھی باتوں کا مطلب تو آپ سمجھتے ہونگے کہ "اُلٹی بات کو سیدھی بنا کر پیش کر دیا جائے جیسا کہ "صاحب تحقیقات" نے کیا ہے) میں آ گئے تو پھر ہم اور منکرین حدیث میں کوئی فرق نہیں رہے گا انہوں نے بھی "صاحب تحقیقات" کی طرح اُلٹی سیدھی باتوں سے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا اور حدیث کے منکر بن گئے اگر "صاحب تحقیقات" کی یہ عادت رہی تو پھر اللہ جانے کہ......!

بہر حال "صاحب تحقیقات" کی باتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے سیدھی بات کو سیدھی سمجھ کر اور اُلٹی بات کو اُلٹی سمجھ کر فیصلہ کیا جائے۔ لہذا سیدھی بات کو سیدھی سمجھ کر ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اُلٹی بات کو اُلٹی سمجھ کر کہتے ہیں کہ "صاحب تحقیقات" کی سب باتیں غلط ثابت ہوئی ہیں۔

تنبیہ......: مذکورہ کلام کے علاوہ "صاحب تحقیقات" نے اس حدیث پر دوسرا اور تیسرا کلام بھی کیا ہے لیکن پہلے اسکا جواب ہو چکا ہے اس وجہ

سے ان کو نقل نہیں کیا گیا۔

نویں حدیث :

"حدثنا أحمد بن عبد المؤمن الخراساني قال ثنا علي بن الحسن بن شقيق قال أنا الحسن بن واقد قال ثنا يزيد النحوي......الخ (ج: ۱، ص ۳۷۴)

نوٹ: پوری حدیث مع ترجمہ (باب دوم) پر ملاحظہ فرمالیجئے یہاں صرف اعتراضات کا جواب دیا جائے گا۔

"حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

"صاحب تحقیقات" نے اس حدیث پر کلام کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اس حدیث میں اور زید بن اسلم کی راویت میں تعارض ہے اور "اذا تعارضا تساقطا" کے اصول سے یہ دونوں راویتیں ساقط ہیں لہذا حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں گے اور تمہارے پاس تو الحمد للہ ایک حدیث بھی اسکے متعلق نہیں ہے۔ اور حدیث میں تو صریح نہیں آئی ہے۔

(۲) حدیث مسلم میں نہی وارد ہے اور تمہارے مذہب کے اصولوں کے مطابق نہی اباحت پر مقدم ہوتی ہے دیکھوں فتح الباری ((۲۴۶/۱)

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول:

(۱)...... میں کہتا ہوں کہ ابن عمرؓ کے فعل میں تعارض کا جواب (باب دوم، پر تفصیل کیساتھ ہو چکا ہے وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ تعارض کے وقت رجوع حدیث رسول ﷺ کی طرف ہوگا یہ ''صاحب تحقیقات'' نے ایک نیا اصول بنایا ہے جو آج تک نہ کسی محدث نے بیان کیا ہے اور نہ کسی مجتہد نے کہ آثار میں تعارض کے وقت رجوع حدیث رسول ﷺ کی طرف ہوگا میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ''صاحب تحقیقات'' اُلٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حدیث رسول ﷺ میں جب تعارض پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث ابوہرہؓ کے حوالہ سے گزر چکا ہے تو اس وقت رجوع اقوال وافعال صحابہؓ کی طرف ہوگا کیونکہ حدیث رسول ﷺ میں نہی اگر صریح ہوتی تو پھر اقوال وافعال صحابہؓ میں اختلاف کیوں پیدا ہوتا کیا جو صحابہ کرامؓ اس وقت سنتیں پڑھتے تھے اُن کو یہ حدیث رسول ﷺ معلوم نہیں تھی کیا وہ اس نہی کو صریح سمجھتے تھے اگر صریح سمجھتے تو پھر کیا نعوذ باللہ انہوں نے حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کی تھی کہ وہ باوجود صریح نہی کے نماز فجر کی قیام کے وقت سنتیں پڑھتے تھے؟

یہی وجہ ہے کہ ہم اُن احادیث کو صریح تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُن احادیث میں مناسب تاویل کرتے ہیں جسکی دلیل اجلہ صحابہ کرامؓ کا عمل ہے لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ احادیث محمول ہیں صفوں میں مل کر سنتیں پڑھنے کیساتھ یعنی ممانعت جماعت کی صفوں میں مل کر سنت پڑھنے پر وارد ہوئی ہے جیسا کہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔

اور ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ تمہارے پاس کوئی حدیث نہیں ہے تو اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نماز فجر کی قیام کے وقت سنتیں پڑھ لیتے تھے ۔ جو حسن درجہ کی حدیث ہے تو جب امام کی تخصیص اس حدیث سے ہوگئی تو ماموم کی تخصیص دیگر احادیث واقوال وافعال صحابہؓ سے ہوگئی۔ اور اسی بات کو موصوف نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں کہ آثار

صحابہؓ مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہم آثار صحابہؓ کو مرفوع احادیث کا مقابل سمجھتے ہی کب ہیں ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ ہم ان مرفوع احادیث کی تشریح میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں جو کہ مجتہد بے بدل ہیں اور تم اسکی تشریح کیلئے مقلدین محدثین کی تقلید کرتے ہو اور ابن حجرؒ یا امام نوویؒ کے دروازے پر جا کر بھیک مانگتے ہو جو کہ مقلدین ہیں۔

(۲)...... میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل درست ہے اور احناف کا مسلم قاعدہ ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض پیدا ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوگی اور ہم مسلم شریف وغیرہ احادیث میں اسی قاعدے کے پابند ہیں ہمارے نزدیک حدیث میں وارد ممانعت کا تعلق چونکہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر سنتیں پڑھنے پر محمول ہے تو اسی پر عمل کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ جماعت کی صفوں کیساتھ مل کر فجر کی سنتیں پڑھنا سخت مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے تو ہم نے اپنے قاعدے کو استعمال کیا اور الحمد للہ اسی پر ہمارا عمل ہے جو حدیث رسول ﷺ اور عمل صحابہؓ کے موافق ہے ۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

قولہ:

> (۳) تیسرا یہ کہ اس سند میں الحسین بن واقد متکلم فیہ آدمی ہے جسکو امام احمد بن حنبل اور امام ساجی نے ضعیف کہا ہے دیکھو تہذیب التہذیب (۱/۶۰۴)

اقول:

(۳)...... میں کہتا ہوں کہ ''صاحب تحقیقات'' سے بڑا متعصب شاید کہ دنیا میں کوئی مل جائے اُلٹا یہ امام نیمویؒ کو متعصب کہتا ہے! اسکے تعصب کو تو دیکھئے کہ ثقہ راوی کے متعلق مجمل کلام نقل کر کے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ حسین بن واقد ضعیف راوی ہے اور چالاک اتنا ہے کہ اس

کیلئے عنوان قائم کیا کہ ''متکلم فیہ آدمی ہے'' متکلم فیہ کا یہ ہتھیار انہوں نے عبداللہ بن صالح کے متعلق استعمال کیا تھا جسکی وضاحت کر چکا ہوں کہ ہر متکلم فیہ راوی ضعیف نہیں ہوتا بلکہ بعض متکلم فیہ ضعیف ہوتے ہیں متکلم فیہ اور ضعیف میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے کہ ہر ضعیف متکلم فیہ ہوتا ہے لیکن ہر متکلم فیہ ضعیف نہیں ہوتا بلکہ بعض متکلم فیہ ثقہ بھی ہوتے ہیں اور اُن پر محدثین کا کلام اُنکی ثقاہت کے منافی نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اسکی وضاحت کر چکا ہوں۔

حسین بن واقد ثقہ راوی ہے عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں: ''ہمارے لئے حسین کے مثل کون ہوگا'' امام اثرم نے امام احمدؒ سے راویت کیا ہے کہ: ''وہ لاباس بہ ہے اور اسکی تعریف کی'' ابن ابی خیثمہؒ نے ابن معین کے حوالہ سے فرمایا کہ: ''وہ ثقہ ہے'' امام ابوزرعہ اور امام نسائی نے اسکے متعلق فرمایا کہ: ''لاباس بہ یعنی اس میں کوئی نقص نہیں۔ ابن حبانؒ نے فرمایا کہ: ''کان من خیار الناس'' کہ وہ اچھے لوگوں میں سے تھا اور وہ کبھی کبھی خطاء کر جاتا تھا '' ابن سعدؒ نے فرمایا کہ وہ ''حسن الحدیث ہے'' امام آجری نے ابوداودؒ کے حوالہ سے بتایا کہ: وہ لاباس بہ ہے، امام ساجی نے فرمایا کہ: فیہ نظر وہ صدوق ہے اور اسے وہم ہو جاتی تھی، امام احمدؒ نے فرمایا کہ: ''میں اُسکی احادیث کو نہیں جانتا کہ وہ کیسی ہیں۔ یہ پوری تفصیل جن کا میں نے خلاصہ نقل کیا ہے تہذیب التہذیب (۲/۴) تہذیب الکمال (۴/۱۹۶)، التعدیل والتجریح (۱/۱۲۶) مغانی الاخیار (۱/۲۱۸) پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

بہر حال آپ حضرات نے حسین بن واقد کی ثقاہت کے متعلق اتنے سارے محدثین کا کلام ملاحظہ فرمالیا کہ سب حضرات اسکی ثقاہت پر متفق ہیں اس کی حدیث کو قابل حجت سمجھتے ہیں لیکن ''صاحب تحقیقات'' نے صرف امام ساجیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے اسکو ضعیف کہہ دیا اور اس میں بھی اُنہوں نے امام ساجیؒ کے کلام میں خیانت کی ہے امام ساجیؒ نے اسکو

ضعیف نہیں کہا ہے بلکہ اس کو صدوق کہا ہے، اور انکا یہ کہنا کہ فیہ نظر یا اُسے وہم ہو جاتی تھی تو یہ اسکے صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور رہی بات امام احمد بن حنبلؒ کی تو امام اثرم کے حوالہ سے بیان ہوا کہ اُنہوں نے بھی حسین کو لاباس بہ کہا ہے اب امام احمد بن حنبل سے دو قول ہو گئے ایک تو یہ کہ اُنہوں نے حسین کی حدیث کا انکار کیا ہے، دوسرا یہ کہ اُس کو لاباس بہ بھی کہا ہے۔ اب یہ بات سمجھیے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے ہر قول کا جدا محمل ہے امام احمدؒ نے حسین کی راویت کردہ حدیث سے جو انکار کیا ہے تو وہ صرف اس حدیث سے ہے جو اُس نے ایوب عن نافع عن ابن عمر کی سند سے راویت کیا ہے چنانچہ علامہ عینیؒ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَاسْتَنْكَرَ أَحْمَدُ بَعْضَ حَدِيثِهِ، وحرّك رأسَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَرْضَهُ.
قُلتُ: أَرادَ بِهِ الحَدِيث الَّذِیْ رَواه الحُسين المذكُور، عن أيّوب، عَنْ نَافع عَنْ ابن عمر اَنَّ رَسولَ ﷺ قال.............الخ'' الحدیث (مغانی الاخیار ج:۱، ص:۲۱۸)

اور امام احمدؒ نے اسکے بعض حدیث کو نکارت کی نظر سے دیکھا اور اس پر اپنا سر یوں ہلایا گویا کہ وہ اس حدیث پر راضی نہیں تھے۔ میں (عینیؒ) کہتا ہوں کہ امام احمدؒ کے اس انکار سے مراد وہ حدیث ہے جو مذکورہ حسین نے ایوب عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے راویت کی ہے.....الخ

پس اب تو یہ بات متعین ہوگئی کہ امام احمدؒ نے اسکی ساری حدیثوں سے انکار نہیں کیا ہے پس جب ساری حدیثوں سے انکار نہیں کیا تو پھر دیگر احادیث کے بارے میں اسکو لاباس بہ فرمادیا۔

مذکورہ جائزہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ یا تو "صاحب تحقیقات" امام احمد بن حنبلؒ کی جرح کے محمل سے واقف نہیں تھے یا جان بوجھ کر اُنہوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے اس کی اس حدیث کوضعیف کہہ دیا۔ ورنہ حسین بن واقد کی باقی احادیث میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وللہ الحمدولہ المنۃ

دسویں حدیث:

"حَدَّثَنا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ ثنا أَبُو عُمَر الضَرِيرُ قَالَ ثنا عبد العَزِيزِ بنِ مُسْلِم قَالَ أَنَا مُطَرِّفُ بْنُ طَرِيف عَن أَبِيْ عُثْمَانَ الأنصاريِّ قَال: جَاءَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عبّاس رَضِيَ اللّٰهُ عنهما وَالإمَام فِيْ صلاةِ الغَداةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلىَّ الرَّكْعتَين فصلىّٰ عَبْدُ اللّٰهِ بن عباس رضِيَ اللّٰه عنهُما الرَّكْعتَين خَلْفَ الاِمام ثمَّ دَخل معَهُمْ وَقدْ رُوِىَ عَنْ ابن عُمَر مِثل ذلك. الكخ (شرح معانی الاثار ج: ١، ص: ٢٥٦، مکتبہ حقانیہ و ج: ١، ص: ٣٧٥، دار الکتب العلمیۃ)

(بعد سند) ابوعثمان انصاریؒ نے فرمایا کہ: عبداللہ ابن عباسؓ ہمارے پاس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور ابن عباسؓ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھی تو ابن عباسؓ نے امام کی (پچھلی والی) صف میں فجر کی سنتیں پڑھ لیں پھر جا کر اُن کے ساتھ جماعت میں شامل ہوگئے اور اسی طرح ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

"حدیث پر "صاحب تحقیقات" کا کلام"

قولہ: صاحب تحقیقات کا کہنا ہے:

(۱) حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: (ترجمہ) ابوعمر الضریر وہ کہ جس پر علی ابن المدینی نے طعن کیا ہے۔

(۲) ابوبکرۃ امام طحاوی کے شیخ کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا وہ مجہول الحال ہے۔

(۳) یہ صحابی کا فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مرفوع قولی احادیث کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

"صاحب تحقیقات" کے کلام کا جائزہ"

اقول وباللہ التوفیق میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ:

(۱)......صاحب تحقیقات نے گویا کہ قسم کھائی ہے کہ احناف کی جو حدیث استدلال میں آئے گی وہ اس کو اپنی تعصب کی وجہ سے ضعیف ثابت کریگا اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ اور کہتا ہے کہ علامہ نیمویؒ متعصب ہے موضوع حدیث کو بھی صحیح کہہ دیتا ہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور صحیح کو ضعیف کہہ دیتا ہے جب وہ اسکے مذہب کے مخالف ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ حضرات پر "صاحب تحقیقات" کا تعصب تو واضح ہو چکا ہوگا کہ اُس نے کتنے صحیح راویوں کو ضعیف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اب اس راوی کے متعلق بھی موصوف نے اسی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کیا ہے اور اپنی پوری کتاب کو دجل وفریب کا مرقعہ بنادیا ہے اس نے یہاں بھی خیانت کی ہے ابوعمر الضریر کے متعلق صرف میزان الاعتدال سے اور المغنی سے اسکے ضعف کے اقوال نقل کردیئے لیکن جس ابوعمر الضریر کو اس نے ضعیف ثابت کیا ہے وہ اس حدیث کا راوی ہی نہیں ہے اس نے صرف "ابوعمر الضریر" نام (کنیت) دیکھ کر اس پر ضعف کا حکم لگادیا اور یہ بتانے

کی زحمت نہ کی کہ اس کنیت سے مشہور کتنے راوی ہیں طحاوی کی سند میں ابو عمر الضریر کونسا ہے ؟ صرف ابو عمر الضریر کو ضعیف ثابت کرنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ پوری وضاحت کی ضرورت ہے کہ اس کنیت کے کتنے راوی ہیں اور ان کی کیا کیفیت ہے؟ لہذا میں کہتا ہوں کہ ابو عمر الضریر جو طحاوی کی حدیث کا راوی ہے اسکا نام حفص بن عمر ہے جو کہ ثقہ راوی ہے چنانچہ اس کے متعلق امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں :صدوق ،صالح الحدیث اسکی عام حدیثیں محفوظ ہیں ۔ابن حبانؒ فرماتے ہیں:''میراث ،حساب ،شعر ،تاریخ ،اور فقہ کے معتبر علماء میں سے تھے پیدائشی نابینا تھے ۔امام ساجیؒ فرماتے ہیں:''من اہل الصدق''یعنی وہ سچے لوگوں میں سے تھے،اور ایک مقام پر فرمایا کہ :وہ حدیث یاد کرتا تھا۔سلیمان شاذ کوئیؒ اُس کی تعریف کرتے تھے ۔علامہ عقیلیؒ نے اسکو ضعفاء میں شمار کیا ہے لیکن علامہ عقیلی کا کلام نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں : کہ وہ صدوق تھے حافظ تھے بڑے متفننین علماء میں سے تھے۔ یہ پوری تفصیل آپ مندرجہ ذیل کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(تهذيب التهذيب ج: ۲ ،ص: ۲۸ ،تهذيب الكمال ،ج: ۴ ،ص: ۲۵۵ ،تقريب التهذيب ج: ۱ ،ص: ۲۲۰ ،مغاني الاخيار ،ج: ۱ ،ص: ۲۲۶ ،رقم ۴۷۹ ،ميزان الاعتدال ،ج: ۲ ،ص: ۳۲۹)

خلاصہ یہ کہ طحاوی شریف کی سند میں جو ابو عمر الضریر ہے وہ ثقہ ہے جیسا کہ ماقبل میں آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں اب جس ابو عمر الضریر کا حوالہ ''صاحب تحقیقات'' نے دیا ہے وہ یہ ابو عمر الضریر نہیں ہے جو طحاوی کا راوی ہے یا تو ''صاحب تحقیقات'' کو مغالطہ لگا ہے یا جان بوجھ کر ضعیف راوی کو طحاوی کے سر تھوپ دیا تا کہ اسکی خواہش پوری ہو جائے اور وہ طحاوی کی سند کو

ضعیف ثابت کر سکے۔''صاحب تحقیقات'' نے جس ابو عمر الضریر کا ذکر کیا ہے وہ شعبہ سے راویت کرنے میں مشہور ہے اس نے عبارت نقل کرنے میں امام شعبہ کا نام اُڑا دیا ہے تا کہ میری بات میں وزن پیدا ہو جائے لیکن علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اسکی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''أَبُـوْ عُمَر الضَّرِيْر .عن شُعْبَةَ .طعن فيه عليُّ بن المدينى .قال الدَّار قطنيُّ :وهو غير الخوضى.

ابو عمر الضریر شعبہ سے راویت کرتا ہے علی ابن المدینی نے اس پر طعن کیا ہے اور دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ خوضی کے علاوہ ہے۔

پس جس ابو عمر الضریر کے متعلق ''صاحب تحقیقات'' نے کلام کیا ہے وہ کوئی دوسرا ہے کیونکہ ہماری اس حدیث کا جو راوی ہے حفص بن عمر ابو عمر الضریر الاکبر کے نام سے مشہور ہے اور یہ جن لوگوں سے راویت کرنے میں مشہور ہے اُن میں شعبہ کا نام نہیں ہے نیز علامہ مزیؒ نے ابو عمر الضریر کے کنیت سے مشہور ہونے والے چار راویوں کا ذکر کیا ہے اور اُن میں کوئی بھی شعبہ سے راویت کرنے والا نہیں ہے اور وہ چاروں ثقہ راوی ہیں ،اُن میں سے ایک حفص بن حمزہ ابو عمر الضریر البغدادی ہے ،دوسرا حفص بن عبداللہ الحلوانی ابو عمر الضریر ہے، تیسرا محمد بن عثمان بن سعید أبو عمر الضریر ہے ۔اور ایک طحاوی کے اس سند کا ابو عمر الضریر ہے جو بصری ہے یہ پوری تفصیل آپ تہذیب الکمال (۴/۲۵۷) تہذیب التہذیب (۲/۲۹) پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس سند میں جو ابو عمر الضریر ہے وہ ثقہ ہے اور ''صاحب تحقیقات'' کا اُس کو ضعیف کہنا اُسکی جہالت یا تجاہل ہے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

(۲) ابوبکرۃ امام طحاوی کے شیخ کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا وہ مجھول الحال ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ امام طحاویؒ کا شیخ مجھول الحال نہیں ہے بلکہ ''صاحب تحقیقات'' کی آنکھوں پر تعصب کے پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے وہ ابوبکرۃؒ کو مجھول الحال کہہ رہا ہے وہ اگر کچھ دیر کیلئے اس تعصب کی عینک کو پھینک دیتے اور انصاف ودیانتداری کی عینک پہن لیتے تو پھر اُنکو ابوبکرۃؒ کی حالت معلوم ہو جاتی کہ اُسکا نام بکار بن قتیبہ ہے اور وہ کلدہ ثقفیؓ صاحب رسول ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور اسکی کنیت بکار ابو بکر القاضی ہے، فقہ اُس نے ہلال بن یحیٰ بن مسلم جو کہ ہلال الرائی سے مشہور تھا سے حاصل کی جو امام ابو یوسف اور امام زفر بن ھذیلؒ کے اصحاب میں سے تھا۔ اس نے ہلال بن یحیٰ سے علم شروط حاصل کیا۔ اُس نے ابوداود طیالسیؒ اور یزید بن ہارون سے حدیث کی سماعت کی اور مصر میں بصریین کے علم کو زندہ کیا۔ اور حدیث عبدالصمد بن عبدالوارث ،صفوان بن عیسیٰ الزھریؒ ،مؤمل بن اسماعیل وغیرہ سے بیان کی اور اس سے امام ابوجعفر طحاوی نے کثرت کے ساتھ احادیث راویت کیں اور اس سے ابوعوانہ نے بھی اپنی صحیح میں حدیثیں راویت کیں اور ابوبکر بن خزیمہؒ نے بھی صحیح خزیمہ میں حدیثیں راویت کیں ،اور ابوداود سجستانیؒ نے بھی حدیثیں راویت کی ہیں۔ علامہ عینیؒ نے اُسکے ترجمہ میں تقریباً چھ سات صفحات لکھے ہیں اُسکے پورے حالات محفوظ ہیں لیکن ''صاحب تحقیقات'' ہے کہ اُس کو مجھول الحال کہہ رہا ہے اتنے بڑے بڑے محدثین اُس سے راویتیں لے رہے ہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ مجھول الحال ہے میں نے ''صاحب تحقیقات'' کے متعلق جو یہ کہا تھا کہ اُس نے تعصب کی عینک پہنی ہوئی ہے یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہ احناف کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتا اگر وہ علامہ عینیؒ

کی مغانی الاخیار جو انہوں نے خاص رجال طحاوی کے متعلق لکھی ہے دیکھ لیتا تو اُسے یہ کہنے کی جرأت کبھی بھی نہیں ہوتی کہ ابوبکرۃ مجھول الحال ہے۔ نیز امام حاکمؒ ابوبکرۃؒ کے متعلق فرماتے ہیں: ''ثقة مامون'' کہ وہ ثقہ اور مامون ہے۔ ابوبکرۃؒ شیخ طحاوی کے حالات کا خلاصہ میں نے علامہ عینیؒ کی کتاب مغانی الاخیار (ج:۱،ص:۱۹۸،رقم ترجمہ:[۲۲۷]) اور امام حاکم کا قول میں نے اعلاء السنن (ج:۵ص:۱۹۷۷) سے بیان کیا ہے اگر کوئی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے تو مذکورہ کتابوں کی طرف رجوع فرمالیں۔

لہٰذا ''صاحب تحقیقات'' کا ابوبکرۃ کو مجھول الحال کہنا غلط ہے۔ جیسا کہ مذکورہ جائزہ سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ وللہ الحمد

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

(۳) یہ صحابی کا فعل ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مرفوع قولی احادیث کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کہ فعل صحابی جب صحیح یا حسن سند سے ثابت ہو جائے تو وہ حدیث کیلئے مخصص بھی بن سکتا ہے اور حدیث کے معنی میں تاویل کا قرینہ بھی ہوتا ہے اور ان باتوں کو کوئی بھی مقابلہ نہیں کہتا سوائے نادانوں کے جیسا کہ......!

گیارویں حدیث:

''حدّثنا أَبُو بشر الرقيُّ قَالَ ثنا أَبُو مُعاوية عَنْ مِسعَرٍ عَن عُبَيد بنِ الحَسَنِ عَنْ أَبِي عُبَيدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي الدَّرداء......الخ(معاني

الاثار ج: ۱، ص: ۳۷۵، رقم ۲۰۴۴)

نوٹ: پوری حدیث مع ترجمہ کے (باب دوم) میں گزر چکی ہے

''سند پر''صاحب تحقیقات'' کا کلام''

قولہ:

صاحب تحقیقات کہتا ہے:

(۱) ابو بشر الرقی مجہول الحال ہے۔ (۲) یہ بھی اثر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صحیح قولی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتی لیکن ہم ان صحابہ کرامؓ پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے ہیں۔

''صاحب تحقیقات'' کے کلام کا جائزہ''

اقول:

میں کہتا ہوں کہ ابو بشر الرقی مجہول الحال نہیں ہے لیکن ''صاحب تحقیقات'' کی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگی ہوئی ہے جسکی وجہ سے وہ ابو بشر الرقی کو مجہول الحال دیکھ رہا ہے ابو بشر الرقی کا نام وشجرہ یوں ہے۔ عبدالملک بن مروان بن اسماعیل بن عبداللہ بن عبدویہ۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''قَالَ ابنُ یُونُسَ الفَارِسیّ: قَدِمَ مِن البصرةِ اِلی مصر. یَروی عَنْ مُعاذ بن مُعاذ العنبری، وأبی معاوية الضرير، وكَانَ ثقةً (مغانی الاخيار ج: ۲، ص: ۲۹۶، رقم الترجمة، ۱۶۴۳)

ابن یونس فارسیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ بصریٰ سے مصر آیا تھا۔ وہ معاذ بن

کشف الغرر عن سنة الفجر　　سنت فجر عند الاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ

معاذ عنبریؒ اور ابو معاویہ الضریر سے راویت کرتا ہے اور وہ ثقہ تھا۔

اُسکی وفات ہفتہ کے دن جمادالاولی یا جمادی الثانی ۲۵۶ھ میں مصر میں ہوئی وہ امام طحاوی کے مشائخ میں سے ایک تھے امام طحاویؒ نے اُن سے بہت سی احادیثیں راویت کی ہیں۔

لیکن اسکے باوجود ''صاحب تحقیقات'' کہہ رہا ہے کہ وہ مجہول الحال ہے لیکن ''صاحب تحقیقات'' کی اُلٹی سیدھی باتیں احناف کے مسلک کو داغ دار نہیں بنا سکتیں بلکہ وہ خود اپنے رسوائی کے در پے ہے کہ خیانتوں اور دھوکہ کے تاج کو اپنے سر پر باندھ چکا ہے۔

قولہ:

''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ:

(۲) یہ بھی اثر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صحیح قولی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتی لیکن ہم ان صحابہ کرامؓ پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں کا اسکا جواب بار ہا دیا جا چکا ہے کہ آثار صحابہ موقوفہ کو احمق ہی حدیث رسول ﷺ کا مقابل سمجھ سکتا ہے لیکن آثار صحابہ حدیث رسول کیلئے مخصص بن سکتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے عموم میں تخصیص جب ایک مرتبہ کسی صحیح یا حسن حدیث مرفوع سے ہو جائے تو پھر اس حدیث کی عمومیت باقی نہیں رہتی اور اس میں مزید تخصیص آثار صحابہؓ سے بھی ہو سکتی ہے، ہم جو آثار صحابہؓ کو پیش کرتے ہیں اول تو ان کا درجہ تخصیص میں دوسرے مرتبہ کا ہے کہ ہم پہلے حدیث کی تخصیص صحیح یا حسن حدیث سے کرتے ہیں پھر اسکے بعد آثار صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں جب حدیث میں تعارض پیدا ہو جائے یا کسی حدیث کے معنی مرادی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ایسی صورت

میں آثار صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس جانب کو امام ابوحنیفہؒ اپنے اجتہاد کی وجہ سے راجح سمجھتے ہیں تو اُسکی پیروی کرتے ہیں۔اب ''صاحب تحقیقات'' کا یہ کہنا کہ ہم صحابہ کرامؓ پر یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔جب تم صحابہ کرامؓ پر حدیث رسول کے خلاف کرنے کا گمان نہیں کرتے تو پھر احناف پر کیوں بہتان لگاتے ہو کہ وہ حدیث رسول ﷺ کی مخالفت کررہے ہیں وہ بھی انہی صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق عمل کرتے ہیں تو پھر احناف ہی تمہارے مجرم کیوں ہیں؟

یہاں تک ''صاحب تحقیقات'' کے سنت فجر عند الاقامت کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے باقی ''صاحب تحقیقات'' نے نماز فجر کے بعد سنت فجر پڑھنے کے متعلق جو احادیث ذکر کی ہیں وہ مرسل راویات ہیں اور مرسل راویات خود انکے ہاں حجت نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔لیکن یہ راویتیں اُن متواتر راویتوں کیلئے مخصص بھی نہیں بن سکتیں کیونکہ یہ خبر واحد ہیں اور متواتر کی تخصص کیلئے کم از کم خبر مشہور چاہئے لہذا ہمارے احناف کے نزدیک چونکہ مرسل حجت ہوتی ہے تو ہم انہی راویات کی وجہ سے اس کو جائز کہتے ہیں لیکن کراہت تحریمی کیساتھ کہ اس وقت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے مطلقاً جواز کے قائل نہیں ہیں جسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ کتاب

کتاب چونکہ بنیادی طور پر دو مسائل پر مشتمل ہے (۱) فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنے کا جواز (۲) نماز فجر کے بعد فجر کی سنتوں کا عدم جواز۔اور یہ احناف کا مفتی بہ مذہب ہے۔ان دو مباحث کے ضمن میں غیر مقلدین کے اعتراضات، شکوک وشبہات اور اُن کے جوابات، غیر مقلدین کے دلائل اور ان دلائل کی توجیہات بھی تفصیل کیساتھ بیان ہو چکے ہیں یہاں پر صرف ان دو مسائل کے دلائل کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف ان

مسائل کے دلائل کو جاننا چاہے تو وہ آسانی سے جان سکے اور مسئلہ کو سہولت کے ساتھ سمجھ سکے اور اُسے یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ احناف کا مسلک الحمدللہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔

''سنت فجر عندالاقامت کے جواز کے دلائل کا خلاصہ''

پہلی دلیل:

حضرت ابوموسیٰؓ سے راویت ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن مسعودؓ آئے اور مسجد میں ایک ستون کی طرف بڑھے اور فجر کی سنتیں پڑھ کر پھر جماعت کی نماز میں شریک ہوئے۔(مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف ابن عبدالرزاق)

دوسری دلیل:

حضرت مالک بن مغول سے رایت ہے کہ میں نے نافعؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا اور تحقیق کہ نماز کھڑی ہو چکی تھی پس انہوں نے فجر کی سنتیں ادا کیں۔

تیسری دلیل:

حضرت ابوعثمان انصاریؓ سے راویت ہے کہ: ''عبداللہ ابن عباسؓ (اس وقت مسجد) آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، اور انہوں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں پس عبداللہ بن عباسؓ فجر کی سنتیں (امام کی (پچھلی والی صف میں) پڑھ کر انکے ساتھ جماعت میں شامل ہوگئے۔

چوتھی دلیل:

حضرت زید بن اُسلمؓ سے راویت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اس وقت مسجد

میں تشریف لائے کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا، انہوں نے ابھی فجر کی سنتیں ادا نہیں کی تھیں پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں سنتیں اداء کیں پھر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔

فائدہ: حضرت حفصہؓ کا حجرہ مسجد نبوی میں داخل تھا جیسا کہ علامہ سمہودیؒ نے خلاصۃ الوفاء میں ذکر فرمایا ہے۔ پس اس لحاظ سے ابن عمرؓ کا مسجد کے اندر فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل:

حضرت ابو درداءؓ سے راویت ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے کہ لوگ نماز فجر میں صفوں میں ہوتے، پس وہ مسجد کے ایک کونے میں فجر کی سنتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

چھٹی دلیل:

عبد اللہ بن ابوموسیٰ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ ابن مسعودؓ ہمارے پس اس وقت آئے کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا انہوں نے ایک ستون کے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھ لیں اور انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔

ساتھویں دلیل:

حضرت ابوعثمان النہدیؒ سے راویت ہے فرماتے ہیں کہ: ''ہم عمر بن خطاب کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے جبکہ وہ نماز پڑھا رہے ہوتے تھے ہم مسجد کے آخری حصہ میں سنتیں پڑھ لتے پھر لوگوں

کیساتھ جماعت میں شامل ہو جاتے۔

آٹھویں دلیل:

حضرت ابومجلزؒ سے راویت ہے فرماتے ہیں کہ: ''میں نماز فجر کے وقت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ اس وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا، ابن عمرؓ تو صف میں شامل ہو گئے جبکہ ابن عباسؓ سنت فجر پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو گئے، پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمرؓ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے یہاں تک سورج طلوع ہو گیا پس وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔

نویں دلیل:

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ مسروق لوگوں کے پاس ایسے وقت تشریف لاتے کہ لوگ فجر کی جماعت میں مشغول ہوتے اور مسروق نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہوتیں پس وہ مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں لوگوں کیساتھ شریک ہو جاتے۔

دسویں دلیل:

حضرت یزید بن ابراہیمؒ نے حضرت حسنؒ سے راویت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ: جب تم مسجد داخل ہو جاو اور تم نے سنتیں نہ پڑھیں ہو تو سنتیں پڑھ لو اگر چہ امام نماز پڑھا رہا ہو پھر امام کیساتھ شامل ہو جاو۔

گیارھویں دلیل:

''حارث نے حضرت علیؓ سے راویت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''رسول

اللہ ﷺ اقامت کے وقت دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھ لیتے تھے۔

بارھویں دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض کے سوائے فجر کی سنتوں کے۔

"سنت فجر عندالاقامت

کی ممانعت والی احادیث سے تخصیص کے دلائل کا خلاصہ"

غیر مقلدین جو روایات سنت فجر عند الاقامت کی ممانعت میں پیش کرتے ہیں احناف کے نزدیک فجر کی سنتیں اُن روایات کے عموم سے فجر کی سنتوں کی انتہائی تاکید واہتمام کی وجہ سے مستثنی ہیں۔اور سنت فجر کی تاکید واہتمام والی تمام روایات فجر کی سنتوں کے استثناء کے دلائل ہیں جنکا خلاصہ مندرجہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

پہلی دلیل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:"فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانے والا) دھکیل رہا ہو۔(ابوداود)

دوسری دلیل

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:"فجر کی (دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔(بخاری)

تیسری دلیل

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:"یہ دو رکعتیں مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔(مسلم)

چھوتی دلیل:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:"نبی کریم ﷺ نوافل میں سے کسی چیز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر کی سنتوں کا۔(بخاری، مسلم)

پانچویں دلیل:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:"میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھلائی کے کاموں میں سے کسی چیز کی طرف اتنی تیزی کرتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ غنیمت کی طرف جتنا کہ فجر کی سنتوں کی طرف۔(صحیح ابن خزیمہ، بخاری)

چھٹی دلیل:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:"فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو اپنے اُوپر لازم جانو کیونکہ ان میں فضیلت ہے۔(معجم کبیر)

ساتھویں دلیل:

ابن عمرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کو مت چھوڑو کیونکہ ان میں رغبت ہے۔(مسند احمد)

آٹھویں دلیل:

ایوب نے عطاء سے راویت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) پڑھنا ہر مسلمان پرلازم ہے۔(احکام القرآن)

نویں دلیل:

حضرت عائشہؓ سے راویت ہے فرماتی ہیں وہ چیز کہ جن کو انہوں نے کبھی نہ چھوڑا نہ حالت صحت میں اور نہ ہی مرض میں نہ سفر میں اور نہ ہی حضر میں، نہ موجودگی میں اور نہ غیابت میں، یعنی رسول اللہ ﷺ نے سنت فجر کی دو رکعتوں کو (ان حالتوں میں بھی ترک نہیں کیا) (مصنف ابن ابی شیبہ)

دسویں دلیل

اور یک راویت میں ہے کہ: فجر کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ ان میں رغائب ہیں۔(مجمع الزوائد)

=====

''فجر کی نماز کے بعد سنن ونوافل کی ممانعت والی احادیث متواترہ کا خلاصہ''

فجر کی نماز کے بعد ہر قسم کی سنتیں اور نوافل پڑھنا چونکہ متواتر احادیث کی وجہ سے منع ہیں اس لیے احناف ان دلائل کی رشنی میں کہتے ہیں کہ ان اوقات میں کسی قسم کی سنتیں اور نوافل پڑھنا منع ہے چنانچہ مندرجہ ذیل میں اُن دلائل کا خلاصہ پیش خدمت ہے جن میں نماز فجر اور عصر کے بعد سنتوں اور نوافل پڑھنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

پہلی دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے ،اور اسی طرح نماز فجر کے بعد بھی طلوع شمس تک نماز (نوافل اور سنتیں) پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔(بخاری،مسلم)

دوسری دلیل:

حضرت ابن عباسؓ سے راویت ہے کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کئی صحابہ سے سنا ہے جن میں عمر بن خطابؓ بھی شامل ہے جو کہ اُن سب میں مجھ کو زیادہ محبوب ہے۔انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک،اور نماز عصر کے بعد غروب شمس تک نماز (نفل وسنتوں) کے پڑھنے سے منع کیا ہے۔(بخاری،مسلم)

تیسری دلیل:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''عصر کی نماز کے بعد غروب شمس تک، اور فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی (نفل) نماز نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

چوتھی دلیل:

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے راویت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ''یا نبی اللہ''! اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے نماز کے (وقت) کے بارے میں بتادیجئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''صبح کی نماز پڑھ کر پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہوکر خوب بلند وروشن ہوجائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اوراس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں، پھر (سورج کے خوب روشن ہونے) کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کے نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اورنماز (مقبولیت اور رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہوتی ہے) یہاں تک کہ سایہ نیزہ کے برابر گھٹ جائے (یعنی مشرق ومغرب کی طرف مائل نہ رہے)، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جھنم خوب دھکائی جاتی ہے، پس جب سایہ مشرق کی طرف نمودار ہوجائے، تو پھر نماز پڑھو کیونکہ اس وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں

کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسکو سجدہ کرتے ہیں'' (مسلم)

پانچویں دلیل:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے سنت فجر (نماز فجر سے پہلے) نہ پڑھی ہوتو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے۔ (ترمذی)

قارئین حضرات! کتاب کے خلاصہ میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں کہ احناف کا مذہب الحمد للہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ اوراحناف پر قرآن وسنت کی مخالفت کا جوالزام غیر مقلدین حضرات انتہائی زور وشور کیساتھ لگاتے آرہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور بودہ ہے۔ جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لہذا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متبعین کو پورے اطمینان اور یقین کیساتھ اپنے امام صاحبؒ کے مذہب پر ثابت قدم رہنا چاہیئے اور کسی قسم کے شک وشبہ میں پڑھنے کے بجائے شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دینا چاہیئے۔ تاکہ یہ لوگ آئندہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لائق ہی نہ رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ حضرات کو مسلک احناف کی دفاع کی مزید توفیق عطاء فرمائیں۔ اورمیری اس حقیر سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماکر لوگوں کیلئے نافع بنادے اور میرے لیے آخرت میں کامیابی ذریعہ بناکر قیامت کے دن میرا حشر اہل حق سواد اعظم اہل سنت والجماعت (آئمہ اربعہ) اور خاص کر اپنے اسلاف علمائے دیوبند کے ساتھ فرمادے۔ آمین یارب العالیمن ولک الحمد والمنۃ

۲۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء

تا

۲۴ ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ ۱۶ اگست 2017

مراجع ومصادر

القرآن والتفاسیر

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام، مطبع وسن اشاعت
۱	کتاب اللہ	کلام اللہ عزوجل
۲	تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر، دارالکتب علمیہ، ۱۴۱۹ھ
۳	تفسیر الطبری	محمد بن جریر ابوجعفر الطبری، مؤسسہ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ
۴	تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، دارالکتب المصریہ ۱۳۸۴ھ
۵	تفسیر احکام القرآن	احمد بن علی ابوبکر الرازی الجصاص، داراحیاء التراث ۱۴۰۵

متون الحدیث

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام، مطبع وسن اشاعت
۶	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، مکتبہ رحمانیہ/ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷	صحیح المسلم	مسلم بن الحجاج ابوالحسن، المتوفی ۲۶۱ھ داراحیاء التراث
۸	جامع الترمذی	محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، مکتبہ رحمانیہ
۹	سنن ابوداود	ابوداود سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ مکتبہ رحمانیہ

نمبر	کتاب	مصنف / ناشر
۱۰	سنن النسائی الکبری	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ موسسہ الرسالہ ۱۴۲۱ھ
۱۱	سنن ابن ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ رحمانیہ
	صحیح ابن خزیمہ	ابو بکر محمد بن اسحاق المتوتی ۳۱۱ھ، المکتب الاسلامی ۱۴۲۴ھ
۱۲	معانی الآثار	ابو جعفر محمد بن احمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ عالم الکتب ۱۴۱۴، مکتبہ رحمانیہ
۱۳	مجمع الزوائد	ابو الحسن نور الدین علی الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ مکتبہ القدسی طبع ۱۴۱۴ھ
۱۴	مصنف ابن ابی شیبہ	ابو بکر ابن ابی شیبہ، المتوفی ۲۳۵ھ، مکتبۃ الرشد طبع ۱۴۰۹ھ
۱۵	مصنف عبدالرزاق	ابو بکر عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ، طبع المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ
۱۶	الترغیب والترہیب	علامہ حافظ منذریؒ المتوفی قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۷	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی الھندی المتوفی ۹۷۵ھ موسسہ الرسالہ طبع ۱۴۰۱ھ
۱۸	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد ابو القاسم الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۰۴ھ
۱۹	سنن کبری	احمد بن الحسین ابو بکر البیہقی، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ

کتب شروح الحدیث وتخریج الحدیث

نمبر	کتاب	مصنف / ناشر
۲۰	عمدۃ القاری	ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

نمبر	کتاب	مصنف / ناشر
۲۰	فتح الباری شرح صحیح البخاری	احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ دار المعرفہ بیروت، طبع ۱۳۷۹ء
۲۱	شرح مسلم للنووی	یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ دار احیار التراث العربی بیروت لبنان، طبع ۱۳۹۲ء
۲۲	بذل المجہود	خلیل احمد السہارنپوی المتوفی ۱۳۴۶ھ
۲۳	عون المعبود	شمس الحق عظیم آبادی المتوفی ۱۳۲۹ھ دار الکتب العلمیہ
۲۴	تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمٰن المبارکفوری المتوی ۱۳۵۳ھ دار الکتب العلمیہ
۲۵	الدر المنضود	مولانا محمد عاقل صاحب مظاہر العلوم، مکتبۃ الشیخ کراچی
۲۶	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۹۳ھ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۸ھ
۲۷	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	علی بن سلطان محمد الھروی ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ دار الفکر بیروت طبع ۱۴۲۲ھ
۲۸	نیل الاوطار	محمد بن علی الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ دار الحدیث مصر ۱۴۳۱
۲۹	المحلی بالآثار	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ، دار الفکر
۳۰	فیض القدیر شرح جامع الصغیر	عبدالرؤوف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ المکتبہ التجاریہ ۱۳۵۶
۳۱	نصب الرایۃ تخریج احادیث الھدایہ	جمال الدین ابو محمد عبداللہ الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ، موسسۃ الریان ۱۴۱۸ھ
۳۲	معارف السنن	محمد یوسف البنوری المتوفی ۔۔۔ادارۃ القران کراچی

کتب طبقات ورجال وعلوم حدیث

۳۳	تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر اعسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دار الرشید، سوریا ۱۴۰۶ھ
۳۴	تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر اعسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۶ھ
۳۵	تہذیب الکمال	یوسف بن عبد الرحمٰن الکلبی المزی المتوفی ۷۴۲ھ طبع موسسہ الرسالہ ۱۴۰۰ھ
۳۶	میزان الاعتدال	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ دار المعرفہ ۱۳۸۲ھ
۳۷	لسان المیزان	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ موسسۃ الاعلمی ۱۳۹۰ھ
۳۸	مغانی الاخیار	ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ درا الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۲۷ھ
۳۹	الاغتباط	برہان الدین الحلبی ابو الوفاء ابراہیم بن محمد العجمی المتوفی ۸۴۱ھ طبع دار الحدیث القاہرہ۔ ۱۹۸۸
۴۰	الکامل ابن عدی	ابو احمد بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۵۰ھ دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ
۴۱	تاریخ کبیر امام بخاریؒ	محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری المتوفی ۲۵۶ھ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ حیدر آباد دکن

۴۲	تذکرۃ الحفاظ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۳	الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل	ابو الحسنات محمد عبد الحئی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ۔ حلب۔ ۱۴۰۷ھ
۴۴	تعجیل المنفعۃ	احمد بن علی بن حجر اعسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع دار البشار ۱۹۹۶ء
۴۵	الثقات لابن حبان	محمد بن حبان بن احمد البستی المتوفی ۳۵۴ھ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ حیدر آباد دکن۔ ۱۳۹۳ھ
۴۶	تاریخ اسماء الثقات	أبو حفص عمر بن احمد ابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ، دار السلفیہ ۱۴۰۴ھ
۴۷	من تکلم فیہ وھو موثوق	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، طبع مکتبہ المنار الزرقاء ۱۴۰۶ھ
۴۸	الرواۃ الثقات المتکلم فیہ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ،
۴۹	المختلطین للعلائی	صلاح الدین أبو سعید خلیل العلائی المتوفی ۷۶۱ء، طبع مکتبہ الخانجی قاہرہ، ۱۴۱۷ھ
۵۰	طبقات المدلسین	احمد بن علی بن حجر اعسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبع مکتبہ المنار عمان ۱۴۰۳ھ

۵۱	الثقات للعجلی	ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی المتوفی ۲۶۱ھ مکتبہ الدار، مدینہ منورہ ۱۴۰۵ھ
۵۲	تدریب الراوی	عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ دار طیبہ
۵۳	الضعفاء الکبیر	ابوجعفر محمد بن عمر العقیلی المتوفی ۳۲۲ھ دار المکتبہ العلمیہ ۱۴۰۴
۵۴	الضعفاء والمتروکین	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ دار الوعی ۱۳۹۶ھ
۵۵	سیر اعلام النبلاء	ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ دار المعرفہ ۱۳۸۲ھ

کتب الفقہ

۵۶	البحر الرائق	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم المصری المتوفی ۹۷۰ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۵۷	الدر المختار مع الرد المحتار	محمد بن علی علاء الدین الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۵۸	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان الموعو بشیخی زادہ المتوفی ۱۰۷۸ھ ،دار احیاء التراث العربی۔
۵۹	ردالمحتار	ابن عابدین محمد امین بن عمر الدمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ مکتبہ رشیدیہ ،کوئٹہ
۶۰	المبسوط لامام السرخسی	محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۴ھ

۶۱	العنایۃ شرح الہدایہ	محمد بن محمد اکمل الدین البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ دار الفکر بیروت ۔
۶۲	حلبی کبیری	ابراہیم بن محمد الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ، قدیمی کراچی
۶۳	مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی	حسن بن عمار بن علی شرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ ،دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۶۴	اللباب فی شرح الکتاب	عبدالغنی بن طالب الغنیمی المیدانی المتوفی ۱۲۸۹ المکتبہ العلمیہ ۔
۶۵	المغنی علی مختصر الخرقی	ابومحمد موفق الدین عبداللہ بن احمد ابن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۲۰ھ ،مکتبہ القاہرہ۔

الفتاویٰ

۶۶	فتاوی رشیدیہ	فقیہ الامت مفتی رشید احمد گنگوہی المتوفی
۶۷	امداد الفتاوی	حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۳ھ ،مکتبہ دار العلوم کراچی۔
۶۸	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ الدھلویؒ المتوفی ۱۳۷۲ھ ،دار الاشاعت کراچی۔
۹۶	فتاوی دار العلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ المتوفی ۱۳۴۷ھ دار الاشاعت کراچی۔

۷۰	آپ کے مسائل اور انکا حل	مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ المتوفی ۲۰۰۰ء، مکتبہ لدھیانہ کراچی
۷۱	فتاوی عثمانی	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، دارالعلوم کراچی
۷۲	فتاوی فریدیہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ
۷۳	فتاوی رحیمیہ	مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ
۷۴	مجموعۃ الفتاوی عبدالحیؒ	بو الحسنات محمد عبدالحیؒ لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ۔ حلب۔ ۱۴۰۷ھ

سنت فجر کے موضوع پر کتب احناف وغیر مقلدین

۷۵	ضوء البدر علی تحقیق سنت الفجر	مولانا محمد شفیق شہرانوی جامعہ اسلامیہ چارسدہ پشاور
۷۶	انارۃ البدر فی تحقیق سنت الفجر	مولانا سید ابوالمقداد عبدالقدوس، صوابی
۷۸	احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں	مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی ، دارالاندلس لاہور
۷۹	احناف کا رسول ﷺ سے اختلاف	حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی، ادارہ تحفظ افکار اسلام
۸۰	الظفر المبین	مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی، مکتبہ محمدیہ ساہیوال
۸۱	التحقیقات فی رد الهفوات	ابو یزید صاحب، پشاور
۸۲	نزل الابرار	مولانا وحیدالزمان مرحوم
۸۳	اعلام اہل العصر	علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ، مکتبہ ام القریٰ

۸۴	بعض احکام رکعتی الفجر	مولانا ارشاد الحق اثری صاحب، مکتبہ ام القری
۸۵	دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی
۸۶	تعداد رکعات رمضان	حافظ زبیر علی زئی

افاراۂت من اتخذ الٰہہ ھواہ

کیا آپ اُس شخص کو جانتے ہیں جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

اہل بدعت و فسق

کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے شرعی احکام و مسائل

یہ بات تو مسلم ہے کہ دو آدمیوں کا مل کر نماز کی جماعت کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تین آدمیوں کا مل کر نماز پڑھنا دو آدمیوں کی نماز سے زیادہ بہتر ہے اسی طرح نمازی جتنی کثرت سے مل کر جماعت کیساتھ نماز پڑھیں گے اُتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جماعت کی نماز کیلئے امام کا انتخاب کس بنیاد پر ہوگا؟ امام کے انتخاب کیلئے کیا کا طریق کار ہوگا؟ کن صفات کے حامل شخص کو امام بنایا جائے؟ اہل بدعت و فسق کی امامت کا شرعی حکم کیا ہے؟ بدعت و فسق کس کو کہتے ہیں؟ بدعتی و فاسق کے کتنے اقسام ہیں؟ کس بدعتی و فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے؟ کس بدعتی و فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؟ کس بدعتی و فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؟ کس بدعتی و فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔؟ ان سب سوالوں کا جواب مع دیگر ضروری مسائل کو شرح و بسط کیساتھ انشاء اللہ اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ عوام و خواص کیلئے مفید ہوگا۔

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی

خطیب جامع مسجد محمدی گلشن آباد روڈ پار ہوتی مردان

مصنف کی دیگر زیرِ طبع کتب

مکتبہ الاحرار نیواڈہ مردان